U100764   01-12-09

Title - DASTOOR AL FASAHAT

Creator - Sayyed Ali Ahmad Khan Yakta; Murattiba Imtiyaz Ali Khan Arshi.

Publisher - Hindustani Press (Rampur).

Date - 1943.

Pages - 151

Subject - Urdu Shayari - Tareekh-o-Tanqeed; Tazkire Shora.

سلسلۂ مطبوعات کتابخانۂ ریاست رامپور : نمبر ۴

دستور الفصاحت

(مقدمہ و خاتمہ)

مصنفۂ

حکیم سید احد علی خان یکتا بن سید احمد علی خان لکھنوی

بتصحیح

امتیاز علی خان عرشی

ناظم کتابخانۂ رامپور

حسب الحکم فرمانروای رامپور، دام اقبالہم و ملکہم

ہندوستان پریس، رامپور

۱۹۴۳ع

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تمہید

* اردو شعر گوئی کے ابتدائی دور میں گجرات، دکن، پنجاب اور دوآبے کے شاعر مقامی بولیوں اور مخصوص محاوروں میں شعر کہتے تھے۔ جب بارھویں صدی ہجری کے لگ بھگ، دلی نے ادبی مرکز کی حیثیت اختیار کی، تو بیرون دھلی کے اھل سخن کو بھی شاہجہان آباد کا روزمرہ سیکھنا پڑا، تاکہ اس بین الا قوامی نئی زبان کے سہارے، ملک بھر سے داد سخن حاصل کریں۔

مرکز سے دور رھنے والے شاعروں اور ادیبوں کو دلی کے مخصوص محاوروں اور اصطلاحوں کے سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آتی ھونگی، اون کو دور کرنے کے لیے زبان کے ماھروں نے اردو لغت نویسی کی بنا ڈالی، اور شہنشاہ عالمگیر کے وقت سے شاہ ظفر، آخری تاجدار دھلی، تک متعدد کتابیں اس فن پر لکھی گئیں، جن میں سے مولانا عبدالواسع ھانسوی کی کتاب « غرائب اللغات » اس مبارک کوشش کا پہلا پھل ھے۔

آگرے کے مشہور محقق ادیب، سراج الدین علی خان آرزو نے ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں اس کتاب پر اصلاحی نظر ڈالی اور ھانسوی کی کوتاھیوں کو جابجا ظاھر کر کے، اس مجموعے کا نام « نوادر الالفاظ »

رکھا (۱) آرزو کے بعد ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ع) میں زبدۃ الاسماء، ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ع) میں طپش کی شمس البیان، ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۰ع) میں مفتاح اللغات عرف نام مالا، ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ع) میں واصف کی دلیل ساطع، ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں بلگرامی کی نفائس اللغات، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں رشک کی نفس اللغه، ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں انفس النفائس اور ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ع) میں اس کے اصلاح شدہ نسخۂ موسومہ بہ « منتخب النفائس » کی تالیف و ترتیب عمل میں آئی۔

مگر افسوس کہ ملک بھر میں اردو کے قواعد صرف و نحو کی طرف سے عرصے تک غفلت برتی گئی۔ جب یورپ کے اردو دانوں نے اس مضمون پر خامہ فرسائی کرلی، تب دیسی ادیبوں کو احساس ہوا، اور انہوں نے بھی رفتہ رفتہ اس راہ کی گامزنی شروع کی۔ چنانچہ عام طور پر، ہندوستانیوں کی سب سے پہلی قواعد اردو کی کتاب، میر انشاء اللہ خاں انشا کی « دریای لطافت » شمار کی جاتی ہے، جو مرزا قتیل کی مدد سے ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) میں تمام ہوئی تھی۔

---

(۱) ملاحظہ ہو مجمع النفائس : ۵۵ الف۔ مگر عام طور پر یہ غرائب اللغات ہی کہلاتی ہے۔ کتاب خانۂ عالیۂ رامپور میں اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر، دوسرے تمام نسخوں کے برخلاف، ہر ردیف کے لغات کے بعد اوسی ردیف سے تعلق رکھنے والے قلعۂ معلی کی بیگمات کے محاورے بعنوان « فصل » درج کیے گیے ہیں۔ اگر یہ فصلیں الحاقی نہیں ہیں (جیسا کہ بظاہر ان کو الحاقی کہنے کی کوئی وجہ موجود بھی نہیں)، تو ہم ان کے ذریعے سے ۱۱۵۶ھ سے قبل کی بیگماتی زبان سے بخوبی روشناس ہو جاتے ہیں۔

رنگین نے بھی « محاورات بیگمات » کے نام سے اسی مضمون کا ایک رسالہ لکھا تھا، جو عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔ آرزو کی فصلوں سے اس رسالے کے لغات کا مقابلہ کرنے پر پتا چلا کہ رنگین کا رسالہ آرزو کی فصلوں کا لفظی ترجمہ ہے، جسمیں کہیں کہیں صرف لفظوں کی ترتیب میں فرق آگیا ہے۔ مگر یہ فرق اسدرجہ ناقابل توجہ ہے کہ رنگین سرقے کے الزام سے کسی طرح بری نہیں ہوتا۔

مئی ۱۹۳۹ع میں سید احمدعلی یکتا لکھنوی کی «دستور الفصاحت» نام کی ایك کتاب، کتاب خانۂ عالیۂ رامپور کے لیے خریدی گئی، تو اوس کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ انشا کی «دریای لطافت» سے پہلے اوس کی تالیف کا کام شروع کردیا گیا تھا، اوز غالبا اس سے قبل ھی انجام بھی پا گیا تھا۔ مگر انشا کی خوش بختی کہ اوس کی کتاب تمام ھوکر ملك بھر میں پھیل گئی، اور یکتا کی بدقسمتی کہ اولاً تو برسوں کے بعد مسودہ صاف کرنے کی مہلت ملی، ثانیا مسوذہ صاف ھوکر بھی ۱۹۳۹ع تك گوشۂ گمنامی سے باھر نہ آسکا۔

دستور الفصاحت انشا کی کتاب کی طرح دلچسپ تو نہیں کہی جاسکتی، مگر جہانتك فنی افادی حیثیت کا تعلق ھے، اوس سے کسی طرح کم بھی نہیں ھے۔ اس کے شروع میں مصنف نے اردو زبان کی پیدایش، ترقی، اور حلقۂ اثر سے بحث کی ھے۔ اس کے بعد چند ابواب اور ذیلی فصلیں قائم کرکے، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض اور قافیے کے قواعد و ضوابط بیان کیے ھیں۔ خاتمے میں ۳۰ ایسے شاعروں کا ذکر کیا ھے، جن کے شعر کتاب کے اندر سند میں پیش کیے گئے ھیں۔

چونکہ کتاب کا مقدمہ اردو زبان کی تاریخ پر مفید روشنی ڈالتا تھا، نیز خاتمے کے مباحث شعرا کے بارے میں متعدد دلچسپ اور اھم بیانوں اور نکتوں پر مشتمل تھے، اس بناپر حسب ایمائے بندگان ھمایون اعلی حضرت فرماں روائے رامپور، دام اقبالھم و ملکھم، یہ دونوں حصے تصحیح و تحشیہ کیساتھہ یکجا شائع کیے جارھے ھیں۔

اصل نسخے میں کتابت کی بہت سی غلطیاں پائی جاتی ھیں، نیز

املا بھی قدیم انداز کا ھے۔ حقیر مصحح نے ان دونوں کی اصلاح کر کے بعض جگہ اس طرف اشارہ بھی کردیا ھے، اور متن میں جابجا جو الفاظ رہ گئے تھے، اونھیں اپنی طرف سے پورا کیا ھے. جہاں کہیں کوئی لفظ بڑھانا پڑا ھے، وھاں اضافے کو بریکٹ میں لکھا ھے۔ کتاب کا دوسرا نسخہ دستیاب نہونے کی بناپر فارسی متن کی تصحیح خاطر خواہ نہیں ھوسکی ھے۔ البتہ اشعار کی صحت میں دواوین یا دوسرے تذکروں سے کہیں کہیں مدد لی ھے۔

حواشی میں کوشش کی گئی ھے کہ ھر شاعر کے متعلق یہ پتا دیا جاے کہ اور کون سی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ھے۔ اگرچہ اس بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حالات شعرا سے متعلق جملہ حوالے دیدیے گئے ھیں، تاھم یہ ضرور ھے کہ اھم پرانے تذکرے اور تاریخ کی کتابیں نظرانداز نہیں ھونے پائی ھیں۔ ان کتابوں میں سے جو طبع ھوچکی تھیں، اون کے صفحوں کا حوالہ دیدیا گیا ھے، اور جو چھپی نہیں اور نہ ھرجگہ دستیاب ھوتی ھیں، اون کی پوری پوری عبارتیں نقل کردی گئی ھیں، تاکہ آیندہ تحقیقی کام کرنے والوں کو زحمت اٹھانا نہ پڑے۔ یہ امر بھی قابل اظہار ھے کہ جن مطبوعہ تذکروں کے قلمی نسخے ھمارے یہاں موجود تھے، اون کا حوالہ دیتے وقت قلمی نسخوں کو سامنے رکھا ھے۔ اس سے مقصود یہ ھے کہ فہرست کے شائع ھونے سے پہلے ھی ملک کے ادیبوں کو ھمارے ان نسخوں کا علم ھوجاے۔ چونکہ تذکرے بالعموم حروف تہجی پر مرتب ھوتے ھیں، امید ھے کہ مطبوعہ نسخوں میں ان شاعروں کی تلاش موجب زحمت نہ ھوگی۔

اصل کتاب سے پہلے مصنف کا حال، نسخۂ رامپور کی

اصل کتاب سے پہلے مصنف کا حال، نسخۂ رامپور کی کیفیت اور زمانۂ تالیف وغیرہ چند مباحث درج کیے گئے ہیں، تاکہ اس کتاب کا ماله و ماعلیه واضح ہوجاے۔ مآخذ کے عنوان سے اون تمام کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے حوالے حواشی میں جابجا دیے گئے ہیں۔ عام طور پر تذکروں کے بیانات تاریخی غلط فہمی پیدا کردیتے ہیں۔ ان غلط فہمیوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ بہت سے تذکروں میں سال تالیف یا تو سرے سے مذکور ہی نہیں ہوتا، اور مذکور ہوتا ہے، تو آغاز یا اختتام تالیف کو ظاہر کرتا ہے۔ اب اگر تذکرے کے اندر کسی شاعر کے بارے میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اوس کے انتقال کو دوسال ہوے، تو ہم یہ قیاس کرتے ہیں کہ جس سنه میں اس کا آغاز یا اختتام ہوا ہے، اوس سے دوسال پہلے موت واقع ہوئی ہوگی، حالانکہ بسا اوقات یہ دوسال آغاز و اختتام سے قبل کے نہیں ہوتے؛ بلکہ درمیان کے ہوتے ہیں اور مصنف تذکرہ کی مراد وقت کتابت سے دوسال پہلے ہوتی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان اس مسئلے سے سیر حاصل بحث کروں۔ چونکہ خود مجھسے بھی غلط فہمی ہونے کا امکان ہے، اس لیے چاہتا ہوں کہ ملك کے ارباب تحقیق اس حصے پر گہری نظر ڈال کر اپنی راے کا اظہار فرمائیں، اور آیندہ کام کرنے والوں کو مزید دقت اٹھانا نہ پڑے۔

چونکہ حاشیوں میں ہر کتاب کا پورا نام دہرانا تضییع اوقات کا موجب تھا، اس لیے ناموں کی جگہ اون کے مخففات استعمال کیے گئے ہیں، جنھیں مآخذ کی بحث میں ہرکتاب کے نام کے بعد بریکٹ میں ظاہر بھی کردیا ہے۔ مخففات کے ذکر میں تاریخ

تصنیف کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر برتی گئی ہے۔ جو باتیں ترتیب وطباعت کے بعد معلوم ہوئیں، اون غلطیوں کے ساتھہ، جو مجھ سے یا کمپوزیٹر سے سرزد ہوئی تھیں، «استدراك و تصحیح» کے ماتحت آخر میں شامل کردی گئی ہیں۔

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ میں جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی (صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ‌آباد یونیورسٹی) اور جناب قاضی عبدالودود صاحب بار ایٹ‌لا (بانکی‌پور، پٹنہ) نے بڑے قیمتی مشورے عطافرمائے ہیں۔ میں ان بزرگوں کا بیحد شکر گزار ہوں۔ جزاهما الله خير الجزاء۔

کتاب خانہ، قلعۂ معلی، رامپور
۱۰ اگست سنہ ۱۹۴۲ع

امتیاز علی عرشی
ناظم کتابخانہ

سوانح مصنف

مصنف کا نام سید احمد علی، تخلص یکتا اور باپ کا نام سید احمد علی خان ھے (۱)۔ اوس کی پیدایش گاہ کا ہمیں کچھہ علم نہیں، مگر یہ یقینی امر ھے کہ پرورش لکھنؤ ھی میں پائی، اور یہیں اوس کی انتہائی تعلیم ھوئی۔ اوس کے استادوں میں سے صرف حکیم آقا محمد باقر ابن حکیم معالیج خان کشمیری کا نام معلوم ھے، جن سے اوس نے میر شیرعلی افسوس کی ھمدرسی میں برسوں طب پڑھی تھی (۲)۔

غالبا اوس کا پیشہ طبابت تھا (۳)، اور لکھنؤ کے فاضل رئیس، مرزا فخرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، اور اون کے بڑے بیٹے، مرزا قمرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا حاجی، قمر "تخلص، کے دامن دولت سے وابستگی تھی۔ مرزا حاجی کے تذکرے میں اس تعلق کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا ھے (۴):

«عاصی از مدت نمك پروردہ و دست گرفتۂ این خاندان ست۔»

مرزا حاجی، قتیل کے شاگرد اور ناسخ کے مربی تھے۔ دیگر شعرا اور ادیبوں نے بھی اون کے خوان کرم سے زلہ ربائی کی تھی۔ غازی الدین حیدر کے عہد میں، آغامیر کے ھاتھوں یہ خاندان مصائب کا شکار ھوا، تو یکتا بھی سالہاسال تك دنیوی پریشانی سے نہ

---

(۱) دستور : ۲۔ آغاز کتاب میں حاشیے پر مردان علی خان رعنا نے اوسے لکھنوی لکھا ھے۔

(۲) دستور : ۱۰۱۔

(۳) کتاب کے آخری ورق پر حکیم سید احمد علی خان صاحب کے حوالے سے چٹنی کا ایك نسخہ تحریر ھے۔ طبابت پیشگی کا قیاس اسی تحریر سے قائم کیا گیا ھے۔

(۴) دستور : ۲۲۰ الف۔

چھوٹا۔ اس زمانے میں اوس کے قوای فکری اس درجہ ناکارہ ہوگئے تھے، کہ دستور الفصاحت پر نظر ثانی تك نہ کرسکا (۱)۔

نصیرالدین حیدر، والیء اودہ، کے دربار سے توسل پیدا کرنے کی خاطر اوس نے ایك مدحیہ قصیدہ بھی لکھکر پیش کیا تھا (۲)۔

دیباچے کے منقبتی فقرے، امام صاحب الزمان کی تعریف کے اشعار، نیز خاتمۂ کتاب میں ہر طبقے کے اندر بارہ بارہ شاعروں کا تذکرہ، یہ قرائن بتاتے ہیں کہ یکتا کا مذہب اثنا عشری تھا۔

یکتا اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا؛ لیکن اوسے خود اعتراف ہے کہ اس فن میں اوسے کامل دستگاہ حاصل نہیں۔ اسی خیال سے اوس نے خاتمے میں شاعروں کیساتھہ اپنا حال اور اپنے کلام کا انتخاب تك پیش نہیں کیا ہے (۳)۔ البتہ کتاب کے اندر اپنے بہت سے شعر مثالوں میں درج کیے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے وہ اوسط درجے کا سخن گو ثابت ہوتا ہے۔

غالبا اوس کی شخصیت اپنے زمانے میں ممتاز نہ تھی، اس لیے تاریخ اور تذکرے کے صفحے اوس کے ذکر سے خالی ہیں۔

ہم پہلے اوس کے فارسی شعر لکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلا نصیرالدین حیدر کی مدح میں ہے:-

ای نصیرالدین جہان بخشی! کہ از اقبال ہست
تیغ عالمگیر تو، روزظفر، مسالك رقاب

---

(۱) دستور: ۲۲۱ ب۔
(۲) ایضا: ۱۷۴ الف۔
(۳) ایضا: ۲۲۱ ب۔

دوسرا شعر کسی غزل کا ہے (۱):-

چنین مشو که در افواه خاص و عام افتی
زخلق شرم کن اکنون، اگر مروت نیست

تیسرا شعر دیباچے کے آخر میں لکھا ہے، جو اسی موقع کے لیے فی البدیہہ کہا گیا ہوگا:

بذیل عفو بپوشند عیبہای مرا
گران کنند بخوبیء خود بہای مرا

اردو شعروں میں سے چند چنے ہوئے اشعار یہ ہیں:-

ہر ایک دم یہ جو ہوتا ہے تو خفا، پیارے!
بتا تو کھل کے، کہ ہے میری کیا خطا پیارے!

جو چاہتے ہو کہ دل میں کسی کے راہ کرو
تو مسکرا کے ادھر بھی کبھی نگاہ کرو

عکس لب ہے ساغر میں، یا یہ سرخیء مل ہے
زلف بکھری ہے رخ پر، یا گلوں پہ سنبل ہے

جب سے گیا پہلو سے وہ، دل کی جگہ
پہلو میں اک آگ کی چنگاری ہے

توڑنا ہی تمہیں گر شیشۂ دل تھا میرا
شکل ساغر، مجھے یہ منہ نہ لگایا ہوتا

اب بھی تو وہ نگار ہی منظور ہے مدام
دل جس کے درد ہجر سے رنجور ہے مدام

جب سے چمکا ہے ترے عارض نورانی سے

(۱) ایضا: ۲۵ ب - ان کے ماسوا ، ایک قطعۂ تاریخ تالیف خاتمے میں مذکور ہے -

حسن کو ننگ ہوا یوسف کنعانی سے

نجانے، کیا یہ آفت ہے کہ جس کو چاہتا ہوں میں
وہی دشمن مرا دنیا میں دونا ضد سے ہوتا ہے؟

نام سے میرے اوسے ننگ ہے؛ مت پوچھو کوئی
حسن پر اپنے وہ ان روزوں ہے مغرور بہت

نبی کے باغ کا تازہ شجر، علی کا نہال
بہار حضرت زہرا، حسن کے دل کا ثمر
وصی حسین کا، زین‌العبا کے دل کا چین
علوم باقر و جعفر اوسی میں سب مضمر
رموز موسیء کاظم سے، جوں علی، آگاہ
امام ثامن ضامن کا اختر انور
نقاوت اوس میں نقی کی، تقی کا حلم و وقار
جہاں میں شہرہ، حسن عسکری کا نور نظر
وہی ہے، کہتے ہیں جس کو خلیفة الرحمن
امام بارھواں، یعنی سمی پیغمبر

بسکہ ناسازیء زمانہ سے
بوتۂ مفلسی میں، ہوں میں گداز
در بدر تسپہ صورت زر قلب
خوار کب تک پھروں، برای نیاز؟
کیا ہو، گر لطف تیرا، اے ممدوح!
کرے، اکسیر ساں، مجھے ممتاز؟

اوس نے تو پوچھا شب مجھے بیتاب جانکر
پر آنکھوں میں پھری نہ مری، خواب آن کر

چیر کر دل کو مرے، دور کیا پہلو سے
اوس سے جو ھوسکا، مجھہ پر وہ بلا لائے گیا

رباعیات

جب بیٹھنا اوٹھنا یکدگر کا چھوٹا
جینے مرنے کا رشتہ سارا ٹوٹا
پھر بسنا، اوجڑنا، کس نے دیکھا ھے؟ کہ اب
گھر وصل کا ہجر نے ستم سے لوٹا

اپنے بیگانے سب ھیں حاضر تم پاس
ھونا غیروں کا پر رکھے ھے وسواس
جب اپنے سبھی طرح ھوں باب صحبت
بیگانوں کو دو نکال، بیخوف وھراس

اے بیخبرو! نہ اتنا غافل سوؤ
اوٹھو، چونکو، ٹك اپنا منہ تو دھوؤ
دنیا میں گھسوکے اوٹے سیدھے، کب تك؟
ایسا نہ ھو، منہ پہ ھاتھہ دھرکر روؤ

دیکھانہ، جہاں کا، تونے بس، لیل و نہار
زنہار، نہ مل کسی سے، غافل، زنہار!
ھیں اپنی ھی اپنی، یہ، غرض کے، سب لوگ
ھشیار ھی رھنا، پیارے، ھردم ھشیار

کیا جانیے، کیوں ھوا وہ مجھہ سے بیزار؟
بیزار نہ ھوتا، تو نہ کرتا تکرار
تکرار سے اوس کی، دل جلے ھے اپنا

اپنا نہیں شیوہ، ورنہ، رنجش زنہار
میں دل سے ہوں ناعت اوس کا، بے کاوش و کد
حق نے جسے بخشی ہے شفاعت کی سند
معلوم ہو صاف اوس کا اسم امجد
دیکھیں سر مصرع، گر بہ ترتیب و عدد

نسخے کی کیفیت

یہ نسخہ $9\frac{1}{4} \times 6\frac{1}{2}$، $6 \times 3\frac{1}{2}$ ناپ کے ۲۱۹ ورقوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں دو، اور آخر میں ایک یہ تین ورق فاضل لگے ہوے ہیں، جن کی رو سے کل تعداد اوراق ۲۲۲ ہوتی ہے۔ ورق ۳ ب سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر صفحے میں ۱۰ سطریں ہیں۔ خط معمولی نستعلیق اور کہیں کہیں شفیعا آمیز ہے۔ طرز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو کاتبوں نے ملکر لکھا ہے۔ متن سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہیں۔ تقریبا ہر صفحے پر کرمخوردگی کے نشان ہیں۔ کتابخانے میں اس کی نئی جلد تیار کرتے وقت، چند ابتدائی اجزا کا حوضہ اور کل کا پشتہ نیا ڈالدیا گیا ہے۔

پہلے صفحے پر نواب مردان علی خان رعنا مرادآبادی (تلمیذ مرزا غالب) کی سیاہ مربع مہر ہے، جس کے چاروں گوشے کسیقدر ترشے ہونے کے باعث مثمن شکل پیدا ہوگئی ہے۔ مہر کے اندر: «اللہ حافظ مہر کتبخانۂ محمد مردان علی خان رعنا ۱۲۸۲ھ» منقوش ہے۔

ورق ۱ ب اور ۲ الف پر کتاب کا تھوڑا سا دیباچہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ترچھی سطروں میں حسب ذیل اشعار بعنوان رباعی تحریر ہیں:-

گربہ گرسنہ بود، بصحرائی میدوید
زاغ نشستہ بر ہنگ، آن گربہ را ندید
چون زاغ را گرفت، نظر موش بر فتاد
خواہد کہ موش گیرد، زاغ از دہان پرید
خالی کہ بود برلب، زان شہد ہی چکید
ہنگام بوسہ دادن، آن خال را گزید
در آئینہ بدید، آن خال را ندید
حیران جہان بماند کہ زاغ ازدہان پرید

اشعار کے نیچے لکھا ہے: "کاتب الحروف بندہ شیخ دلاور علی بہاری بمقام موتیہاری"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ صوبۂ بہار کا بھی سفر کرچکا ہے۔ ورق ۲ ب سادہ ہے۔ ۳ الف کے بالائی بائیں گوشے میں "مولفۂ سنہ ۱۲۳۹ ہجری ار تالیف سید احمد علی یکتا لکھنوی" مندرج ہے۔ غالبا یہ رعنا کے قلم کی تحریر ہے۔ اسی قلم سے ورق ۲۲۱ ب میں قطعۂ تاریخ کے مادے کے اوپر اعداد ۱۲۳۹ لکھے گئے ہیں۔

حاشیوں پر متعدد توضیحی نوٹ بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ سب عربی لغات کی تشریح کرتے ہیں اور منتخب وغیرہ عربی لغت کی کتابوں کے اقتباس ہیں۔ کہیں کہیں متن کے اندر یا حاشیوں پر کتابتی غلطیوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔ تاہم متن میں بہت سی املائی غلطیاں باقی ہیں۔

آخر میں کاتب نے اپنا نام اسطرح لکھا ہے: "الکاتب الخاتمہ ہدایت علی الموہانی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب موہان (صوبۂ متحدہ) کا باشندہ اور غیر عربی داں تھا۔ مگر یہ

صرف خاتمۂ کتاب کا کاتب معلوم ہوتا ہے۔ ابتدائی ابواب کے کاتب کا نام مذکور نہیں ہے۔ غالبا وہ شیخ دلاور علی بہاری ہوگا۔

ورق ۱۴۰ ب پر استفہام تقریری کی بحث میں، میرسوز کا یہ شعر متن کے اندر مذکور تھا:

تو جو کہتا ہے: «گلہ میرا کیا جس تس کنے»
کب کیا؟ کس جا کیا؟ کس وقت؟ کس دم؟ کس کنے؟

اس شعر کے محاذ میں حاشیے پر لکھا ہے: «معلوم باد کہ شعر میر سوز مشتمل بر استفہام انکاری بود۔ از سہو خود در تقریری نوشتہ شدہ ۱۲»۔ اس عبارت کے بعد، خط نسخ میں "تحریر ہے: «النقل کالاصل»۔ بعد ازاں کچھہ اور بھی بخط نستعلیق مندرج تھا، مگر وہ حاشیے کے ساتھہ کٹ گیا ہے۔ ہمارے نسخے میں سوز کا شعر اور حاشیے کی دونوں عبارتیں خط زدہ ہیں

ورق ۱۷۲ الف پر «صنعت ردالعجز من العروض مع التکرار و التجنیس» کی مثال میں مصنف نے اپنی یہ رباعی لکھی تھی:

میں فرض کیا کہ اب پھر آوے لیلی
وہ شخص کہاں، کہ جس کو بھاوے لیلی؟
ٹک بھی اوسے نیند میں جو پاوے لیلی
تا حشر نہ قیس کو اوٹھاوے لیلی

اس رباعی پر خط کھینچ کر، حاشیے پر حسب ذیل رباعی تحریر کی گئی ہے:

بے مثل تھی، گو، بفکر قیسی لیلی
تو جیسا ہے، یار، کب تھی ایسی لیلی؟
نیند اوڑ گئی جس سے میرے لیلی وش کی

اے نالہ! بتا، یہ تو نے کیسی لے لی؟

اس تغیر و تبدل کے پیش نظر، میرا خیال ہے کہ ہمارا نسخہ مصنف کے اوس نسخے کی نقل ہے، جو رمضان علی لکھنوی نے تیار کیا تھا۔ غالبا اس میں بعض مقامات مشتبہ رہ گئے تھے، جن کے مقابل حاشیے پر مصنف نے اپنا شك ظاهر کیا تھا۔ ہمارے نسخے کے کاتب نے حاشیے کی عبارتوں کو بھی نقل کرلیا۔ جب یہ نسخہ مصنف نے دیکھا، تو حاشیوں کو قلمزد کرکے متن میں اون مقامات کی تصحیح کردی۔ نیز اس نظر میں وہ غلطیاں بھی درست کردیں، جو پہلے نسخے کے مطالعے کے وقت خیال میں نہ آئی تھیں۔

مذکورہ خیال کی تقویت اس امر سے ہوتی ہے کہ ہمارے نسخے کے آخر میں ایك ورق منضم ہے، جس پر چٹنی کا ایك نسخہ «جناب حکیم سید احمد علی خان صاحب قبلہ» کا تجویز کیا ہوا درج ہے۔ میرے نزدیك ان حکیم صاحب سے، ہمارا یکتا مراد ہے، جو حکیم آقا محمدباقر لکھنوی سے اپنے علم طب کے حصول کا خود ذکر کرتا ہے۔ اگر میرا قیاس درست ہے، جس کے خلاف یقینا کوئی دلیل نہیں، تو دستورالفصاحت کا یہ نسخہ قابل قدر ہے۔

ترتیب مضامین

حمد و نعت کے بعد، مصنف نے غرض تالیف بیان کی ہے۔ بعد ازاں اصل مباحث کو ایك مقدمے، پانچ ابواب اور ایك خاتمے میں منقسم کیا ہے

مقدمہ (ورق ۴ ب - ۱۲ الف)

اس میں زبان اردو کا مصداق، اوس کی پیدایش کے

اسباب، خالص اور مستند زبان کے مرکز اور حروف تہجی سے بحث کی ھے۔ اس کتاب کی تصنیف تك لکھنوی ٹکسال کے سکوں کو رواج عام کی سند حاصل نہیں ھوئی تھی؛ اسلیے مصنف نے شاھجہاناباد کے محاوروں اور وھاں کے فصحا کی بولچال کو مستند مانا ھے۔

باب اول (ورق ۱۲ الف — ۴۳ ب)

اس میں فارسی زبان کے اون قواعد صرف و نحو سے بحث ھے، جن کا علم زبان اردو کے طالب علم کے لیے ضروری ھے۔ یہ باب ۴ فصلوں پر مشتمل ھے:

فصل اول (ورق ۱۲ الف — ۳۳ الف) حروف مفردہ کے بیان میں ھے۔

فصل دوم (ورق ۳۳ الف — ۳۵ ب) مخصوص دوحرفی اور سہ حرفی کلمات کے بیان میں ھے۔

فصل سوم (ورق ۳۵ ب — ۳۷ الف) میں اون کلمات کا ذکر ھے، جو جداگانہ محلوں میں تنہا استعمال کیے جاتے ھیں۔

فصل چہارم (ورق ۳۷ الف — ۴۳ ب) میں متفرق فوائد کا تذکرہ ھے۔

باب دوم (ورق ۴۳ ب — ۸۲ ب)

اس میں اردو زبان کے قواعد صرف سے بحث ھے۔ یہ باب ایك تمہید اور ۶ فصلوں میں منقسم ھے:

تمہید (ورق ۴۳ ب — ۴۵ ب) میں لفظ کی تقسیم اور فصلوں کی تعریف بیان کی ھے۔

فصل اول (ورق ۴۵ ب — ۴۷ الف) میں صیغوں کا بیان ھے۔

فصل دوم (ورق ۴۷ الف—۴۹ ب) میں معروف و مجہول اور گردانوں کا بیان ھے۔

فصل سوم (ورق ۴۹ ب—۵۱ الف) میں بعض اون الفاظ سے بحث کی ھے، جن کے ماضی و حال کے صیغوں میں لفظی اختلاف پایا جاتا ھے۔

فصل چہارم (ورق ۵۱ الف—۵۲ ب) میں لازم اور متعدی کا بیان ھے۔

فصل پنجم (ورق ۵۲ ب—۵۳ ب) میں ضمائر کا ذکر ھے۔

فصل ششم (ورق ۵۳ ب) میں یہ بتایا ھے کہ اردو زبان میں، هندی الفاظ کے ساتھہ عربی و فارسی لفظ بھی ملے جلے استعمال کیے جاتے ھیں۔

اس باب کی فصلوں کے ساتھہ، اول و دوم وغیرہ الفاظ استعمال نہیں کیے ھیں۔ اس کے پیش نظر، تیسری اور چھٹی فصل کے متعلق، میں سمجھتاھوں کہ یہ فائدے ھیں، جن کے آغاز میں از راہ سہو کاتب نے لفظ فصل لکھدیا ھے۔

<u>باب سوم</u> (ورق ۵۳ ب—۶۲ الف)

اس باب میں اردو زبان کے قواعد نحو سے بحث ھے۔

یہ باب ایك تمہید اور ۱۶ فصلوں میں منقسم ھے:

تمہید (ورق ۵۳ ب—۵۷ ب) میں علم نحو کی تعریف، ترتیب فاعل و مفعول اور علامات فاعل و مفعول سے بحث ھے۔

فصل ۱ (ورق ۵۷ ب—۵۸ الف) حال و ذوالحال کے بیان میں،

فصل ۲ (ورق ۵۸ الف) شرط و جزا کے بیان میں،

فصل ۳ (ورق ۵۸ الف—۵۹ ب) مرکب غیرتام اور اوس کے

اقسام کے بیان میں،

فصل ۴ (ورق ۵۹ ب — ۶۱ الف) مرکب اضافی کے بیان میں،

فصل ۵ (ورق ۶۱ الف — ۶۵ الف) مرکب اعدادی کے بیان میں،

فصل ۶ (ورق ۶۵) حروف ندا کے بیان میں،

فصل ۷ (ورق ۶۵ ب) تمیز کے بیان میں،

فصل ۸ (ورق ۶۵ ب — ۶۷ ب) عطف کے بیان میں،

فصل ۹ (ورق ۶۷ ب) تاکید و موکد کے بیان میں،

فصل ۱۰ (ورق ۶۷ ب — ۶۸ الف) صله و موصول کے بیان میں،

فصل ۱۱ (ورق ۶۸ الف — ۶۹ ب) اسم فاعل، صفت مشبہه، مستثنی اور قسم کے بیان میں،

فصل ۱۲ (ورق ۶۹ ب) الفاظ کنایه کے بیان میں،

فصل ۱۳ (ورق ۶۹ ب — ۷۰ ب) معرفه کے بیان میں،

فصل ۱۴ (ورق ۷۰ ب — ۷۱ ب) اسم و فعل و حرف کے بیان میں،

فصل ۱۵ (ورق ۷۱ ب — ۷۲ ب) ضمائر کے بیان میں، اور

فصل ۱۶ (ورق ۷۲ ب — ۹۲ الف) حرف کے بیان میں ھے۔

ان فصلوں کے ساتھه بھی شماری الفاظ مذکور نہیں ھیں؛ اس لیے چھوٹی چھوٹی فصلوں کے متعلق احتمال ھے که یه دراصل فائدے ھوں، اور کاتب نے غلطی سے ان کے عنوانوں میں فصل لکھدیا ھو۔

باب چهارم (ورق ۹۲ الف — ۱۲۹ الف)

اس باب میں عروض و قافیه سے بحث کی گئی ھے۔ یه دو فصلوں میں منقسم ھے:۔

فصل اول (ورق ۹۲ الف — ۱۲۱ الف) میں عروض سے تفصیلی بحث ھے۔ جو بحریں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعروں نے ترک کردی ھیں، اونھیں چھوڑ دیا ھے۔ بعض فارسی میں مستعمل بحریں، ھندی ذوق پر پوری نہیں اوترتیں؛ اس لیے اساتذۂ اردو نے اون میں شعر نہیں کہے ھیں۔ ایسے مواقع پر مثال کے لیے خود مصنف نے اشعار کہکر پیش کیے ھیں۔ بعض بحروں کے ذکر میں یہ بھی بتایا ھے کہ میر تقی میر نے اس میں بہت عمدہ غزلیں لکھی ھیں۔

فصل دوم (ورق ۱۲۱ الف — ۱۲۹ الف) میں علم قافیہ سے بحث ھے۔

باب پنجم (ورق ۱۲۹ الف — ۱۸۷ الف)۔

اس باب میں معانی، بیان اور بدیع سے بحث ھے۔ یہ چار فصلوں پر مشتمل ھے:

فصل ۱ (ورق ۱۲۹ ا — ۱۳۰ ب) میں فصاحت و بلاغت کی تعریف ھے۔

فصل ۲ (ورق ۱۳۰ ب — ۱۵۱ الف) میں علم معانی سے بحث ھے۔ اسے مصنف نے چند فوائد میں تقسیم کردیا ھے۔

فصل ۳ (ورق ۱۵۱ الف — ۱۵۹ الف) میں علم بیان سے بحث ھے۔

فصل ۴ (ورق ۱۵۹ الف — ۱۸۷ الف)، جس میں علم بدیع کا ذکر ھے، دو قسموں پر مشتمل ھے۔ قسم اول (ورق ۱۵۹ الف — ۱۶۹ ب) میں معنوی صنعتیں اور قسم دوم (ورق ۱۵۹ ب — ۱۸۷ الف) میں لفظی صنعتیں بیان کی گئی ھیں۔

خاتمہ (ورق ۱۸۷ الف - ۲۱۹ ب)۔

اس میں اون شاعروں کے حالات اور منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں، جن کا کلام کتاب میں بطور مثال جابجا مذکور ہے۔ یہ شاعر، جن کی مجموعی تعداد ہمارے نسخے کے مطابق ۳۵ ہے، تین طبقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے پہلے طبقے میں گیارہ اور باقی دونوں میں بارہ بارہ شاعروں کا ذکر ہے۔ چونکہ مصنف اثنا عشری مذہب تھا، اس لیے غالبا دوازدہ امام کے شمار کے مطابق ہر طبقے میں بارہ شاعروں کا ذکر ہوگا۔ ہمارے نسخے میں طبقۂ اولی کا ایک نام سہوا چھوٹ گیا ہے۔

ان ۳۵ شاعروں کی تین طبقوں میں تقسیم، با لفاظ مصنف «با عتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیء تالیف و شیرینیء کلام و شہرت خلق» کی گئی ہے۔

جیسا کہ تفصیل ماسبق سے ظاہر ہے، کتاب کی ترتیب عربی اور فارسی قواعد کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ لیکن خاتمۂ کتاب میں شعرا کا تذکرہ، عبدالباسط کی «منارالضوابط» کی نقل ہے، جو دستورالفصاحت کا ایک ماخذ ہے۔ اس کتاب کے خاتمے میں بھی اون فارسی شاعروں کا مختصر حال لکھا گیا ہے، جن کے شعر مثال میں پیش کیے گئے ہیں۔

مصنف نے خاتمے میں جن شاعروں کا ذکر کیا ہے، اون کے علاوہ بعض اور شاعروں کے کلام سے بھی استناد کیا ہے۔ چنانچہ ورق ۴۷ ب پر مرزا محسن کا شعر ذیل لکھا ہے:

وہ تیر غمزہ ستم، سب کے سب، نہ ایک نہ دو
چلن ہیں جتنے، سب اوس کے کڈھب، نہ ایک نہ دو

ورق ۷۶ الف پر مرزا جان طپش کے یہ اشعار ذکر کیے ہیں۔

جب طپش کو نہ ملی بوسے کی اوس لب سے خبر
تب فقیروں کی طرح، شعر یہ پڑھتا وہ چلا
بے نوا ہیں، کسی پر زور نہیں، یا محبوب!
دیوے اوس کا بھی بھلا، جو نہ دے اوس کا بھی بھلا

۸۴ ب پر آشفتہ کا یہ شعر لکھا ہے:

مرنے میں ملے وہ، دل، تو مرچك
ارمان رہے نہ یہ بھی، کرچك

ورق ۹۰ الف پر میر نواب کا حسب ذیل شعر ملتا ہے:

ایسا کس کام کا آنا؟ ارے چل، دور، چخے
جب کہ تہنا ہی نہ مانا، ارے چل، دور، چخے

ورق ۱۱۷ الف اور ۱۶۳ ب پر محشر کے یہ دو شعر علی الترتیب نقل کیے ہیں:

یار نے، محشر، تجھے زہر کا بھیجا ہے جام
جی نہ چھپا، میری جان، اب یہ پیا چاہیے
دور میں اوس چشم کے، گردوں کی آسایش نہیں
کس گھڑی، کس دم، نئے فتنے کی فرمایش نہیں؟

ورق ۱۵۹ ب پر حجام کا یہ شعر لکھا ہے:

رقیبوں پر، میاں، پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی
بلا حجام کو، جس روز تم حمام کرتے ہو

ورق ۱۶۲ الف پر برق کا یہ شعر مندرج ہے:

رقیب، ضد سے، عبث کیا بیداغ جلتا ہے؟
کہیں بھی کالے کے آگے چراغ جلتا ہے؟

ورق ۱۶۴ ب پر اشرف کا یہ شعر لکھا ھے:

لوٹے چمن میں گل کی، خزاں یوں، بہار، حیف!
اور عندلیب، تو رھے جیتی، ھزار حیف!

ورق ۱۳۳ الف پر مرزا محسن صاحب کا یہ شعر درج کیا ھے:

کون کہتا ھے کہ مجھہ پاس تم آوو، بیٹھو؟
جی لگے آپ کا جن میں، وھیں جاوو بیٹھو

ورق ۱۵۸ ب پر سرقے کی بحث میں مجنون کا یہ شعر پیش کرکے:

بیٹھا تھا، مجھکو دیکھہ، بہانے سے اوٹھہ گیا
حسن سلوک، آہ! زمانے سے اوٹھہ گیا

لکھا ھے کہ شگفتہ کا یہ شعر سرقہ ھے:

آنکھیں چراکے، شب وہ بہانے سے اوٹھہ گیا
حرف مروت، آہ! زمانے سے اوٹھہ گیا

اس کے بعد مجنوں کا یہ شعر لکھہ کر:

پیا نہیں قدح مے کو میں کبھو تجھہ بن
رھا مدام مرے جام میں لہو تجھہ بن

کہتا ھے کہ میر شیر علی افسوس کا یہ شعر بھی سرقے میں داخل ھے:

ھنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھہ بغیر
روتے ھی، آہ! کٹ گئی یہ رات تجھہ بغیر

اسی بحث میں (ورق ۱۸۶ الف) حقیقت کا یہ شعر لکھا ھے:

کس کے ہیں انتظار میں آنکھیں؟
جو کھلی ہیں مزار میں آنکھیں

اور تجلی کے اس شعر کو سرقہ قرار دیا ہے:

یہ شوق دیکھو، پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں، سنا جو یار آیا

شیخ عیسی تنہا کے اس شعر کو:

دل کو ہاتھ اوس کے جو بیچوں، تو یہ کہتے ہیں رقیب:
«ایسے جیسو تم ایسے، بازار ذرا دکھلا کر»

مصحفی کے اس شعر سے ماخوذ بتایا ہے:

دل بھی کیا جنس زبوں ہے؟ کہ خریدار اس کے
لیتے ہیں، پر اسے سو جا پہ دکھا لیتے ہیں

چونکہ مصنف نے خاتمے میں صراحت کردی ہے کہ کتاب میں «احوال بعضی از شعرا» پر اقتصار کیا گیا ہے، اسلیے ہم ان شاعروں کا ذکر نہ کرنے کے سلسلے میں اوس پر حرف گیری نہیں کرسکتے۔ ہاں، یہ شکایت ضرور ہے کہ صرف اس بنا پر کہ وہ اس فن میں پابند نام و شہرت نہ تھا، اپنا حال نہیں لکھا۔

زمانۂ تالیف

خاتمۂ کتاب کے آخر میں، مصنف نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا ہے:

صد شکر کہ اتمام پذیرفت رسالہ
واضح شد ازان، جملہ قوانین بلاغت

تاریخ تمامیش طلب کرد چو یکتا
فی الفور خرد گفت که «دستور فصاحت»

اس قطعے میں مادۂ تاریخ «دستور فصاحت» ہے، جس سے سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ع) برآمد ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سنہ مسودہ صاف کرنے کے وقت کا تعین کرتا ہے، سال تالیف کو ظاہر نہیں کرتا، اس لیے کہ خود مصنف نے اس قطعے سے پہلے لکھا ہے:

«مخفی مباد که عرصهٔ بعید و مدت مدید سپری گردیده که چهرهٔ تسطیر این مقاله، و گردهٔ تصویر این رساله، بر صفحهٔ وجود نقش گرفته، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، که بوجوه شتی لاحق حال من غربت مآل مانده، در محل تعطل افتاده بود. و درین تعطیل که سالها سال بسر آمد، هرگز طبیعت متوجه نشد که بنظر ثانی پردازد، یا آن را بنحوی که منظور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان فقیر، مسمی به شیخ رمضان علی صاحب، سلمه ربه، از باشندگان لکهنئو، کمر همت بسته بنقلش پرداختند و بسعی تمام در ماه ذیحجهٔ این سال آن را تمام ساختند». (ص ۱۲۵)

اب اس بیان کو سامنے رکھکر کتاب کا جائزہ لیا جائے، تو اس مدعا کے اثبات میں حسب ذیل شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں:

(۱) یکتا نے مرزا محمد حسن قتیل کو «سلمہ اللہ تعالی» کے ساتھہ یاد کیا ہے (ورق ۱۲۸ ب)۔ قتیل نے سنیچر کے دن سحر کے وقت ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع) کو مرض استسقا سے لکھنئو میں انتقال کیا ہے (۱)۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ «دستور الفصاحت» ۱۲۳۳ھ سے پہلے لکھی گئی ہے۔

(۲) دیباچے میں مرزا حاجی کے والد مرزا فخر الدین احمد خان

---

(۱) نشتر عشق: ۵۵۰ ب۔

بہادر عرف مرزا جعفر کے نام کے بعد «مغفور، لازال دولته، و اقباله» لکھا ہے۔ خاتمے میں ایک موقع پر «دام اقباله، مغفور و مرحوم» اور دوسری جگہ صرف «دام اقباله» ہے۔ مرزا جعفر نے ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) میں وفات پائی ہے۔ لہذا دعای دوام اقبال کو اس سنہ سے پہلے ہونا چاہیے۔ چونکہ یہ دعا خاتمۂ کتاب میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا ضروری ہے کہ کتاب اس سنہ سے قبل ہی ختم ہو چکی ہو، اور دعاے مغفرت کا اضافہ بتبییض کتاب کے وقت کیا گیا ہو۔

(۳) شاہ نصیر کے حال میں تحریر کیا ہے:

> «گویند که درسال گزشته، بنابر تلاش پسر خودش، که گریخته بود، بلکهنئو آمده، در مشاعره های مرزا قمرالدین احمد خان بہادر، دام اقباله، حاضر می شد و شعر خوانی می کرد»۔ (ص ۱۱۴)

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری اپنے سفر لکھنئو واقع سنہ ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ع) کی روداد میں فرماتے ہیں:

> «این زمان آخر عهد نواب سعادت علی خان بود...... روزی در محفل مشاعره، که دران ایام بخانۂ مرزا جعفر می بود، رفتم۔ مرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده بشمار می آمدند۔ و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روز افزونی درین کار بود»۔ (ورق ۴۰ الف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نصیر سنہ ۱۲۲۹ھ میں لکھنئو میں تھے۔ لہذا ان کا حال بھی سنہ ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ درج کیا گیا ہوگا(۱)۔

---

(۱) آبحیات کی روایت کے مطابق نصیر نے لکھنئو کے دو سفر کیے تھے۔ آخری سفر کے وقت لکھنئو میں ناسخ کا دور دورہ تھا۔ چونکہ مولوی عبدالقادر بھی سنہ ۱۲۲۹ھ میں نصیر کا لکھنئو میں قیام اور ناسخ کی شہرت کا تذکرہ کرتے ہیں، اس لیے میری نظر میں ان کا یہ دوسرا سفر قرار پاتا ہے۔

(۴) میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے کہ «سہ چہار سال شدہ کہ در لکھنؤ وفات یافت» میر صاحب نے سنہ ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا ہے، جس کی رو سے ان کا حال ۱۲۲۹ھ میں لکھا جانا چاہیے۔

(۵) مرزا جعفر کو اون کے صاحبزادے مرزا حاجی کے ذکر میں «دام اقبالہ» لکھا ہے اور اس موقع پر مرزا حاجی کے نام کے ساتھہ اون کا خطاب بھی مذکور ہے؛ اس لیے یقیناً یہ حصہ سنہ ۱۲۲۹ھ اور سنۂ وفات مرزا جعفر کے درمیان لکھا گیا ہے۔

غرض کہ ان پانچ شہادتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۲۹ھ اور ۱۲۳۰ھ کے درمیان تمام ہوچکی تھی۔

(۶) خاتمے میں خواجہ احسن اللہ بیان کے بارے میں لکھا ہے:

> «می گویند کہ تاحال زندہ است. بطرف دکھن در سرکار نظام علی خان عز و اعتباری دارد». (ص ۸۳)

بیان نے سنہ ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں انتقال کیا ہے۔

قیام الدین محمد قایم رامپوری کے تذکرے میں (جو عام طور پر اپنے مولد کے لحاظ سے چاندپوری کہلاتے ہیں) لکھا ہے:

> «چند سال شدہ کہ بر بیوفائیء دنیا نظر نمودہ، ترك این جہان فانی کرد، و در رامپور فیض اللہ خان والہ، کہ از مدت مسکن او ہمان بلدہ بود، مدفون گشت». (ص ۴۵)

قایم کے سال وفات میں اختلاف ہے بعضے ۱۲۰۸ اور دوسرے ۱۲۱۰ھ بتاتے ہیں۔ یکتا نے اون کا ذکر وفات کے «چند» سال بعد کیا ہے۔ لفظ چند عربی کے لفظ «بضع» کی طرح، تین سے نو تك کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا قایم کا حال ۱۲۱۱ یا ۱۲۱۳ھ میں لکھا جانا چاہیے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۱۳ھ سے پہلے تالیف ہوچکی تھی۔

اگر یہ نتیجہ درست ہے، تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کی تالیف کا کام انشا کی دریاے لطافت سے پہلے انجام پاچکا تھا، جس کا سال اختتام ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) ہے۔ چونکہ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ

> « هیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این هنر، که مفید مطلب و معین مقصد درین باب می شد، در نظر نداشتم که موافق آن می نوشتم و از خطا مصؤن می ماندم »

اس لیے ہم پچھلے دلائل کی کمک پر کہ سکتے ہیں کہ مصنف کی نظر میں دریای لطافت کا نہ ہونا اس بناپر تھا کہ یہ ابھی معرض وجود ھی میں نہیں آئی تھی۔

بہر حال نتیجۂ بحث یہ ہے کہ دستورالفصاحت ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اوس وقت یہ کسی کے نام معنون نہ تھی۔ ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ع) میں مصنف نے اوس پر نظرثانی کرکے مرزا حاجی کے نام معنون کی۔ اس نظرثانی کے دوران میں اوس نے جو اضافے کیے، اون کا پتا خاتمے کے بعض مباحث میں صاف طور پر چل جاتا ہے۔ لیکن ابھی کتاب کا مسودہ صاف ہوکر شایع نہیں ہوا تھا کہ مرزا حاجی کی بساط ریاست الٹ جانے سے مصنف بھی پریشان حال ہوگیا اور مسودہ تعطل میں پڑا رہا۔ آخر سنہ ۱۲۴۹ھ میں شیخ رمضان علی لکھنوی نے اس کو صاف کرنے کا اقرار کیا۔ مصنف نے اس پر پھر نظر ڈالی، اور چند جگہ اضافے کیے، چنانچہ کتاب کے ورق ۱۸۲ الف پر مصنف نے اپنا یہ شعر لکھا ہے:

یکتا چو جست سال وفاتش، چو اشك ریخت

بی تعمیه، زخامۂ او «ثالث رجب»

اس مادۂ تاریخ سے سنہ ۱۲۳۶ھ نکلتا ہے۔

اسی طرح ورق ۱۷۸ الف پر حسب ذیل شعر نظر آتا ہے:

اے نصیرالدین جہان بخشی، که از اقبال هست

تیغ عالمگیر تو، روز ظفر، مالك رقاب

یہاں نصیرالدین حیدر بادشاہ اودھ مراد ہیں، جو ۱۲۴۴ھ سے ۱۲۵۳ھ تك حکمران رہے تھے؛ اس لیے یقین ہے کہ ان شعروں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

کتاب کے ماخذ

کتاب کے دیباچے یا خاتمے میں ماخذ کے ذکر کا دستور بہت پرانا ہے، لیکن ہمارے مصنف نے اس کی پابندی نہیں کی۔ تاہم حسب ذیل ماخذوں کا پتا چلتا ہے:

(۱) فرهنگ رشیدی

یہ فارسی لغت کی مشہور کتاب اور عبدالرشید مدنی، ساکن ٹھٹھہ (سندھ، متوفی سنہ ۱۰۷۷ھ = ۱۶۶۶ع) کی تصنیف ہے۔ یکتا نے ورق ۲۲ ب و ۲۳ ب پر اس کا حوالہ دیا ہے۔

(۲) موهبة عظمی

ورق ۲۶ ب اور ۴۰ ب پر مصنف نے خان آرزو (متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ = ۱۷۵۵ع) کے جو اقوال نقل کیے ہیں، اون میں کا پہلا قول موهبة عظمی (ورق ۲۵ الف) میں موجود ہے۔ دوسرا اقتباس اس کتاب میں نہیں ملا۔ ممکن ہے کسی دوسری تصنیف کا ٹکڑا ہو۔

(۳) منار الضوابط

ورق ۲۸ ب اور ۳۳ الف پر عبدالباسط کا حوالہ ھے۔ یہ اقتباسات اوس کی کتاب مذکورۂ بالا (ورق ۹ الف و ۱۱ الف) میں پائیے جاتے ھیں۔ البتہ ناقل کے تساھل کی بنا پر الفاظ میں قدرے اختلاف نظر آتا ھے۔

(۴) میر شمس الدین فقیر

ورق ۱۰۴ ب پر ان کا حوالہ ملتا ھے۔ لیکن حدائق البلاغہ میں اس کا پتا نہیں چلا۔

(۵) معیار الاشعار

یہ کتاب خواجہ نصیر الدین طوسی (متوفی سنہ ۶۷۲ھ = ۱۲۷۴ع) کی تصنیف ھے۔ یکتا نے ورق ۱۲۲ الف و ۱۲۸ الف پر ان کا حوالہ دیا ھے۔ موخر الذکر مقام پر کتاب کا نام بھی مذکور ھے۔

(۶) مجمع الصنائع

یہ کتاب نظام الدین احمد بن محمد صالح الصدیقی الحسینی کی تالیف ھے، جو عہد عالمگیر کا ایک صوفی منش فاضل تھا۔ یکتا نے ورق ۱۵۹ ب پر اس کا حوالہ دیا ھے، جو نسخۂ مطبوعہ (مطبع حسنی لکھنئو) کے صفحۂ ۹۰ پر موجود ھے۔

(۷) رسالۂ بلاغت

ورق ۱۶۲ ب پر عبدالواسع کے نام سے جو اقتباس دیا ھے، وہ عبدالواسع کے رسالۂ بلاغت (مطبع مصطفائی، لکھنئو، سنہ ۱۲۶۱ھ) میں صفحۂ ۵۲ پر پایا جاتا ھے۔

(۸) تذکرۂ ھندی

خاتمۂ کتاب میں شعرا کا ذکر کرتے ہوئے، متعدد مقامات پر یکتا نے اس تذکرے کے ٹکڑے نقل کیے ہیں۔ ان میں سے دو جگہ (صفحہ ٦٩ و ٧٠) لفظ تذکرہ کے ساتھ اور بقیہ مقامات (صفحہ ٧٧ و ٨٥) پر مصحفی کے نام کے ساتھ ان اقتباسات کو پیش کیا گیا ہے۔

مذکورۂ بالا تمام حوالے، صرف و نحو ہندی کے ماسوا دوسرے مباحث کے اندر پائے جاتے ہیں۔ صرف و نحو ہندی پر کوئی کتاب یکتا کے سامنے نہ تھی، اس لیے یہاں کوئی حوالہ نظر نہیں آتا۔

چند نکات

کتاب میں جا بجا ادبی و تاریخی نکتے بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے دو چار کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً:

(۱) یکتا اسے ناپسند کرتا ہے کہ فصحا کے محاورے کے برخلاف، الفاظ کے تلفظ میں صحت اعراب یا ادای مخرج کا لحاظ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے خیال میں «عذار» کو، جو عام طور پر عین کے زبر کے ساتھ بولا جاتا ہے، بکسر عین، بر وزن ازار، پڑھنا اور زبردستی حلق سے عین اور حای حطی کا نکالنا سامعین کو اپنے آپ پر ہنسانا ہے۔ ہاں، اگر کوئی لفظ عوام کی بولچال میں تلفظ اصلی سے ہٹ جائے، تو اوسے ضرور صحیح طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

(۲) یکتا نے اپنے عہد کے شرفا اور مستند شاعروں کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ٹھیٹ ہندی

کے لفظوں کے استعمال کا حسابی تناسب بھی مقرر کیا ھے۔ کہتا ھے کہ یہ لوگ اپنی بولچال میں تین چوتھائی عربی و فارسی اور ایک چوتھائی ھندی کے لفظ استعمال کرتے ھیں (ورق ۵۳ ب)۔

(۳) میر اور سودا کے کلام کے فرق کو ان الفاظ میں ظاھر کیا ھے:

«اگرچہ کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاھر آسان نظر می آید، ولی ممتنع است۔ بیشتر شعرا مقلد او ھستند، و مطلق طرزش نمی یابند۔ بخلاف مرزا محمد رفیع، کہ باوجود کمال پختگی کہ دارد، تقلیدش ھر صاحب فہمی را ممکن» (ص ۲۵)۔

اکثر ادیبوں اور نقادوں نے ان دونوں جگت استادوں کے رنگ کا فرق بتایا ھے۔ لیکن یکتا نے جو حد مقرر کی ھے وہ اچھوتی اور واقعی ھے۔

(۴) میر کے حال میں یہ بھی لکھا ھے کہ:

«نواب آصف الدولہ مغفور و مرحوم ھم بعد رحلت مرزا، میر را از شاہ جہان آباد فخریہ طلب داشتہ، بمنصب عالی ملازم ساخت»۔ (ایضا)۔

حالانکہ تمام تذکرہ نویس یہ لکھتے ھیں کہ میر صاحب از خود لکھنؤ گئے اور جب آصف الدولہ کے دربار میں رسائی ھوئی، تو تنخواہ مقرر کی گئی۔

(۵) لطف اور آزاد دونوں نے میر صاحب کی نازک مزاجی کا ذکر کیا ھے۔ صاحب «گل رعنا» کو اس قسم کے واقعات سچے نہیں معلوم ھوتے۔ لیکن یکتا بھی لطف و آزاد کا ھم خیال ھے، اور اون کی نازک مزاجی سے متعلق ایک واقعہ لکھتا

ھے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ھے، تو پھر آزاد کے بیان کردہ قصون کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ (ایضاً)

(۶) قیام الدین قایم رامپوری کے متعلق لکھا ھے کہ ان کے کلام مین مرزا کی تالیف کلمات اور بندش الفاظ اور میر کی برشتگی و شکستگی یکجا نظر آتی ھے۔ نیز یہ فخر صرف اسی ایک شاعر کو نصیب ھوا ھے کہ اس کا قصیدہ قصیدہ اور غزل غزل کہلانے کی مستحق ھے۔ ورنہ اکثر یہ دیکھنے مین آیا ھے کہ یا تو قصیدہ غزل ھوکر رھجاتا ھے، اور یا غزل قصیدہ بنجاتی ھے۔ اسی طرح قایم کی مثنویاں اور رباعیات اپنے اپنے خصائص کی حامل ھیں۔

(۷) مصحفی کو ادابندی میں ثانیء میر سوز لکھا ھے، اور یہ بھی لکھا ھے کہ جب یہ لکھنئو پہنچے، وھان جرأت کا طوطی بول رھا تھا۔ کسی نے ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ ناچار یہ جرأت کے مقابلے میں آڈٹے اور بیس سال تک جرأت اور اوس کے شاگردوں کے پورے لشکر سے تن تنہا جنگ کرکے، اھل ادب کو اپنی طرف مائل کیا اور آخر کار جرأت کے برابر، بلکہ اوس سے زیادہ شہرت حاصل کرلی۔ (ص ۹۴) تعجب ھے کہ اس سلسلے میں یکتا نے انشا کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ آبحیات میں «مصحفی و مصحفن» والا معرکہ اونھیں سے پیش آیا تھا۔

(۹) انشا کی عمر کا ذکر عام تذکرون میں نہیں ملتا۔ مگر یکتا نے لکھا ھے کہ اونھون نے ۶۰ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی۔

اسی طرح یکتا نے یہ بھی لکھا ہے کہ آخر میں انشا دیوانے ہو گئے تھے، اور اسی حالت میں فوت ہوے۔ (ص۱۰۷)

اس معاصرانہ بیان کے پیش نظر، مرزا اوج کے دیوانگی سے اختلاف کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، اور آزاد نے رنگین کی زبانی اون کا آخری حال جو کچھ لکھا ہے، اوس پر یقین آتا ہے (۱):

(۱۰) افسوس کے متعلق پتا چلتا ہے کہ اونھوں نے یکتا کی ہمدرسی میں حکیم محمد باقر صاحب لکھنوی سے برسوں طب پڑھی تھی، اور مرزا فخرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، کے توسط سے کلکتے میں بصیغۂ اردو دانی ملازم ہوے تھے۔ یکتا نے افسوس کا قطعۂ تاریخ وفات بھی لکھا ہے، جس سے ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتے ہیں؛ ورنہ ابتک تذکروں میں صرف سال عیسوی ۱۸۰۹ ملتا تھا۔

(۱۱) اس کتاب سے ہمیں تین مشاعروں: (۱) مشاعرۂ مرزا حاجی، (۲) مشاعرۂ مولوی محبب اللہ (۳) اور مشاعرۂ سید مہر اللہ خان غیور کا پتا چلتا ہے، جن میں سے غالبا دوسرے مشاعرے کا ذکر اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

مآخذ حواشی

اس کتاب کے حاشیوں کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اون کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

---

(۱) صاحب گل رعنا نے بھی (ص ۲۸۸) مرزا اوج کی روایت کو قبول کرتے ہوے انشا کے جنون سے انکار کیا ہے۔

۱۔ مجمع النفائس، قلمی۔

یہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے ہندوستان کے مایۂ ناز نقاد، سراج الدین علی خان، آرزو، اکبرآبادی متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ع) نے تصنیف کیا ہے۔

دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ میرے شاگرد، بیدار تخلص، نے اس کے ختم ہونے کی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے:

این تذکرہء سخنوران گیہان
بیمثل چو بنوشت سراج الدین خان
بیدار، بآرزو چنین کرد رقم:
«گلزار خیال اہل معنیء جہان»

چونکہ چوتھے مصرع کے ۱۱۶۴ عدد ہوتے ہیں، اس لیے ۱۱۶۴ھ (۵۱ — ۱۷۵۰ع) میں اس کا اختتام ہونا چاہیے۔ دوسرے شواہد بھی اسی تاریخ کے مؤید ہیں۔ مثلاً میر تقی میر نے نکات الشعرا میں، جو تقریباً ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) کی تصنیف ہے، اس کا کئی جگہ حوالہ دیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے، سرو آزاد (ص ۲۲۸) میں، جو کئی سال کی کوشش کے بعد ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۳ع) میں ختم ہوا تھا، اس کا زیرتالیف ہونا بیان کیا ہے، اور خزانۂ عامرہ (ص ۱۱۷) میں، جو ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ یہ تذکرہ مذکورۂ بالا سنہ ۱۱۶۴ھ میں مرتب ہوا ہے۔

لیکن مصنف نے اس تذکرے کی ابتدا اس تاریخ سے برسوں پہلے کردی تھی۔ شروع میں یہ منتخب اشعار کی ایک بیاض تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے تذکرے کی حیثیت اختیار کرلی۔

مصنف نے دیباچے میں یہ بھی بتایا ھے کہ اونھیں اس کی ترتیب کا خیال کس طرح اور کب پیدا ہوا، اور اس طویل اور وقت طلب کام میں کس کس نے اون کا ھاتھہ بٹایا۔

اس کے واقعی آغاز کا تعین دشوار ھے؛ تاھم کتاب کے بعض مقامات سے پتا چل جاتا ھے کہ ۱۱۶۴ھ سے کتنا پہلے مصنف اس کی ترتیب میں مشغول تھا۔

(۱) لطف اللہ خان نثار کے ذکر میں آرزو نے لکھا ھے:

« درین سنہ، کہ ھزار و یکصد و پنجاہ و نہ ھجریست، دو ماہ پیش ازین برحمت ایزدی پیوست » (۴۶۴ ب)۔

تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں غرۂ ربیع الاول سنہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) تاریخ وفات مندرج ھے۔ لہذا نثار کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ میں لکھا جانا چاھیے۔

(۲) کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اس تذکرے کی پہلی جلد کا ایک نسخہ محفوظ ھے. جس کے ایک ورق پر چند سطریں، خود آرزو کے قلم کی لکھی ہوئی ھیں۔ چونکہ اس جلد کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق نہیں ھے، اس لیے بجا طور پر اسے مسودہ کہا جاسکتا ھے۔ اس مسودے میں قزلباش خان امید کو « سلمہ ربہ » کے الفاظ سے یاد کیا ھے (۳۶۷ الف)۔ تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں ان کی تاریخ وفات، ۹ جمادی الاولی سنہ ۱۱۵۹ھ لکھی ھے۔ لہذا آرزو نے ان کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ سے پہلے لکھا ہوگا۔

(۳) اسی مسودے میں شیخ علی حزین کے متعلق لکھا ھے:

« نہ سال یا زیادہ باشد، کہ وارد ھندوستان گشتہ۔ از تسلط نادر شاہ برقلمرو ایران، درین ملک آمدہ، و درھنگامیکہ شاھنشاہ بر ھندوستان نیز مسلط گردید، و شاھجہان آباد دھلی بتصرف او

در آمد، بطرف آگرہ رفته، در گوشۂ خزیده بود. بعد از رفتن افواج شاهی باز بدهلی آمده. چون کسی، چنانکه باید، قدر او نشناخت، بعزم ولایت عازم لاهور گشته، پیشتر نتوانست رفت. در دمی که عمدة الملك امیر خان بهادر از الهآباد بحضور رسیدند، بتوقع قدر شناسی باز بشاهجهان آباد آمد. چند گاه دیگر مثل کیمیا و عنقا متواری درین شهر بود، که بخشش مدد کرد و اقبالش یاوری نمود، تا عمدة الملك دوازده لك دام جیه از بادشاه برای او گرفته. حالا بجمعیت و رفاه میگزراند. رساله مشتمل حسب و نسب و سن و سفر خود نوشته، دعویهای بلند دارد» (۳۸۰ الف).

آرزو نے جس وقت یه الفاظ لکھے تھے، اوس وقت (الف) حزین اپنی سوانحعمری لکھ چکے تھے، (ب) اونہیں هندوستان آئے نو برس یا اس سے کچھ زیادہ عرصه هو لیا تھا، (ج) اور اونہیں عمدة الملك امیر خان بہادر کی تقریب پر بادشاہ نے ۱۲ لاکھ کھرے دام بھی عطا فرمادیے تھے، جس کے سبب سے اون کی زندگی آرام سے گزرنے لگی تھی۔

(الف) حزین نے اپنی سوانحعمری ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ع) کے آخر میں ختم کی ھے۔ چنانچه اس کے خاتمے میں لکھتے ھیں:

«از حین ورود بشاهجهان آباد تا حال تحریر، که آخر سال اربع و خمسین و مائة بعد الالف است، سه سال و کسری گزشته که درین بلده اوقات بسر رفته، و پیوسته در خیال حرکت و نجات ازین کشور، که بغایت منافر افتاده، بوده ام. و از کثرت موانع عائقه میسر نیامده» (ص ۸۴).

اس سے دو باتیں معلوم هوتی هیں: پہلی یه که اس کا اختتام ۱۱۵۴ھ کے آخر میں هوا، اور دوسری یه که اوس وقت تك اونہیں کوئی انعام نہیں ملا تھا، جس کے باعث سے اطمینان خاطر کے ساتھ یہاں زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ لہذا یقین ھے که آرزو نے حزین کا حال ۱۱۵۴ھ کے گزر جانے کے بعد لکھا ھے

چونکہ انعام ملنے کا واقعہ عمدة الملك کے الہ‌آباد سے واپس ہونے کے بعد کا ہے، لہذا یہ دیکھنا چاہیے کہ عمدة الملك الہ‌آباد کب جا کر کس وقت واپس ہوے۔ میر ولی اللہ نے تاریخ فرخ‌آباد میں لکھا ہے کہ عمدة الملك ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع) میں الہ‌آباد جاتے ہوے فرخ‌آباد تشریف لائے تھے (۸۰ الف) خزانۂ عامرہ (ص ۲۶) میں بھی ان کے الہ‌آباد کی صوبیداری پر مقرر ہونے کا یہی سال تحریر ہے۔ قائم نے مخزن نکات (ص ۳۲) میں انجام تخلص کے تحت ان کا ذکر کرتے ہوے یہ لکھا ہے کہ

« آخر الامر بنوشتۂ اعتمادالدولہ بہادر بحضور آمد۔ سہ سال تمام بر آن نکشید کہ قضا برگ پان بصورت جمدھر فولاد ساختہ ... برای رخصت روح او فرستاد »۔

عمدة الملك نے ۲۳ ذیحجہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) کو دھلی میں شہادت پائی ہے (تاریخ محمدی، تحت ۱۱۵۹ھ)۔ قائم کہتا ہے کہ اونھیں الہ‌آباد سے واپس آئے ہوے پورے ۳ برس نہیں ہوے تھے۔ اس حساب سے اونھیں ۱۱۵۷ھ(۱۷۴۴ع) کے آغاز میں دھلی واپس آنا چاھیے۔ لیکن آزاد نے خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے کہ یہ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں بادشاہ کی طلب پر دھلی واپس آئے۔ حاتم کے دیوان زادہ میں (۱۳۱ب) ایك عرضی عمدة الملك کے نام مندرج ہے، جس کا سنۂ تالیف ۱۱۵۶ھ بتایا گیا ہے۔ اس سے آزاد کے بیان کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ اگر عمدة الملك اس سنہ میں دھلی کے بجائے الہ‌آباد میں ہوتے، تو اس عرضی کا وھاں بھیجا جانا کچھہ زیادہ قرین قیاس نہیں تھا۔ لہذا اس سال کے بعد حزیں کو انعام دلانا چاھیے۔ چونکہ آرزو نے حزیں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اونھیں

هندوستان آئے ہوئے نو برس یا اس سے زیادہ گزر چکے ہیں، اور یہ آزاد کے بیان کے مطابق (سرو آزاد: ۲۲۵؛ خزانۂ عامرہ: ۱۹۴) سنہ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) میں سمندر کے راستے سے بندرگاہ ٹھٹھہ میں اوترے تھے، لہذا اس تاریخ کو سامنے رکھہ کر آرزو کے نو برس یا اس سے زیادہ کا حساب لگایا جائے، تو تخمیناً ۱۱۵۷ھ ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ یعنی ان کے انعام ملنے اور پھر آرزو کے تذکرے میں ان کا حال لکھے جانے کا یہی سال قرار پاتا ہے۔ چونکہ آرزو نے لفظ «حالا» بھی استعمال کیا ہے، بنابریں یہ قیاس درست ہوگا، کہ ان کا ذکر کرتے وقت، بادشاہ کے حضور سے انعام ملے زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا۔ اور انعام تقریباً ۱۱۵۷ھ میں ملا ہے، پس ان کا حال بھی اسی سال کے اندر لکھا جانا چاہیے۔

مبیضے میں آرزو نے حزیں کے سفر بنگالہ اور قیام بنارس کا ذکر «درینولا» کہکر کیا ہے، جو سرو آزاد (ص ۲۲۵) کے مطابق، ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس لیے یہ قیاس بیجا نہ ہوگا کہ اس سال کے بعد، کتاب کو مرتب کرتے وقت، تازہ واقعات کا اضافہ کردیا گیا ہے، جس کی مثالیں خود اس کتاب کے اندر بھی کچھہ کم نہیں ہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ۱۱۶۴ھ کے بعد مصنف نے کہاں کہاں اور کس کس سال میں نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ کتاب کے بغور مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آرزو نے آئندہ تین سال میں جابجا ترمیم کی ہے، اور یہ سلسلہ محرم سنہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) میں

لکھنؤ روانہ ہونے سے قبل تک جاری رہا ہے۔ چنانچہ محمد علی رائج سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ « پانزدہ، شانزدہ سالست کہ برحمت ایزدی پیوستہ » (۱۶۴ب)۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۰۴) اور خزانۂ عامرہ (ص ۲۴۴) میں رائج کا سال وفات ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) بتایا ہے۔ میں نے ایک کتاب میں « باد حشرش بعلی حیدر » مادۂ تاریخ پڑھا ہے۔ اس کا پہلا مصرع یاد نہیں رہا۔ اگر اس جگہ تعمیہ نہیں ہے، تو اس کے اعداد ۱۱۴۹ ہوتے ہیں۔ بہرحال رائج کا تذکرہ ۱۱۶۴ھ، یا ۱۱۶۵ھ، یا ۱۱۶۶ھ میں لکھا گیا ہے۔

شیخ سعد اللہ گلشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ « بیست و پنج سال پیش ازین بعالم علوی خرامیدند » (۳۸۵ الف)۔ شیخ نے سرو آزاد (ص ۱۹۹) کی روایت کے مطابق ۲۱ جمادی الاولی سنہ ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کو رحلت کی ہے۔ اس حساب سے ان کا حال ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ع) میں لکھا جانا چاہیے۔

فغانی کے ذکر میں فرماتے ہیں:

« درین ایام تتبع دیوان مذکور اختیار کردہ ام۔ چنانچہ در عرصۂ سہ چہار ماہ شصت غزل گفتہ شدہ۔ اگر عمر وفا میکند، دیگر ہم گفتہ می آید، انشاء اللہ تعالی، و الاخیر۔

تا بیست و چہارم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۶۶ھ تا ردیف نون رسیدہ ام۔ اگر ارادۂ ازلی متعلق شدہ، تمام کردہ خواہد شد۔ اما بسبب شورش دہلی و فساد ہندوستان طفرہ چند ماہہ واقع شدہ، و الا پیش ازین باتمام میرسید۔ منہ عفی عنہ۔

دیگر، مخفی نماند کہ این عزیزان کہ تتبع بابا کردہ اند، غیر غزلہای معدود نگفتہ اند۔ ہیچ کس تتبع تمام دیوان نکردہ، الا ملا شانی تکلو۔ و این عاصی ہرچند باتمام نرسانیدہ، اما امید قوی از جناب کریم مطلق است کہ توفیق آن بیابد، ہرچند در مرحلۂ شصت و ہشتم است از عمر یاد دادہ۔ اللہم (وفقنی) بما تحب و

ترضی. منه عفی عنه».

اس عبارت کا دوسرا پیراگراف ۲۳ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ کو بڑھایا گیا ہے، اور تیسرا ۶۸ ویں سال کی عمر میں۔ آرزو کی پیدایش کا سال «نزل غیب» سے ظاہر ہوتا ہے، جس کے اعداد ۱۰۹۹ ہیں۔ اگر ان دونوں عددوں کو جمع کیا جائے، تو ۱۱۶۷ حاصل جمع ہوگا۔ چونکہ اس تیسرے پیراگراف کو «دیگر» کے لفظ سے شروع کیا ہے، اسلیے یقینا اسے دوسرے کے بعد لکھا جانا چاہیے، اور کچھ بعید نہیں کہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ع) ہی میں بڑھایا گیا ہو۔

سروآزاد (ص ۲۲۷) میں آرزو کا سنۂ پیدایش منتہای صدیء یازدهم، اور خزانۂ عامرہ (ص ۱۱۷) میں ۱۱۰۱ھ بھی ملتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ ٹکڑا ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) یا ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) میں تحریر کیا ہوگا۔ مگر میری راے میں اس قسم کے تمام کام آرزو نے دهلی میں انجام دیے ہوں گے، جو اون کا وطن ہو چکا تھا۔ آخر محرم سنہ ۱۱۶۸ھ میں دهلی چھوڑکر لکھنؤ پہنچنے پر ابتداء تلاش معاش اور بعد ازاں موت نے اتنی مہلت کب دی ہوگی، کہ تذکرے میں تغیر و تبدل کرتے؟

میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے:

> «از چند سال بجناب معلی القاب ... عمدة الملک مہاراجہ بہادر ... ..
> میگزراند. مہاراجہ ... که در عہد فرخندہ مہد حضرت فردوس
> آرامگاہ، و بعد ازان در زمان خلافت و آوان سلطنت احمد شاہ بادشاہ،
> مربع نشین چار بالش دیوانیء خالصۂ شریفه و دیوانیء تن ....و
> ازان باز ..... برتبۂ عالیه مرتبۂ نائب الوزارة کامروای نامداران
> عالم و صاحب السیف و القلم شدند» (۴۰۴ الف)۔

میر نے اپنی سوانحعمری (ص ۷۵ و ۷۶) میں جو کچھ لکھا

ہے، اوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر ثانی کی تخت نشینی کے بعد اور معین الملک کے انتقال سے قبل راجہ ناگرمل نائب وزیر مقرر کیے گئے، اور « مہاراجہ عمدۃ الملک » خطاب ملا۔ لیکن یہاں واقعات کی ترتیب درست نہیں ہے۔ کیونکہ عالمگیر ثانی ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ (۳ جون ۱۷۵۴ع) کو تخت نشین ہوا تھا، اور معین الملک، خزانۂ عامرہ (ص ۹۸) کے بیان کے مطابق، محرم سنہ ۱۱۶۷ھ (نومبر ۱۷۵۳ع) میں گھوڑے سے گرکر فوت ہوا ہے۔ بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ ناگرمل عالمگیر ثانی کے عہد میں نائب وزیر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری نے جام جہان نما (۵۴ الف) میں، عالمگیر ثانی کے سال اول جلوس میں لکھا ہے کہ

> « ناگرمل در عہد محمد شاہ خدمت دیوانیء خالصہ داشت، و در عہد احمد شاہ دیوانیء تن ہم بران مزید شد، و درین وقت نیابت وزارت باو مفوض گشت » ۔

ان امور کے پیش نظر یہ یقینی ہے کہ آرزو نے میر تقی کا حال شعبان ۱۱۶۷ھ (جون ۱۷۵۴ع) کے بعد لکھا ہے۔

لیکن یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۶۶ھ اور ۱۱۶۷ھ کے سابق الذکر دونوں واقعات اور میر تقی کا حال میری رائے میں اصل نسخے کے حاشیوں پر بڑھائے گئے ہوں گے۔ بعد میں اس نسخے کے کاتب نے اون کو متن میں شامل کرلیا ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ پہلے دونوں اضافوں کے ساتھ الفاظ « منہ عفی عنہ » کاتب نے متن میں نقل کردیے ہیں، جو ہمیشہ منہیات کے ساتھ حاشیوں پر لکھے جاتے ہیں۔ میر کا حال اگرچہ متن میں اس لفظ کے ساتھ نقل نہیں کیا گیا ہے، مگر یہ ۳، ۴ ورق متن کے خط سے مختلف عمدہ نستعلیق میں کسی دوسرے نے لکھے

ہیں۔ اس خط کے لکھے ہوئے اشعار اور الفاظ کتاب کے دوسرے حاشیوں پر بھی جابجا نظر آتے ہیں، جس سے میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ یہ کتاب کے مصحح کا خط ہے۔ میرؔ کا حال وغیرہ پہلے کاتب نے نہیں لکھا تھا۔ مصحح نے نئے ورق داخل کرکے، وہ مصرع جو سابق الذکر شاعر کا آئندہ صفحے پر تھا، اور اوسکی ترك چھپل کر میرؔ کے حال کے شروع میں لکھدی ہے، اور اسطرح آخری صفحے پر جگہ نہ رہنے کے باعث کچھ میرؔ کے شعر حاشیے پر بھی لکھے ہیں۔

اس کتاب کے دو نسخے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہیں۔ جس نسخے کا حواشی میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ خاتمے کے بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ع) میں میر تقی کے مربی، مہاراجہ عمدۃ الملك بہادر، کے لیے جسپت راے کھتری نے کومہیر میں نقل کیا تھا۔ یہ $\frac{18 \times 22}{4}$ سائز کے ۲۱ ۵ اوراق پر مشتمل ہے، اور ابھی تك طبع نہیں ہوا ہے۔

۲۔ گلشن گفتار، مطبوعہ۔

یہ خواجہ خان حمیدؔ اورنگ آبادی کی تصنیف اور فارسی زبان میں اردو کے ۳۰ شاعروں کے حالات پر چھوٹی سی کتاب ہے، جسے بجا طور پر اردو کا سب سے پہلا تذکرہ کہا جاسکتا ہے؛ کیونکہ دیباچے میں مصنف نے «گلشن بزم گفتار ہے» اسکا مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) برآمد ہوتے ہیں۔

یہ تذکرہ سید محمد صاحب، ایم۔اے، نے، حیدرآباد سے ۳۰ بہمن ۱۳۳۹ف کو ایك مفید دیباچے اور حواشی کے ساتھ چھوٹے سائز کے ۶۸ صفحوں پر چھاپ کر شایع کردیا ہے۔

۳ــ نکات الشعرا (نکات)، قلمی۔

یہ استاد شعرای ہند، میر محمد تقی میر، متوفی سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) کی تصنیف ہے، جس میں ۱۰۳ اردو گو شاعروں کے مختصر حالات اور منتخب کلام مندرج ہے۔

میر صاحب نے کسی جگہ تصنیف کا سال صراحۃ نہیں بتایا ہے۔ البتہ انندرام مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع)، کے حال میں کہتے ہیں کہ «قریب یکسالست کہ درگزشت» (ص ۸)۔ اس سے ڈاکٹر اشپرنگر (۱) یہ قیاس کرتا ہے کہ اس کا سنۂ تالیف ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اسے تسلیم فرمالیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ چونکہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے،.... اس لیے اس سنہ کی صحت کی پوری تصدیق ہوجاتی ہے (۲)۔

کتاب کے مطالعے سے اس کے آغاز و انجام پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے:۔

۱ــ جعفرعلی خان زکی کے ذکر میں میر نے لکھا ہے:

> «بادشاہ محمدشاہ، بر او فرمایش مثنوی‌ء حقہ کردہ بود۔ دو سہ شعر موزون کرد۔ دیگر سرانجام ازو نیافت۔ اکنون شیخ محمد حاتم، کہ نوشتہ آمد، باتمام رسانید۔ و آن مثنوی خالی از مزہ نیست» (ص ۱۳۶)۔

حاتم نے «دیوان زادہ» میں اس مثنوی کے عنوان پر لکھا ہے کہ «حسب الحکم محمد شاہ بادشاہ، معرفت جعفرعلی خان صادق»

---

(۱) فہرست کتابخانہای شاہ اودھ: ۱۷۵۔
(۲) مقدمۂ نکات، طبع ثانی، صفحہ ج۔

یہ مثنوی نظم کی گئی ہے (۸۹؛ الف)۔ اگر لفظ «اکنون» خود میر صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے، اور کاتبوں نے اپنی طرف سے اس کا اضافہ یا کسی دوسرے لفظ کی جگہ اس کی نشست کا ارتکاب نہیں کیا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ نکات الشعرا کی یہ عبارت محمد شاہ، متوفی ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع)، کی زندگی میں یا اوس کے انتقال سے کچھ بعد لکھی گئی تھی۔ چونکہ حاتم کے منتخب کلام میں میر صاحب نے صرف ایک شعر (۱) اوس غزل کا چنا ہے، جو ۱۱۶۱ھ کے کسی مشاعرے کی طرح میں لکھی گئی تھی، اس بنا پر قرین قیاس یہ ہے کہ زکی اور حاتم کا حال اسی سنہ میں تحریر کیا ہے۔ اگر میر صاحب نے حاتم کا حال زیادہ بعید زمانے میں لکھا ہوتا، تو اون کی بعد کی لکھی ہوئی غزلوں کے شعر بھی چنتے، جو دلی کے مشاعروں میں برابر پڑھی جاتی رہی تھیں۔

۲ ـ دلاور خان بیرنگ کو میر صاحب نے زندہ بتایا ہے (ص ۱۵۱)۔ گردیزی لکھتا ہے کہ «سالی چند ازین پیش، مراحل راہ مرگ پیمود»۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ گردیزی نے بیرنگ کا حال آخر ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہے، اور «چند» سے صرف ۳ سال مراد ہیں،

(۱) وہ شعر یہ ہے،

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی آیا؟
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

یہ شعر دیوان زادے کے قلمی نسخۂ کتابخانۂ رامپور میں ورق ۱۷ پر موجود ہے۔

تو اوس کا سال انتقال ۱۱۶۲ھ قرار پائے گا، اور اس صورت میں میر صاحب نے اوس کا حال ۱۱۶۲ھ سے قبل یا اسی سال، انتقال سے پہلے، لکھا ہوگا۔

تین مقامات پر میر صاحب نے خان آرزو کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے۔ آرزو کا یہ تذکرہ ۶۴-۱۱۵۷ھ (۴۴-۱۷۴۴ع) میں تمام ہوا تھا۔ اسی طرح دکنی شاعروں کے حال میں سید عبدالولی عزلت سورتی کے حوالے نظر آتے ہیں۔ خود ان کے ذکر میں میر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تازہ وارد هندوستان ہیں۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۳۶) میں اور عاشقی نے نشتر عشق (۵۴ الف) میں تحریر کیا ہے کہ ان کا دهلی میں ورود ۲۰ جمادی الاولی سنہ ۱۱۶۴ھ (۷ اپریل ۱۷۵۱ع) کو ہوا تھا۔

ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ میر صاحب نے اس سنہ و ماہ کے بعد تذکرہ مکمل کیا۔

مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ، کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو مرے ایک سال کے قریب ہوا۔ مخلص کی وفات کا مہینہ ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ ہمارے علم میں ہے کہ احمد شاہ، بادشاہ دهلی، کے جلوس کا چوتھا سال تھا۔ احمد شاہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ لہذا اس کا چوتھا سنۂ جلوس، ربیع الثانی ۱۱۶۴ھ سے شروع ہوکر ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ پر ختم ہونا چاہیے۔ اس لیے ہم یقین کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ کے لگ بھگ نکات الشعرا لکھا جارہا تھا۔ اور

چونکہ حسب بیان ذکر میر (ص ۷۲ و ۷۳) میر صاحب نے، شعبان ۱۱۶۵ھ (جون ۱۷۵۲ع) میں، نواب بہادر کے مقتول ہوجانے کے بعد، اپنے سوتیلے ماموں، خان آرزو، کی همسایگی چھوڑی ھے، اس لیے بعید نہیں کہ اس تاریخ سے قبل ھی تذکرہ ختم کرچکے ھوں، ورنہ تذکرے میں، اونہیں «استاد و پیر و مرشد بندہ» کے لفظوں سے یاد نہ کرتے۔

بحث کا خلاصہ یہ ھے کہ میر صاحب نے تقریباً ۱۱۶۱ھ میں یا اس کے کچھ بعد اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اوس وقت تک اس موضوع پر کسی کتاب کا لکھا جانا میر صاحب کے علم میں نہ تھا۔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں وہ اس کام میں مشغول تھے۔ مخلص کی وفات کے ایک برس بعد تک بھی یہ کام ختم نہیں ھوا تھا، اور آرزو کے متعلق اونھوں نے جو عمدہ تعریفی کلمات استعمال کیے ھیں، وہ شعبان ۱۱۶۵ھ کے قبل کے لکھے ھوے ھیں، جب کہ وہ آرزو کے یہاں یا اون کے پڑوس میں رھا کرتے تھے۔

۴۔ تذکرۂ ریختہ گویان (گردیزی)، قلمی۔

یہ سید فتح علی خان گردیزی دھلوی، متوفی ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع)، کا مرتب کیا ھوا، ۹۷ اردوگو شاعروں کا تذکرہ ھے (۱)، جو خاتمے کی تصریح کے مطابق ۵ محرم ۱۱۶۶ھ

(۱) مولوی عبدالحق صاحب نے نسخۂ مطبوعہ کے دیباچے میں ۹۸ شاعر بتائے ھیں۔ لیکن در اصل پاکباز کے ذکر میں مصنف نے لکھا تھا، کہ «این شعر خوش گاہ قزلباش خان مرحوم است» اور اس کے بعد پاکباز کا وہ شعر لکھا تھا۔ اس کو مولوی صاحب نے قزلباش خان کا ذکر خیال کر کے عنوان قرار دے لیا، اور اس طرح ۹۸ شاعر شمار کر لیے۔ اولا تو اس عبارت کا مطلب یہ ھے کہ پاکباز کا یہ شعر قزلباش خان کو پسند تھا۔ ثانیا گردیزی کا تذکرہ حروف تہجی پر مرتب ھے۔ (باقی)

(۱۳ نومبر ۱۷۵۲ع) کو ختم ہوا تھا۔
اس تذکرے کی بعض عبارتوں سے اس کے آغاز، اور ختم تالیف کے بعد کے اضافوں پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے۔
میر ناصر ساماں، ولی اللہ اشتیاق سرھندی، اور اسد یار خان انسان کو لکھا ہے کہ ان کے انتقال کو چند سال ہوے۔ نشتر عشق (۳۱۷ الف) میں ساماں کا سال وفات ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) اور اشتیاق کا (۷۸ ب) ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) اور تاریخ محمدی (۵۹۶ الف) میں انسان کا سنۂ وفات ربیع الاول ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ع) مندرج ہے۔ «چند» کا لفظ ۳ سے ۹ تک کے اعداد پر بولا جاسکتا ہے اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ گردیزی نے ہر جگہ «چند» سے تین سال مراد لیے ہیں، تو ان مرحومین کے سالہای وفات کے پیش نظر، ان کا حال ۱۱۵۰ھ، ۱۱۵۳ھ اور ۱۱۶۱ھ میں لکھا جانا چاہیے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ گردیزی کی مراد ہرجگہ نو ہے، تو پھر ان کا حال علی الترتیب ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۹ھ اور ۱۱۶۷ھ میں لکھا گیا ہوگا۔ اور اگر سنہ ۱۱۶۵ھ سے حساب کیا جائے، تو پھر علی الترتیب «چند» کا اطلاق ۱۸، ۱۲ اور ۷ برس پر ہوگا۔ ان میں سے آخری استعمال تو صحیح رہتا ہے، مگر دو پہلے قطعا درست نہیں، نہ حساب کی روسے اور نہ ہمارے روز مرہ کے اعتبار سے۔ اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ گردیزی نے «چند» سے نو سال مراد لیے ہیں،

(بقیہ) قزلباش خان کا تخلص امید تھا۔ اگر تخلص کے لحاظ سے اس کا ذکر کیا جاتا، تو حرف الف میں جانا چاہیے تھا، اور اگر نام کے اعتبار سے ذکر ہوتا، تو حرف ق میں جاتا۔ حرف یا میں کسی طرح مذکور نہ ہوتا۔ چنانچہ رامپور کے قلمی نسخے میں اور نفس الکلمات میں یہ سب شعر یا کباز ہی کے نام سے لکھے ہیں۔

اور اس کا آغاز ۱۱۵۶ھ کے قریب کیا ہے۔

۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو تذکرہ ختم کرکے، بعد میں بھی گردیزی نے کچھ باتیں بڑھائی ہیں۔ چنانچہ دلاور خان بیرنگ کو لکھا ہے کہ چند سال ہوے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ شخص نکات الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے، کہ ختم نکات تك زندہ تھا، تو پھر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گردیزی نے اس کا حال کم از کم ۱۱۶۸ھ میں لکھا ہے۔

عمدۃ الملك امیر خان انجام کو لکھا ہے کہ آج سے چھہ سال قبل رحمت ایزدی سے جاملے۔ انھوں نے ۲۳ ذیحجہ سنہ ۱۱۵۹ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۴۶ع) کو شہادت پائی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو اونھیں شہادت پائے، ۵ برس ۱۱ دن ہوے تھے۔ اس صورت میں کسی طرح اونھیں «شش سال پیش ازین» متوفی نہیں کہا جا سکتا۔ لہذا یہ عبارت ۱۱۶۶ھ کے آخر یا ۱۱۶۷ھ کے آغاز میں لکھی جانی چاہیے۔

مرزا جانجاناں مظہر کے حال میں لکھا ہے:

> «از بدو حیات الی یومنا هذا، کہ عمر شریفش بہ پیمائش خطوۂ ستین است، از بلند منشی بتوکل و انزوا بسر بردہ»۔

اس عبارت میں «خطوۂ ستین» قابل غور ہے۔ اس فقرے کے لغوی معنی ہیں، «ساٹھواں قدم»۔ چونکہ گردیزی عام طور پر عمر نہیں لکھتا، اس لیے یقیناً اوس نے سوچ سمجھہ کر مرزا مظہر صاحب کی عمر کا اندازہ لکھا ہوگا۔ مرزا صاحب دھلی میں مقیم تھے، اور خود گردیزی بھی وھیں رھتا تھا، اور اون کا ھم مشرب اور مداح تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس نے خود

اون کی زبانی سال پیدائش کا ذکر نہ سنا ہو، یا بصورت دیگر، اون کی عمر کا صحیح اندازہ نکیا ہو۔ مرزا صاحب کا سال ولادت ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸ع) سے ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) تک بتایا جاتا ہے۔ اگر علی الاقل ۱۱۱۰ھ ہی کو اختیار کرلیا جائے، تو اون کا حال ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ع) میں لکھا جانا چاہیے۔

آخر میں یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا ۱۱۵۶ھ میں گردیزی کی اتنی عمر تھی کہ وہ کوئی تذکرہ مرتب کرنے کا اہل ہوتا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ نشتر عشق (۱۷۹ الف) میں لکھا ہے کہ اوس نے ۹۵ برس کی عمر پاکر ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع) کو رحلت کی ہے، اور «انتخاب سلف» مادۂ تاریخ وفات ہے۔ اگر یہ بیان صحیح ہے، تو ۱۱۵۶ھ میں اوس کی عمر ۲۷ برس کی ہوگی۔ یہ عمر اس قسم کا کام انجام دینے کے لیے بالکل موزون ہے۔ خود میر صاحب کی عمر تذکرہ ختم کرتے وقت ۳۰ برس کی تھی (۱)۔

اس تذکرے کا ایك قلمی نسخہ، جس میں دیباچہ اور ایك دو تراجم ساقط ہیں، غالباً سید محسن علی، مصنف سراپا سخن، کا لکھا ہوا، کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ انجمن ترقیء اردو نے اسے بھی چھاپ کر شائع کردیا ہے۔

۵ ــ فص الکلمات (فص) قلمی۔

یہ شاہ محمد حمزہ مارہروی، متوفی ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع)، کا کشکول ہے، جس میں مذہبی، تصوفی، تاریخی اور ادبی معلومات کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ کتاب ۲ جلدوں میں منقسم ہے، اور ہر مبحث «کلمۃ اللہ» یا صرف «کلمۃ» سے شروع

(۱) ملاحظہ ہو مقدمۂ کلیات میر، مرتبۂ آسی لکھنوی و مطبوعۂ نولکشور پریس لکھنؤ۔

ہوتا ہے۔ اس کی ایک جلد کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اور دوسری جلد خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ، میں موجود ہے۔

رامپور کے نسخے کے آخر میں «تم فصل‌الکلام» لکھا ہے، جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ فصل‌الکلام اس کا نام ہے۔ مگر موجودہ سجادہ نشین خانقاہ مذکورہ نے اپنی ایک گرامی تحریر میں بتایا ہے کہ اس کتاب کا نام «فص‌الکلمات» ہے۔ یہی نام اون کے تذکرے میں بزمرۂ تصنیفات میں نے بھی دیکھا ہے۔

شاہ صاحب نے اس کشکول میں شعرای فارسی و اردو کے حالات بھی لکھے ہیں۔ کتاب کے ورق ۳۱۶ ب سے ۳۲۷ ب تک گیارہ ورق، اردو کے شاعروں کے حالات پر مشتمل ہیں۔ شاہ صاحب نے صرف دو چار جگہ میر کے نکات‌الشعرا سے اور دو چار جگہ اپنی معلومات سے کچھ لکھا ہے، بقیہ حالات گردیزی کے تذکرے سے خود اوسی کے لفظوں میں نقل کردیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ورق ۳۲۸ ب پر شعبان ۱۱۹۷ھ (جولائی ۱۷۸۳ع) کا ذکر، سال حال کے لفظوں میں پڑھنے کے باوجود، میں نے اس کو «تذکرۂ گردیزی» کے بعد جگہ دی ہے۔

۶ — مخزن نکات (مخزن) مطبوعہ۔

یہ قیام الدین محمد قائم، قائم تخلص، چاندپوری المولد، رامپوری المدفن، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) کا مرتب کردہ شعرای اردو کا تذکرہ ہے، جس میں ۱۱۸ شاعروں کے حالات ۳ طبقوں میں تقسیم کرکے لکھے گئے ہیں۔

خواجہ اکرم نے اس کی تاریخ «مخزن نکات» سے نکالی ہے، جس سے ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) برآمد ہوتے ہیں (ص ۶۶)۔ لیکن کتاب کے دیباچے میں مصنف لکھتا ہے:

«مخفی و محتجب نماند کہ الی الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال

شعرای ریخته کذائی تصنیف نگردیده، و تا این زمان هیچ انسانی از ماهرانِ شعر و اقرانِ سخنوران این فن سطری تالیف نرسانیده۔ بنابر این فقیر مرتضیٰ محمد قیام الدین، قائم، بعد کوشش تمام و سعی تمام دواوین این اعزه فراهم آورده، پارهٔ ابیات از هر کدام بر سبیل یادگار در ذیل این بیاض، که بمخزن نکات موسوم است، بقید قلم در آورده»

بظاہر حال مصنف کے اس بیان کو کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ابتک ریختہ کو شاعروں کے متعلق ایک سطر بھی کسی نے نہیں لکھی ہے؛ کیوں کہ ١١٦٥ھ کے آخر تک خاکسار کا «معشوق چہل سالۂ خود»، میر کا «نکات الشعرا» اور گردیزی کا «تذکرۂ ریختہ گویاں» مرتب ہوچکے تھے۔ اور نہ یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اوسے ان تذکروں کا علم نہیں ہوا، کیوں کہ وہ اوس زمانے میں دہلی کے اندر موجود تھا۔ مگر تذکرے کے مختلف بیانوں پر غور کرنے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ قائم کا یہ دعوی صحیح ہے۔ یقیناً جب وہ اپنا تذکرہ لکھنے بیٹھا، تو اوس وقت تک مذکورۂ بالا تذکرے شائع نہیں ہونے پائے تھے۔ اس دعوی کے وجوہ حسب ذیل ہیں :

(١) قائم نے شاہ ولی اللہ اشتیاق کے متعلق لکھا ہے کہ «مدت هفت سال شد که بدار البقا انتقال نمود»۔ (ص ١٨)

اشتیاق نے، نشتر عشق (٨٧ ب) اور صبح گلشن (ص ٢٥) کی روایت کے مطابق ١١٥٠ھ (١٧٣٧ع) میں رحلت کی ہے۔ لہذا قائم نے ان کا حال یقیناً ١١٥٧ھ (١٧٤٤ع) میں لکھا ہے۔

(٢) اس سنہ کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ میر نے بظاہر ١١٦٢ھ میں اور گردیزی نے ٥ محرم ١١٦٦ھ سے قبل، دلاور خاں کا ذکر بیرنگ تخلص کے ماتحت کیا ہے۔ گردیزی نے اور کچھ نہیں لکھا، مگر میر نے یہ صراحت کردی ہے کہ یہ پہلے ہمرنگ تخلص کرتے تھے، فی الحال

اس کو ترک کر کے بیرنگ اختیار کیا ھے۔ چوں کہ اس بیان کے اندر میر نے لفظ «حالا» استعمال کیا ھے، اس لیے ھم اسے دوران تالیف کا واقعہ ماننے پر مجبور ھیں۔

قائم نے اس شخص کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا ھے، جس سے معلوم ہوتا ھے کہ وہ ھنوز «ھمرنگ» تخلص کرتا ھے۔ اس سے میں قیاس کرتا ھوں کہ اوس نے دلاور خان کا حال تبدیل تخلص سے قبل لکھا تھا۔ اگر یہ قیاس درست ھے، تو پھر کوئی وجھہ نہیں کہ ھم اسے میر کے تذکرے سے قبل کا نہ مانیں، اور کچھہ بعید نہیں کہ یہ ۱۱۵۷ھ کے قریب ھی شروع کیا گیا ھو۔

(۳) رسوا تخلص نومسلم کا ذکر میر (ص ۱۲۱) اور گردیزی (ص ۶۴) نے باصطلاح اموات کیا ھے۔ گلزار ابراھیم (ص ۱۳۶) میں لکھا ھے کہ محمد شاہ کے عہد میں فوت ھوا۔ خمخانہ (ج ۳ ص ۳۰۴) کے مصنف فرماتے ھیں کہ اکبر شاہ ثانی (۳۷ــــ۱۸۰۶ع) کے عہد میں تھا یہ رائے تو یکسر غلط ھے، کیونکہ میر اور گردیزی برسوں قبل اس کو مردہ لکھہ چکے ھیں۔ البتہ گلزار کی روایت قابل غور ھے۔

قائم نے اس شخص کے متعلق لکھا ھے کہ «مدت چند ما ھست کہ بہمین احوال از جہان رفت» (ص ۶۳)۔ اگر گلزار کی روایت صحیح ھے، تو پھر اس کا یہ مطلب ھوگا کہ رسوا نے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے قبل انتقال کیا تھا۔ قائم نے اس کا تذکرہ مرنے کے چند ماہ بعد کیا ھے۔ اس سے ھم یہ قیاس کرسکتے ھیں کہ کم از کم ۲۹ ربیع الآخر ۱۱۶۱ھ (مارچ ۱۷۴۸ع) میں محمد شاہ کے انتقال سے قبل قائم نے یہ حال لکھا ھے۔

(۴) قائم نے محمد علی حشمت کے متعلق لکھا ھے کہ

« سابق برین دو سال، برفاقت قطب الدین علی خان..... بسمت چکلۂ

مرادآباد رفته بود. چون در آنجا با فوج علی محمد روهیله پای جنگ بمیان آمد، همانجا مع خان مذکور بجرأت تمام کشته شد» (ص ۲۶).

واقعہ یہ ہے کہ نواب سید علی محمد خان بہادر کے ۳ شوال ۱۱۶۲ھ (ستمبر ۱۷۴۹ع) کو فوت ہوجانے کے بعد، صفدر جنگ نے روہیلوں کی قوت توڑنے کے لیے، قطب الدین خان کو روہیل کھنڈ کی ریاست کا پروانہ بادشاہ سے دلا کر مرادآباد روانہ کیا تھا۔ اون کے ساتھہ صرف چند سو آدمی تھے۔ روہیلوں نے مقابلہ کر کے اونہیں فوج کے ساتھہ قتل کر دیا۔ اس واقعے کی صحیح تاریخ نہیں ملی، لیکن مختلف کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ذیحجہ ۱۱۶۲ھ (نومبر ۱۷۴۹ع) میں والیء فرخ آباد کی روہیل کھنڈ پر فوج کشی سے قبل یہ معرکہ پیش آیا تھا۔

میر نے «نکات الشعرا» میں اور گردیزی نے اپنے «تذکرۂ ریختہ گویان» میں بھی حشمت کے متعلق یہی لکھا ہے کہ وہ قطب الدین خان کے ہمراہ روہیلوں کی جنگ میں مارا گیا۔ مگر اونھوں نے زمانے کا تعین نہیں کیا۔ قائم اس کے برخلاف یہ کہتا ہے کہ دوسال ہوے جو حشمت، قطب الدین خان کے ہمراہ مرادآباد جا کر، جنگ میں کھیت رہا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ آخر ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) یا آغاز ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) میں اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر اوس نے یہ حال لکھا ہے۔

بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائم نے ۱۱۶۸ھ کے بعد بھی جابجا اضافے کیے ہیں، جو ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) سے ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک کے زمانے کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) آبرو کے ذکر میں خان آرزو کو دعادی ہے کہ «خدا سلامتش دارد» (ص ۱۴)، اور بعد ازاں میر کے حال میں اون کا ذکر بصیغۂ ماضی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ «در خدمت خان آرزو، که خالوی او بود، تحتی دانش

اندوختہ» (ص ۱۴)۔

خان آرزو کا انتقال ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۹ھ (۲۶ جنوری ۱۷۵۶ ع) کو ہوا ہے۔ لہذا یقینی امر ہے کہ میر کا حال یا اوس کا یہ حصہ اس ماہ و سال کے بعد لکھا گیا ہے۔

(۲) محتشم علی خان حشمت تخلص کو کہتا ہے کہ «قبل ازین ہفت سال بمرگ دفعۃ از جہان رفت» (ص ۲۷)۔ خان آرزو فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال، نجم الدولہ کے مرنے سے دو تین مہینے پہلے ۱۱۶۳ھ (۵۰-۱۷۴۹ع) میں ہو گیا تھا۔ (مجمع النفائس: ۱۳۵ الف) دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی یہی سال وفات لکھا ہے۔ اس صورت میں قائم کا یہ ٹکڑا ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) کے لگ بھگ لکھا جانا چاہیے۔

(۳) خواجہ میر درد کے حال میں اون کی تصنیفات کے منجملہ «صحیفۂ واردات» کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب خود خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ع) میں لکھی گئی ہے۔ خواجہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> «و بیشتر ازین رسالہ، یعنی اکثر وارد، در حضور اقدس جناب امیرالمحمدیین حضرت قبلہ گاہی دامت برکاتہ در سنۂ یکہزار و یک صد و ہفتاد و دو ہجری تحریر یافتہ بود...... و در ہمین سال بتاریخ دوم ماہ مبارک شعبان المعظم روز شنبہ بین العصر و المغرب رحلت آنجناب شدہ است» (علم الکتاب ص ۹۱)۔

شمع محفل (ص ۳۲۰) کے آخر میں فرماتے ہیں:

> «چنانچہ از اتفاقات ورود صحیفۂ واردات بحضور پرنور در سال وصال آن زبدۃ الواصلین......خواجہ محمد ناصر......اعنی یکہزار و یکصد و ہفتاد و دو شدہ بود»۔

ان اقتباسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واردات کا زیادہ حصہ ۲ شعبان

۱۱۷۲ھ (۳۱ مارچ ۱۷۵۹ع) سے قبل انجام کو پہنچ چکا تھا۔ قائم نے ان کے والد کے متعلق لکھا ھے کہ

«والد شریفش خواجه محمد ناصر، که یکی از اولیای روزگار و مشائخ کبار است، به نسبت مریدی و فرزندیء وی افتخارها دارد»۔

اس سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ ابھی تک میر درد کے والد بقید حیات تھے؛ لہذا قائم نے میر درد کا حال رجب ۱۱۷۲ھ میں لکھا ھوگا۔ اور چونکہ نالۂ درد (ص۲) میں درد نے لکھا ھے کہ صحیفۂ واردات کے تمام کرتے وقت میری عمر ۳۹ سال کی تھی، اس لیے ھم یہ کہ سکتے ھیں کہ قائم نے ان کا حال ۳۹ سال کی عمر میں ۱۱۷۲ھ میں لکھا ھے۔

(۴) نول رائے وفا کے ذکر میں لکھا ھے کہ

« مہین برادر ش زادہ ، گلابرای ؛ دیوان مدارالمہام امیرالامرا نواب نجیب الدولہ بہادر است » (ص ۲۷)۔

نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی، خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) کے مطابق ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) میں احمدشاہ ابدالی نے عطا کیا تھا۔ اوس کی مراجعت کے بعد عمادالملك نے انھیں برطرف کرکے خود یہ منصب سنبھالا۔ بعد ازاں پانی پت کی مشہور جنگ (جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ مطابق جنوری ۱۷۶۱ع) کے بعد، احمدشاہ ابدالی نے پھر انھیں کو یہ عہدہ عطا کیا۔ صاحب حدیقۃ الاقالیم نے ۱۱۷۰ھ میں نجیب خان کو نجیب الدولہ خطاب ملنے اور ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع) میں « مدارالمہام امیرالامرا » کا خطاب و منصب عطا ھونے کی تصریح کی ھے (ص ۱۳۷)۔

ان کی امیر الامرائی کا ابتدائی زمانہ کم ھے۔ بعید معلوم ھوتا ھے کہ اس مختصر سے عرصے میں انھوں نے دیوان وغیرہ بھی مقرر کر لیے ھوں، اور قائم انھیں وفا کے ذکر میں امیر الامرا لکھہ بھی دے۔ اغلب یہ ھے کہ

۱۱۷۴ھ کے بعد اوس نے وفا کا حال لکھا ہے، جب کہ نجیب الدولہ اطمینان کیساتھہ اس عہدے پر کام کر رہے تھے، اور «مدار المہام امیر الامرا» دونوں لفظوں کے مستحق ہوچکے تھے۔

(۵) مہربان خان رند کے حال میں (ص ۵۵) لکھا ہے کہ

> «درین اثنا .... مرزا محمد رفیع سودا، سلمہ اللہ تعالی، برفاقت وزیرالممالک نواب غازی الدین خان بہادر در بلدۂ فرخ آباد رسیدند۔ خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزای موصوف را برفاقت خود گرفت»۔

ظاہر ہے کہ یہ ٹکڑا سودا کے فرخ آباد جانے کے بعد لکھا گیا ہے۔ چونکہ اس میں قائم نے سودا کا فرخ آباد جانا، نواب غازی الدین خان کے ہمراہ بتایا ہے، اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ نواب کس زمانے میں فرخ آباد گئے۔ مولوی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد (۶۷ الف) میں لکھتے ہیں کہ غازی الدین خان (۱) ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) میں میرزا ہدایت بخش اور میرزا بابر کے ساتھہ فرخ آباد آئے۔ نواب احمد خان نے بڑی شان و شکوہ کے ساتھہ استقبال کیا، اور بہت کچھہ نذر گذرانا۔ آزاد بلگرامی نے بھی خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) میں یہی واقعہ لکھا ہے۔ مگر اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ فرخ آباد سے اودھ پر چڑھائی کی، اور نواب سعداللہ خان کے بیچ میں پڑکر صلح کرادینے کے بعد، ۷ شوال ۱۱۷۰ھ کو فرخ آباد واپس ہوے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۷ شوال سنۂ مذکورہ سے قبل ان کا فرخ آباد میں ورود ہوا تھا۔ بعد ازاں اس تاریخ کو صوبۂ اودھ سے لوٹ کر آئے۔

---

(۱) شیخ چاند مرحوم نے «سودا» (ص ۵۰) میں لکھا ہے کہ عمادالملک شاہ درانی کے مشورے سے ۱۱۶۷ھ میں شاہزادوں کے ہمراہ دوآبے میں روپیہ وصول کرنے آئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ تمام تاریخیں متفق ہیں کہ یہ واقعہ درانی کے ۱۱۷۰ھ کے حملے کے بعد کا ہے۔

اس کے بعد عماد الملک نے ربیع الآخر ۱۱۷۳ھ (نومبر ۱۷۵۹ع) میں عالمگیر ثانی کو قتل کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی کی آمد آمد سن کر، سورجمل جاٹ کے پاس پناہ لی (۱)، اور ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک، جو خزانۂ عامرہ کا سال تالیف ھے، وھیں مقیم رھے (۲)۔ تاریخ فرخ آباد سے معلوم ھوتا ھے کہ تقریباً اسی سال فرخ آباد میں پھر تشریف فرما ھوے۔ نواب احمد خان نے بڑی خاطر مدارات کی اور گزر اوقات کیلیے سیرحاصل جاگیر مقرر کردی (۳)۔ مولوی ولی اللہ لکھتے ھیں کہ شاہ عالم بادشاہ کے الہ آباد سے دھلی واپس جانے تک فرخ آباد ھی میں قیام رھا۔ جب یہ خبر ملی کہ بادشاہ اس نواح سے گزر رہے ہیں، تو اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام نہ لے لیں، وھاں سے ھمیشہ کے لیے رخصت ھوگئے، اور پنجاب و سندھ وغیرہ ھوتے ھوے مکۂ معظمہ چلے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد کالپی میں ٹھہرے، اور وھیں ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ع) میں انتقال کیا (۴)۔ انھیں مولوی ولی اللہ نے بادشاہ کی الہ آباد سے روانگی کا سنہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) بتایا ھے (۵)، جس کا یہ مطلب ھے کہ عماد الملک کا فرخ آباد میں قیام ۱۱۷۶ھ سے ۱۱۸۴ھ تک رھا تھا۔

بظاھر یہ ناممکن ھے کہ سودا عماد الملک کے ساتھ ۱۱۷۰ھ میں فرخ آباد گئے ھوں؛ کیونکہ انھیں تذکرہ نویسوں نے شاہ عالم بادشاہ کا استاد بتایا ھے، جو ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹-۶۰ع) میں تخت نشین ھوے تھے۔ اگر یہ ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۵۷ع) میں فرخ آباد چلے گئے ھوتے، تو یہ استادی شاگردی کا رشتہ بعید الوقوع تھا۔ نشتر عشق سے معلوم ھوتا ھے کہ ان کی دھلی سے

---

(۱) مقالات الشعرا (۱۰ ب) میں، جو ۱۱۷۳ھ کی تالیف ھے، ان کا ابدالی کے ڈر سے بھاگ کر سورجمل کے پاس بھرتپور میں قیام بتایا ھے۔ چونکہ اس زمانے میں مصنف مقالات وھاں موجود ھے، اس لیے اوس کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکتا ھے۔
(۲) خزانۂ عامرہ: ۵۴۔ (۳) تاریخ فرخ آباد اردو: ۲۹۲۔ (۴) تاریخ فرخ آباد: ۱۲۷ ب
(۵) ایضاً: ۱۲۱ ب۔

روانگی، احمدشاہ ابدالی کے ہاتھوں دار السلطنت کی دوسری لوٹ کے بعد واقع ہوئی تھی۔ احمدشاہ کا دھلی میں دوسری بار داخلہ شعبان ۱۱۷۴ھ (مارچ ۱۷۶۱ع) میں ہوا تھا۔ مقالات الشعرا کے مصنف نے بھی اس سال کے حملے کو دوسرا حملہ قرار دیا ھے۔ وہ لکھتا ھے:

«درین ہنگام، کہ سنۂ یکہزار و یکصد و ہفتاد و سنۂ ہجری و شعلہ انگیزیء آتش ہنگامۂ مسطور کرت ثانی است» (ورق ۲ ب)۔

لہذا سودا کو ۱۱۷۴ھ کے بعد دھلی کو خیرباد کہنا چاہیے۔ سودا کے دیوان میں نواب مہربان خاں کی شادی کا قطعۂ تہنیت پایا جاتا ھے، جس کے مادۂ تاریخی "ہوا ھے وصل ماہ ومشتری کا"، سے ۱۱۷۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ چونکہ عمادالملک ۱۱۷۶ھ میں بھرتپور سے فرخ آباد گئے ہیں، اس لیے اغلب یہ ھے کہ سودا احمدشاہ کے دوسرے حملے کے بعد عمادالملک کے پاس بھرتپور پہنچے، اور وہاں سے اون کے ساتھہ ھی ۱۱۷۶ھ میں فرخ آباد چلے گئے۔ اس صورت میں قائم نے ان کے متعلق جو کچھہ لکھا ھے، وہ ۱۱۷۶ھ کے بعد کا اضافہ ہوگا۔

سنہ ۱۱۷۶ھ کا یہ اضافہ تنہا نہیں ھے۔ دردمند کے بارے میں لکھا ھے:

«چنانچہ مثنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحۂ روزگار از و یادگار است» (صفحہ ۴۹)۔

یہ الفاظ اون اشخاص کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ہوں۔ دردمند نے، گلزار ابراھیم اور گلشن ہند (ص ۱۳۰) کے مطابق ۱۱۷۶ھ میں انتقال کیا ھے لہذا یہ حصہ بھی سنہ ۱۱۷۶ھ کے بعد لکھا جانا چاہیے۔

ان مقامات کے ماسوا عاصمی اور درد وغیرہ کے حالات دوسری تاریخوں تک رھنمائی کر سکتے ھیں، اگر ھمارے پاس دوسرے ذرائع سے معلومات مہیا ھو جائیں۔

بحث کا خلاصه یه ھے که قائم نے پہلے اپنا تذکرہ بیاض کی صورت میں مرتب کیا تھا۔ اس بیاض کے آغاز کے بارے میں سب سے پہلی تاریخ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) ملتی ھے۔ اوس وقت تک اردو گو شاعروں کا کوئی تذکرہ مرتب نہوا تھا۔ ۱۱۶۷ھ (۵۴-۱۷۵۳ع) میں احمدشاہ کے معزول ھو جانے اور عالمگیر ثانی کے تخت نشین ھونے کے بعد اس بیاض نے تذکرے کی شکل اختیار کرلی، اور مصنف نے اسکا تاریخی نام ''مخزن نکات'' رکھا، جس سے ۱۱۶۸ھ برآمد ھوتے ھیں۔ اس تاریخ کے بعد بھی اوس نے جابجا اضافے کیے، جس کا سلسله ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تك جاری رھا۔ کتاب کا دیباچه، بجز نام کے، آغاز تصنیف بیاض کے وقت کا ھے، اور خاتمه، جس میں مصنف نے انقلاب سلطنت کا ذکر کیا ھے، ۱۱۶۸ھ کا لکھا ھوا معلوم ھوتا ھے۔

یه تذکرہ انجمن ترقیء اردو کی طرف سے عرصه ھوا چھپ کر شائع ھو چکا ھے۔ کتابخانے میں اسکے پہلے دو طبقوں کا اردو ترجمه قلمی شکل میں موجود ھے۔ میرا خیال یه ھے که محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن، اس کے مترجم ھیں۔ اس ترجمے میں مترجم نے بھی ممتاز طور پر کچھه اضافے کیے ھیں۔

۷۔ مقالات الشعراء قلمی۔

یه ۱۵۹ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے، جسے قیام الدین حیرت ولد شیخ امان الله اکبرآبادی نے، ریاض الشعرای واله،

مجمع النفائس آرزو، اور سفینۂ شوق رای تن سکھرای کی مدد سے مرتب کیا ہے۔

موخرالذکر کتاب کا مصنف، احمدشاہ ابدالی کے سنہ ۱۱۷۰ھ میں دلی پر حملہ آور ہونے کے بعد نقل وطن کر کے مع اهل و عیال اکبرآباد چلا آیا تھا، اور اس نقل و حمل کے زمانے میں بھی وہ تذکرے کو مرتب کرتا رہا تھا۔ حیرت ایک برس اور چند مہینے اوس کی خدمت میں رہا۔ (۴۵ ب)۔ غالباً اسی زمانے میں "سفینۃالشوق" دیکھ کر، حیرت کو تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مگر وہ دیباچے میں یہ لکھتا ہے کہ جب ہندوستان میں احمدشاہ ابدالی کی بھلی بار پھیلائی ہوئی قتل وغارت کی آگ بجھی، خوش بختانہ مجھے مذکورۂ بالا تذکروں کے دیکھنے کا موقع ملا۔ دل میں آیا کہ عہد اورنگ زیب عالمگیر سے زمانۂ عالمگیر ثانی تک جو شاعر گذرے ہیں، اون کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دوں۔ کچھ دنوں تک یہ تمنا دل میں کھٹکتی رہی:

«درین هنگام که سنۂ یکهزار و یکصد و هفتاد و سنه هجری و شعله انگیزی ء آتش هنگامۂ مسطور کرت ثانی است، نسیم قبول بر غنچۂ امید از مهب الطاف مولی وزید، و نکهت انتظام این گلدستۂ بهار پیام مشام آرزو را معطر گردانید...... ترتیب این رساله .... به حروف تهجی نهاده، و به مقالات الشعرا، که متضمن تاریخ تالیف است بنقصان پنج ششماه، موسوم ساخت» (۲ ب و ۳ الف)۔

محمد نعیم نیاز کے ذکر میں لکھا ہے:۔

«درینولا که خبر وفاتش شنیده ام، از تلخی غم، شربت عیش بر مذاق طبیعت ناگوار است...... احقر تاریخ وفاتش که از روز و ماه مطلع نشده، چنین یافته....:

چون ز دنیا برفت سوی جنان | یا رجب یا که ماه شعبان بود
حیرت از سال رحلتش ہاتف | دادخبرم «ندیم رضوان بود»

اس مادے سے ۱۱۷۳ھ (۶۰-۱۷۵۹ع) برآمد ہوتے ہیں، اور شعر اول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجب یا شعبان سنۂ مذکورہ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ لہذا ان مہینوں تك کار ترتیب کا جاری رهنا ظاہر ہوتا ہے۔

مقالات الشعرا سے ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع) نکلتے ہیں۔ اشپرنگر نے اسی کو سال تالیف قرار دیا ہے۔ مگر مصنف اسے ''بنقصان پنج شش ماہ'' سال تالیف کو ظاہر کرنیوالا بتاتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ کتاب ۱۱۷۳ھ ہی میں ختم ہو چکی تھی؛ اور جب اوس نے ''مقالات الشعرا'' نام رکھا ہے، تو اوس وقت ۱۱۷۴ھ کے شروع ہونے میں ۵ یا ۶ مہینے باقی تھے۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب نے ۱۱۷۲ھ (۵۹-۱۷۵۸ع) میں وفات پائی ہے۔ حیرت نے انکا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بقید حیات تھے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ترتیب کا آغاز ۱۱۷۲ھ سے قبل ہوا ہے۔

اپنے متعلق حیرت نے لکھا ہے کہ میرے والد کا نام شیخ امان اللہ اور اکبرآباد وطن ہے، ۳۰ سال کی اس وقت عمر ہے، اور دیوان کشن جی، طبیب ٹھاکر سورجمل، والیء بھرتپور، کے بچوں کی اتالیقی کی خدمت پر متعین ہوں، اور بھرتپور میں قیام ہے (۲۹ الف)۔ میاں محمد حیات گوپاموی سے، جنھوں نے عرصے سے اکبرآباد ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی، فارسی پڑھی ہے (۲۹ الف) اور محمد نعیم نیاز سے، جو بے بدل منشی اور شاعر تھے،

نظم و نثر پر اصلاح لی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے، جو چھوٹے سائز کے ۸۲ ورقوں پر ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع) میں معمولی اور پر اغلاط نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ اس نسخے میں ۱۵۹ شاعروں کا ذکر ہے۔ اشپرنگر کے نسخے میں ۱۶۰ درج ہیں (۱)۔ وہ شاعر، جس کا ذکر ہمارے نسخے میں نہیں ہے، چنی لال احسان تخلص ہے۔

۸۔ چمنستان شعرا (چمنستان)، مطبوعہ۔

یہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کا مرتبہ تذکرہ ہے، جس میں ۲۱۴ ریختہ گویوں کے حالات اور منتخب کلام مندرج ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ع) میں اس کا اختتام ہوا ہے۔ یہی سال اس کے نام سے بھی برآمد ہوتا ہے۔ میر علی اکبر رمال کے ذکر میں مصنف نے ایک زائچہ نقل کیا ہے (ص ۱۵۴)، اور وہاں ۶ رمضان ۱۱۷۵ھ (۳۱ مارچ ۱۷۶۲ع) تاریخ لکھی ہے۔ نجات کی تاریخ وفات غرۂ شوال ۱۱۷۵ھ (۲۶ اپریل ۱۷۶۲ع) تحریر کی ہے (ص ۳۲۴)۔ ان دونوں مقامات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ۱۱۷۵ھ کے آخر تک کام جاری رہا ہے۔

شفیق نے اپنے سوانح لکھتے ہوئے (ص ۴۹۴) بتایا ہے کہ صفر ۱۱۵۸ھ (فروری ۱۷۴۵ع) میں میری ولادت ہوئی ہے، اور اب اٹھارہ سال کی عمر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصنف نے اپنا حال ختم کتاب کے ایک سال بعد لکھا ہے۔ اسی طرح رنگیں کی تاریخ وفات

(۱) مگر سہو طباعت سے بجائے ۱۶۰ کے ۱۵۰ چھپ گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو فہرست کتابخانہائے شاہ اودھ : ۱۵۲

اور قطعۂ تاریخ بھی بعد کو اضافہ کیے گئے ھیں (ص ۹۱ہ)۔

اس تذکرے کو بھی انجمن ترقیء اردو نے کتابخانۂ آصفیہ (حیدرآباد) کے واحد نسخے سے مرتب کرکے شائع کر دیا ھے۔

۹۔ تذکرۃالشعراء، قلمی۔

یہ میر علاءالدولہ اشرف علی خاں کا تالیف کردہ تذکرۂ شعرای فارسی ھے (۱)، جو خود مصنف کے بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۶۴-۱۷۶۳ع) میں زیر تالیف تھا۔ ولایت کے حال میں لکھتا ھے:

«در حین تالیف تذکرہ، در سنۂ یکہزار و یک‌صد و ہفتاد و ہشت در سن ہفتاد و ہشت سالگی بمرض اسہال موصل بحق گردید (۵۳۳ الف)

میرزا عبدالرضا متین، متوفی ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع)، کو لکھا ھے:

چہار سال پیش از تحریر تذکرہ بروضۂ رضوان خرامید (۳۵۷ الف)۔

اس سے بھی مذکورۂ بالا سنہ کی تائید ھوتی ھے۔ نیز حزیں کو میر شمس‌الدین فقیر کے ذکر میں «دام بقاءہ» کے الفاظ سے یاد کیا ھے۔ شیخ ۱۸ جمادی‌الاولی ۱۱۸۰ھ (اکتوبر ۱۷۶۶ع) کو فوت ھوے ھیں۔ لہذا اس تذکرے کو اون کی حیات میں تالیف ھونا چاھیے۔ ۱۱۷۸ھ میں وہ یقیناً زندہ تھے۔ اس لیے مذکورہ سنہ کی مزید تائید ھوجاتی ھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک نسخہ محفوظ ھے، جو علی سرھندی کے حال سے نواب یحیی‌خاں کے ذکر تک ھے۔ اس سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ شروع سے تقریباً نصف اور آخر سے چند اوراق کم ھوگئے۔ نیز یہ مسودہ معلوم ھوتا ھے؛ کیونکہ عبارت مختلف معمولی خطوط میں متن اور حواشی دونوں جگہ لکھی ھوئی ھے۔ عنوانات جگہ جگہ سادہ چھوڑے گئے ھیں۔ ورق ۱۳۲ الف اور ۱۹۵ب پر دو تحریریں ھیں، جن کے آخر میں «مکین» درج ھے۔ یہ مرزا فاخر مکین کی تنقیدیں

(۱) میر علاؤالدولہ کے بیٹے، میر فخرالدین حسن، فخر تخلص، کے ذکر میں میر حسن نے بھی اس تذکرے کا ذکر کیا ھے۔

معلوم ہوتی ہیں۔ سودا کا کلیات دیکھنے والوں کو علم ہے کہ اس تذکرے پر مکین نے جو اصلاحیں دی تھیں، اون کی تردید میں سودا نے «عبرۃالغافلین» نامی رسالہ لکھا ہے چونکہ مولف تذکرہ اون اصلاحوں کے خلاف تھے، اس لیے ممکن نہ تھا کہ وہ صاف شدہ نسخے میں بھی اونھیں باقی رکھتے۔ اس بنا پر اغلب یہی ہے کہ زیر نظر نسخہ مسودہ ہو۔

۱۰۔ تذکرۂ شعرا (حسن)، قلمی۔

یہ تذکرہ ۳۰۴ اردوگو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے، جسے میر حسن دھلوی، متوفی عشرۂ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ مخدومی نواب صدریار جنگ بہادر مطبوعہ نسخے کے مقدمے میں سال تصنیف کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

> «تذکرہ ہذا میں میر صاحب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے، اس میں مثنوی رموزالعارفین ہے، گلزار ارم نہیں ہے۔ رموزالعارفین کا سال تصنیف سنہ ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا سنہ ۱۱۹۲ھ۔ رموزالعارفین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشہور ہوچکی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ تذکرہ سنہ ۱۱۸۸ھ اور سنہ ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا۔» (ص ۲، طبع ثانی)

خود میر حسن نے خاتمۂ کتاب میں یہ لکھا ہے کہ «در تاریخ یکہزار و یکصد و نود و یك ہجری باتمام رسید» (صفحہ ۲۰۸، طبع مذکور)۔ اس سے یہ قیاس کرنا بجا ہے کہ کتاب کی تالیف و ترتیب کا کام ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم ہو گیا تھا۔ البتہ بعد میں بھی مصنف نے اضافے کیے ہیں، جن میں سے ایك شاہ فصیح کی تاریخ وفات ہے، جو ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ع) میں واقع ہوئی تھی۔

اب اس کے سال آغاز کا مسئلہ باقی رہتا ہے۔ کتاب کے مختلف مقامات سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے «رموز العارفین» مصنفۂ ۱۱۸۸ھ (۷۷-۱۷۷۴ع) کا ذکر ہے، جیسا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے ارشاد فرمایا ہے۔ اسکے ماسوا، احسن اور سودا کے حال میں لکھا ہے کہ یہ دونوں نواب شجاع الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم ہیں، جسکے یہ معنی ہیں کہ یہ حالات شجاع الدولہ کی زندگی میں لکھے گئے۔ شجاع الدولہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ (آخر جنوری ۱۷۷۵ع) کو فوت ہوے ہیں۔ لہذا یہ حالات اس تاریخ سے پہلے لکھے گئے ہونگے۔ اسی طرح نواب محمدیار خان بہادر، متوفی ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، کو «خدا قائم دارد» لکھا ہے۔ گویا انکا ذکر بھی اس ماہ و سال سے پہلے لکھا ہے۔

اب یہ طے کرنا چاہیے کہ نواب شجاع الدولہ اور نواب محمدیار خان بہادر کے انتقال سے کتنا پہلے کام شروع کیا۔ میرزا مظہر کے بارے میں میر حسن لکھتے ہیں:

«الحال بطرف سنبھل مرادآباد استقامت دارد و همان جا وعظ می فرماید۔»

میرزا مظہر، علیہ الرحمہ، کے ایک خط میں اون کے سفر روھیلکھنڈ کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس خط کو شاہ نعیم اللہ بہڑائچی نے معمولات مظہریہ (۱) میں نقل کیا ہے۔ میرزا صاحب اپنے مرید پیر علی کو لکھتے ہیں:

«آنچه از عالم تدبیر معاش نوشته اند، بجاست۔ اما فقیر را طاقت حرکت و دماغ سیر و سیاحت هرگز نمانده۔ برای پرداخت یاران طریقه که از اطراف هجوم کرده اند، آمده ام۔ بعد دو ماه بدهلی میروم که متعلقان آنجا هستند، و از هر طرف فتنه قصد دهلی می کند۔ با این همه دنیاداران این حدود با فقیر معرفتی ندارند۔ عقیدت معلوم۔

(۱) معمولات مظہریہ: ۱۱۳، نظامی کانپور، سنہ ۱۲۷۵ھ

یاد ندارند که روز ملاقات این قصه را مفصل باشما گفته ام که خانساماں و بخشی، یعنی فتح خان و سردار خان، را در تمام عمر خود گاهی ندیده ام؛ و دوندے خان را، که ارادۂ ملاقات فقیر داشت، منع کردم که نیاید؛ و حافظ رحمت خان، که پیش فقیر حاضر شده بود، صحبت او با فقیر نادرست افتاد؛ و پسران علی محمد خان را هرگز نمی شناسم۔ ربط کجا و سفارش معلوم۔»

اس خط سے مقام کتابت پوری طرح متعین نہیں ہوتا۔ لیکن ایك اور خط، بنام میر محمد معین صاحب، میں فرمایا ہے :

«امروز، که دهم شوالست، بتقریب تعزیت حضرت خانصاحب، یعنی والد بزرگوار شما، که جامع هزاران مناقب بودند، و از انتقال ازین عالم داغی بیادگار گزاشتند که بس، در آنوله حاضرم، و بعد توقف سه شبانه روز فردا مراجعت به سنبهل خواهم نمود۔» (ایضاً : ۱۱۵)

ان دونوں خطوں کے پڑھنے سے ہم اس نتیجے تك پہنچ جاتے ہیں که (الف) میرزا مظہر، رحمۃاللہ علیہ، کا یہ سفر نواب دوندے خان کی حیات میں واقع ہوا تھا، (ب) اوس زمانے میں چاروں طرف سے فتنہ و فساد دھلی کا رخ کر چکا تھا، اس لیے میرزاصاحب دو ماہ کے بعد اپنے متعلقین کی خبر گیری اور حفاظت کے خیال سے دھلی واپس جانا چاہتے تھے، (ج) اور ۸ سے ۱۰ شوال تك آنولے میں قیام کر کے گیارھویں تاریخ کو سنبھل کی طرف سفر کرنے کا قصد تھا۔

اخبار الصنادید میں نواب دوندیخان بہادر کی تاریخ وفات، ۳ محرم ۱۱۸۵ھ (۱۸ اپریل ۱۷۷۱ع) بتائی گئی ہے۔ لہذا میرزا صاحب کا سفر روھیل کھنڈ اس سنہ کے شروع ہونے سے قبل کا واقعہ قرار پاتا ہے۔

جس فتنے کا میرزا صاحب نے اپنے مکتوب میں حوالہ دیا ہے، اوس سے مرہٹوں کی دلی پر چڑھائی مراد ہے۔ انھوں نے ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں بہت بڑے لشکر کی صورت میں دریای چنبل عبور کرکے

دلی کا رخ کیا تھا، مگر نواب نجیب‌الدوله بہادر نے فرخ‌آباد کی تسخیر کی طرف متوجه کر دیا۔ آغاز ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) میں یه مہم مرهٹوں نے شروع کرکے قلعۂ شکوه‌آباد روهیلوں سے لینے کے بعد صلح کر لی۔ اسی سال غالباً رجب میں نواب نجیب‌الدوله بہادر کا انتقال هو گیا، اور مرهٹے دهلی کی طرف بڑھے۔ چنانچه سنه ۱۱۸۵ھ میں ضابطه خاں دهلی چھوڑ کر چلے گئے، اور اس پر مرهٹوں کا قبضه هو گیا۔ دهلی پر قبضه کر کے مرهٹوں نے شاه عالم کو الهٰ‌آباد سے بلا کر تخت نشین کیا، اور اب ضابطه خاں پر یورش کرکے سکرتال میں اونهیں شکست دی۔

اس سے یه قیاس کرنا بیجا نہیں که ۱۱۸۴ھ میں میرزا صاحب آنولے یا سنبھل میں تھے۔ چونکه اونهوں نے ۸ سے ۱۰ شوال تک آنولے میں قیام ظاهر کیا هے، اور تقریباً اسی زمانے میں مرهٹوں نے فرخ‌آباد کی مہم سر کی هے، اس لیے یه سفر شوال ۱۱۸۴ھ (جنوری ۱۷۷۱ع) میں واقع هونا چاهیے۔ اور اس زمانے میں اونکا یه لکھنا درست هے که فتنه دهلی کا قصد کر رها هے، لہذا میں دو مہینے کے سفر کے بعد دهلی واپس جانا چاهتا هوں۔

اب اگر میر حسن نے ان کے حالیه سفر کا ذکر کیا هے، تو اس حصے کی تالیف شوال ۱۱۸۴ھ یا اس کے قریب قریب هونی چاهیے۔ اس کی تائید نعیم کے ذکر سے هوتی هے۔ میر حسن نے اوس کا حال اس انداز سے لکھا هے، که همیں اوس کی زندگی کا یقین هوتا هے۔ مصحفی نے اپنے «تذکرۂ هندی گویاں» (۸۵ ب) میں لکھا هے که سکرتال کی لڑائی کے بعد نعیم کا انتقال هوا۔ مولوی قدرت‌الله شوق نے «تکملة‌الشعرا» میں بتایا هے که ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ع) میں

رحلت کی ھے۔ چونکہ سکرتال کی جنگ بھی اسی سال کا واقعہ ھے، اس بنا پر ان دونوں بیانوں میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا، اور ھم یہ کہ سکتے ھیں کہ میر حسن نے اوس کا حال ۱۱۸۰ھ سے قبل لکھا ھے، جو بعید نہیں کہ ۱۱۸۴ھ ھی کا واقعہ ھو، جب کہ اوس نے میرزا مظہر کا حال لکھا تھا۔

مزید تائید میں میر حسن کے اوس جملے کو پیش کیا جا سکتا ھے، جو مصحفی کے بارے میں لکھا ھے، کہ «الحال در شاھجہان آباد به پیشۂ تجارت بسرمی‌برد» میری رائے یہ ھے کہ میر حسن نے جس زمانے میں یہ فقرہ لکھا ھے، مصحفی دلی سے نکل کر ٹانڈے، اور وھاں سے لکھنؤ نہیں گئے تھے۔ اگر لکھنؤ کا سفر اختیار کر چکے ھوتے، تو ناممکن تھا کہ مصنف اس کا ذکر نہ کرتا۔ مصحفی نے لکھنؤ کا یہ سفر ۱۱۸۰ھ میں سکرتال کی جنگ کے بعد اختیار کیا تھا۔ اس بنا پر یقین ھے کہ اِن کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ لکھا گیا ھے۔ اسی سلسلے میں میر شمس الدین فقیر کے متعلق یہ فقرہ قابل توجہ ھے:

«در ینولا بطرف کر بلاے معلی تشریف بردہ بود، ھمان جا بجوار رحمت ایزدی پیوست۔»

فقیر کا انتقال اس سفر سے واپسی پر ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں ھوا ھے۔ «در ینولا» ایسے واقعے کے متعلق استعمال کیا جا سکتا ھے، جو حال ھی میں ظہور پذیر ھوا ھو۔ اگر یہ صحیح ھے، تو پھر ان کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے قریب لکھا ھوگا۔

ان دلائل کے پیش نظر میں یہ قیاس کرتا ھوں کہ میر حسن نے ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) میں یا اس سے کچھہ پیشتر تذکرہ شروع کر کے ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم کر دیا تھا۔ بعد کے اضافوں میں صرف شاہ

فصیح کی تاریخ وفات ہے، جو سنہ ۱۱۹۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ اس میں جابجا سادہ صفحات یا دس دس پانچ پانچ سطروں کی بیاضیں پائی جاتی ہیں۔ نیز آخری حال دوسرے خط کا لکھا ہوا ہے، جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کا نسخہ ہے۔ کہیں کہیں مطبوعہ نسخے سے متن میں اختلاف بھی ہے۔ یہاں صرف مصحفی کے متعلق ایک جملے کے اختلاف کا ذکر مناسب ہوگا۔ مطبوعہ نسخے میں عبارت یوں ہے:

«از نجبای امروهه۔ مولدش اکبر پور که قصبه ایست متصل دهلی، وطن بزرگانش از قدیم۔ الحال در شاهجهان آباد به پیشهٔ تجارت بسر می برد۔»

ہمارے قلمی نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

«از نجبای امروهه۔ مولدش اکبرپور که قصبه ایست متصل۔ الحال در شاهجهان آباد به پیشهٔ تجارت بسر می برد»

مطبوعہ نسخے کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی جس اکبر پور نامی قصبے میں پیدا ہوا تھا، وہ دہلی کے متصل ہے۔ اور قلمی نسخہ اس کے برخلاف یہ بتاتا ہے کہ قصبۂ مذکور امروہے کے پاس واقع ہے۔ یو پی کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر (ج ۱۶ ص ۱) میں قصبۂ اکبر پور کا ذکر امروہے کے ساتھ کیا گیا ہے، اور ہندوستان گزیٹیر میں دہلی کے قریب کسی اکبرپور نامی قصبے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ رامپور کے اس نسخے کی عبارت صحیح ہے اور مطبوعہ نسخے میں کاتبوں نے کتر بیونت کر دی ہے۔

اس نسخے کے ۱۵۸ اوراق، خط عمدہ نستعلیق مگر کہیں کہیں غلط اور تمام صفحات مجدول ہیں۔

۱۱- جام جہان نما، قلمی-

یہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری، متوفی ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع)، کی تصنیف ہے، اور فارسی زبان میں عالم کی تاریخ ہے

خاتمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں اس کی تالیف ہوئی تھی- مگر دھلی نیز روھیلوں کے حالات میں جابجا اضافے بھی کیسے گئے ھیں- چنانچہ دوسری جلد کے ورق ۳۷ب پر ۱۱۹۲ھ، ۷۱ب پر ۱۱۹۳ھ، ۷۵ب پر ۱۱۹۵ھ، ۷۶الف پر ۱۱۹۶ھ، ۷۸ الف پر ۱۲۰۳ھ، ۸۲ الف پر ۱۲۰۸ھ، ۸۷ الف پر ۱۲۱۲ھ، ۸۸ ب پر ۱۲۱۳ھ، ۹۰ الف پر ۱۲۱۸ھ، ۹۴ب پر ۱۲۲۱ھ، اور ۹۵ الف پر ۱۲۲۳ھ پائے جاتے ھیں- موخرالذکر کو شوق نے «اکنون» سے تعبیر کیا ہے-

علاوہ ازیں، مولوی غلام طیب بہاری کو لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں رامپور کے اندر انتقال کیا- میر درد اور ملا حسن فرنگی محلی کی وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) میں بتائی ہے-

اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے- شیخ عبدالرحمن ولد شیخ نتھو، ساکن محلہ گوجر ٹولہ، نے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳-۵۴ع) میں اسے رامپور میں لکھا ہے- جلدساز نے اس نسخے کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے- اوراق کی تعداد ۴۳۳ اور سائز درمیانی ہے- خط نستعلیق اور کتابت پر اغلاط ہے-

۱۲- طبقات شعرا (طبقا) مطبوعہ-

یہ شوق کا تذکرۂ شعرائے اردو ہے، جس کا خلاصہ علی گڑھ سے شائع ہو چکا ہے- اصل تذکرہ جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب انجمن ترقیء اردو کے لیے مرتب فرما رہے ھیں-

شیخ چاند مرحوم نے سودا کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اس

کا پہلا نسخہ سنه ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) میں مرتب ہوا تھا، مصنف نے ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) میں نظر ثانی کر کے اسے تکمیل کو پہنچایا ھے۔

شوق نے «تکملة الشعرا» میں اسکا متعدد جگھوں پر جدا جدا ناموں سے ذکر کیا ھے۔ کہیں اس کا نام «تذکرۂ ھندی»، کہیں «حقیقة الشعرا» اور کہیں «تذکرۂ طبقات شعرای ھندی» لکھا ھے۔ چونکه مطبوعه نسخے میں موخرالذکر نام اختیار کیا گیا ھے، اس لیے میں نے بھی اسی کو عنوان میں درج کیا ھے۔

۱۳- تکملة الشعرا (تکمله)، قلمی۔

یه شوق کا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے۔ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کے ۲ قلمی نسخے ھیں۔ ایك ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں حافظ غلام محی الدین نے، صاحبزادہ مظفر علیخان بہادر کے لیے رامپور میں لکھا ھے۔ دوسرا مصنف کے دستخطی نسخے سے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) میں چند کاتبوں نے نقل کیا، اور مالك کتاب محمد عبدالسلام الهاشمی نے ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ع) میں ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو اس کا منقول عنه سے مقابله انجام کو پہنچایا ھے۔

اول الذکر نسخے کے دیباچے اور خاتمے میں اس کا نام «تکملة الشعرای جام جمشید»، اور دوسرے کے دیباچے میں «تکملة الشعرا و مخزن در» اور خاتمے میں «تذکرۂ تکملۂ جام جهان نما معروف به تذکرۂ مخزن در» لکھا ھے۔

کتاب میں سال تالیف مذکور نہیں۔ البته دیباچے میں مصنف نے یه ظاهر کر دیا ھے که «جام جهان نما» سے فراغت کے بعد، بعض اعزا و احباب کی فرمائش سے اسے تصنیف کیا ھے۔ «جام جهان نما» ۱۱۹۱ھ

میں ختم ہوئی تھی، لہذا اسے اس سنہ کے بعد شروع ہونا چاہیے۔ چونکہ میرزا مظہر اور سودا، متوفی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ع) کو متوفی اور میر تقی میر کو لکھنئو میں مقیم بتایا ہے، اور میر ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) کے قریب وہاں گئے ہیں، اس لیے قیاس یہ ہے کہ اسی سال میں اس کا آغاز ہوا۔

رہین کو، جو «عقد ثریا» کی ترتیب کے وقت (۱۱۹۹ھ) زندہ تھا، لکھا ہے کہ اس کے انتقال کو دو برس ہوئے۔ خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے انتقال کو چند سال بتائے ہیں۔ بیدار، متوفی ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کو زندہ لکھا ہے۔ قائم، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) یا ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) کو کہتا ہے کہ چند سال پہلے فوت ہو گئے۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کو لکھا ہے کہ ۴۰ سال سے تخت دہلی پر متمکن ہیں۔ انہوں نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ع) میں تخت پر قدم رکھا ہے۔ اس حساب سے چالیسواں سال ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں ہونا چاہیے۔ حکیم عطاءاللہ غمین کو زندہ بتایا ہے، اور اونکا قطعۂ وفات چیری صاحب نقل کیا ہے، جس سے ۱۲۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ کے بعد اس کی تکمیل ہوئی ہے۔

۱۴- گلشن سخن، قلمی۔

یہ میرزا کاظم، مخاطب به مردان علی خان لکھنوی، مبتلا تخلص، ابن محمد علیخان بہادر کی تصنیف اور اردوگو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے۔

دیباچے میں مصنف نے «آج پھولا ہے سخن کا گلشن» مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) برآمد ہوتے ہیں۔ چونکہ

کتاب میں بھی جگہ جگہ یہی سنہ « اکنون » یا « الحال » کے ساتھ مذکور ہے، اور مصنف کا دعوی بھی ہے کہ کتاب تھوڑے عرصے میں تصنیف ہو گئی تھی، اس لیے یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اسی ایک سال کے اندر کار تالیف سے مبتلا فارغ ہو گیا تھا۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر میں ایک دیوان فارسی اور اوسی زمانے میں فارسی گو شاعروں کا تذکرہ مسمی بہ «گلدستۂ معانی» بھی مبتلا نے لکھا تھا نشتر عشق (۶۵۳ الف) میں اس تذکرے کا نام «نظم معانی» بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ سال تالیف کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اس سے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) مستخرج ہوتے ہیں، اس لیے بعید نہیں کہ مبتلا کی پیدایش ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کے قریب ہوئی ہو۔ اگر یہ صحیح ہے، تو گلشن سخن کی تالیف کے وقت اوس کی عمر ۵۳ سال کی ہوگی۔

نتائج الافکار (ص ۴۱۰) میں مبتلا کی وفات بارھویں صدی ھجری کے آخر میں بتائی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ پایا جاتا ہے، جسے نہایت بدخط اور غلط نویس کاتب نے نقل کیا ہے۔ انجمن ترقیء اردو کے لیے اس نسخے کی نقل تیار کی گئی ہے۔ امید یہ ہے کہ انشاءاللہ اسے جلد چھاپا جائیگا۔

۱۵۔ گلزار ابراھیم (گلزر)، قلمی۔

یہ نواب امین الدولہ علی ابراھیم خان بہادر نصیر جنگ، خلیل تخلص، کی تالیف ہے، جس میں ریختہ گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔

مصنف نے دیباچے میں سال اختتام ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع) بتایا ھے۔ سال آغاز متعین نہیں ھے۔ لیکن میر سوز کے حال میں ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) کو سال حال بتایا ھے۔ اس لیے بعید نہیں کہ اسی سال اس کو شروع کیا ھو۔ خلیق کے ذکر میں ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) لکھا ھے۔ راجس، متخلص به مغموم (یا محیط) کے بیان میں لکھا ھے کہ «در سنۂ ۱۱۹۹ھ باراقم آثم در بنارس ملاقی شد» (۱۹۲ ب)۔ اس سے میں یہ قیاس کرتا ھوں کہ ۱۱۹۸ھ میں کتاب ختم کرنے کے بعد بھی خلیل نے اضافے کیے ھیں، جو ۱۱۹۹ھ کے بعد تک جاری رھے تھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا جو نسخہ ھے، اوس کے اوراق کی تعداد ۳۱۰ ھے، اور دو کاتبوں نے اوس کی کتابت کی ھے، جن میں سے ایك کا خط پختہ نستعلیق ھے۔ اس نسخے میں متعدد مفید حواشی بھی نظر آتے ھیں، جو سب کے سب ایك ھی خط میں ھیں، اور اوس کاتب کے لکھے ھوے معلوم ھوتے ھیں، جس نے راجس کا حال ۱۶ سطروں میں اضافہ کیا ھے۔ چونکہ آخری اوراق بھی اوسی کے نوشتہ ھیں، اور اوس نے خاتمۂ کتاب میں لکھا ھے:

> «تمام شد گلزار ابراھیم، تذکرہ تالیف نواب علی ابراھیم خان بہادر نصیر جنگ، جعل اللہ تعالی له الجنة»۔

اس لیے یہ شبہہ تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حواشی خود مصنف کے قلم کے ھونگے۔ البتہ یہ گمان غالب ھے کہ جس نسخے سے ھمارا نسخہ نقل کیا گیا ھے، وہ مصنف کا ترمیم کردہ آخری نسخہ ھوگا۔

چونکہ یہ حواشی مفید ھیں، اسلیے یہاں اون کا نقل کرنا نامناسب نہیں۔

---

(۱) شاہ عالم بادشاہ دھلی، آفتاب تخلص، کے حال کے محاذ میں

حاشیے پر لکھا ہے:

«شاہ قدرت اللہ، قدرت "تخلص" می گفتند کہ این ہر دو اشعار، کہ نسبت بہ شاہ عالم بادشاہ می کنند، گفتۂ یکی از شاگردان منست، کہ در بلدۂ مرشدآباد بودہ» (۲ الف)۔

محولۂ بالا شعر یہ ہیں:

صبح تو جام سے گزرتی ہے　　شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے　　اب تو آرام سے گزرتی ہے

(۲) رضا قلی آشفتہ پر حاشیہ ہے:

«رضا قلی آشفتہ از تلامذۂ میر سوز است۔ و برادر مرزا بھوچو نامی، ذرہ "تخلص" بودہ۔ بطرز میر سوز اشعار می گفت» (۱۸ ب)۔

(۳) احسن اللہ بیان پر حاشیہ ہے:

«چیچک نامۂ خواجہ احسن اللہ بیان، کہ نام بسیار جانوران دران درجست، مشہور است کہ مطلعش اینست:

میرزا فیضو کی چیچک مر گئی　　حوش خانے جگ کے ویران کر گئی
میرزا غمگیں ہوں، چھپاں شاد ہوں　　گھوسلے چڑیوں کے یوں آباد ہوں» ۔
(۲۰ الف)

خود حاشیوں پر اور متن میں نئے اسماء یا اشعار کا اضافہ بھی کیا گیا ہے: چنانچہ

(۱) ورق ۵۶ الف پر حرف «ذال» کے شروع میں حاشیے پر یہ اضافہ پایا جاتا ہے:

«دائم تخلص، اسمش دائم خان، پسر فوجدار محمد خان و برادر خورد فوجدار قائم خان، کہ در عہد نواب وزیرالممالک شجاع الدولہ بہادر عز اقتدار داشت، و در وقت نواب آصف الدولہ بہادر بداروغگیٔ فیلخانۂ کلان معزز بود۔ و دائم مذکور بموزونیت طبیعت گاہی فکر شعر ریختہ می نمود، و در لکھنئو می گزراند۔ این چند بیت مرسل یادگار آن ستودہ۔ اطوار درین تذکرہ نو کریز خامۂ ندرت نگار گشت۔»

اسکے بعد ۳ شعر اوسی صفحے پر اور ۴ شعر ۵٦ ب پر «تتمۂ دائم» کے عنوان کے ماتحت درج کیے ھیں۔

(۲) راغب اور رفعت کے درمیان میں لاله جواهر سنگه، رام تخلص، کا اضافه کیا ھے، جو حسب ذیل ھے:

«رام تخلص، اسمش لاله جواهرسنگه کهتری نژاد، عرف مهره، مولدش لاهور، خلف لاله گنگابشن متخلص بعاجز، برادر خورد منشی رامجس متخلص به محیط، از منسلکان سرکار ممتازالدوله مستر جانسن بهادر بود۔ بعد ازان بعلاقۂ داروغگی پرمٹ غازی پور بعنایت مستر دنگین صاحب ممتاز مانده۔ طبعی رسا و موزون دارد۔ این چند اشعار یادگار از وی درین تذکره ثبت افتاده۔»

اس کے بعد ٦ ۷ اشعار نقل کیے ھیں۔

(۳) ورق ۱۴۷ ب کے حاشیے پر ایک نام کا اضافه ھے، جس کی عبارت یه ھے:

«عشق تخلص، نامش میر بادشاه۔ در اوائل عشق تخلص می کرد۔ بعد ازان حق تخلص قرارداد۔ مردی جری بود۔ در لکهنؤ در ایام هولی با سپاهیان پلٹن نواب آصف الدوله بهادر، که صدها کس بودند، از شنیدن حرف نا ملائم تنها در آویخته، چند کس را کشته و مجروح ساخته، خود هم آخرالامر زخمهای کاری برداشت، و بعد مدت صحت یافت۔ و از آنجا در بلدهٔ عظیم آباد و کلکته افتاده، در صحبت مرزا گهسیٹا عشق تخلص بسر می برد۔ پس ازان مائل دکن گشته، از دست پنڈارهای لشکر علی بهادر زخم بهالا بر کله خورده، و یک کس از پنڈارها را بشمشیر از پا در آورده، در قصبۂ سنی چهاره بسلامت رسید۔ و بعد چند روز بهمان زخم کله شربت مرگ چشیده، در تکیۂ محمد شاه درویش مدفون گشت۔ چون طبعی موزون داشت، دیوان اشعار ریخته ترتیب داده، این چند شعر از زادهای طبع اوست»

اس کے بعد حاشیوں پر ان کے ۱۱ شعر نقل کیے ھیں۔ ورق ۵٦ ب

کے حاشیے پر بھی حق تخلص کے ساتھ ان کا ذکر کیا ھے۔ مگر وھاں صرف ایك شعر لکھا ھے۔

(۴) عیش تخلص کے بعد حسب ذیل اضافہ متن میں کیا ھے:

«عاجز، نامش شیودیال ملقب بہ پرم ھنس، درویشی است در بلدۂ بنارس۔»

(۵) ورق ۱۶۱ کے حاشیوں پر فدوی لاھوری کے ۱۹ شعر اور درج ھیں۔ اسی طرح قدرت دھلوی کے اشعار بھی ۱۶۵ الف و ب اور ۱۶۶ الف پر تحریر ھیں۔ مجنوں کے ۱۰ شعر ۱۹۴ ب اور ۱۹۵ الف پر بڑھائے ھیں۔ واقف دھلوی کے ۱۷ شعر متن میں اور ۷ حاشیے پر مندرج ھیں۔

(۶) ولی پر حاشیہ ھے:

«کسی در وصف ولی گفتہ:

پیغمبر شاعران هندی بوده است ولی بکشور هند»

رامپور کے نسخے میں صانع بلگرامی، عجائب رای عاشق اور امیر خسرو کا ذکر نہیں ھے۔ نیز کمترین دھلوی کے حال سے کافر دھلوی تك کی عبارت کاتب نے سہواً ترك کر کے، اس طرح لکھا ھے:

«کمترین دهلوی، اسمش میرعلی نقی آه۔»

مطبوعہ نسخے میں منشی رامجس کا تذکرہ مغموم تخلص کے ساتھ کیا گیا ھے، اور ۲۳ شعر انتخاب کیے ھیں۔ لیکن رامپور کے نسخے میں یہ حصہ دوبارہ تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ھے، اور انتخاب بہت طویل ھے۔ چنانچہ محیط تخلص کے ماتحت لکھا ھے:

«محیط تخلص، موسوم بہ رامجس کھتری نژاد عرف مہرہ خلف لالہ گنگا بشن متخلص عاجز، متوطن لاهور، مولدش دهلی۔ پیشتر مغموم (یہاں حاشیے پر نسخے کا نون لکھ کر «یغم» تحریر کیا ھے) تخلص می کرد۔ الحال بہ تخلص محیط آشنا شده۔ از دل برشتگان سموم عشق

ومنسلکان سرکار ممتاز الدوله مسٹر جانسن بہادر بوده است. در سنۂ ۱۱۹۹ھ با راقم آثم در بنارس ملاقی شد. بعد ازان بسر رشته‌داریء پرمٹ ضلع بنارس مامور گشت. و اشعارش مدونست. و پنج مثنوی، که فی‌الحقیقت «پنج گنج» است، موسوم به «خمسۂ عشقیه» تصنیف کرده. مثنویء اول هیر و رانجها مسمی به «محیط‌عشق»، و مثنویء دوم سسی و پنو موسوم به «محیط‌درد»، وسیومی مثنوی مرزا صاحبان مسمی‌به «محیط‌غم»، و چهارم مثنوی «حسن بخشی»، و پنجم مثنوی مادهو نل و کام کندلن مسمی به «حسن و عشق» است. و پنج مثنویء دیگردر تصرف‌دارد. یکی از انجمله ترجمۂ بهگوت گیتا مسمی به «محیط‌الحقائق»، و دویم مثنوی ترجمۂ بهگت مالا موسوم به «محیط‌الاسرار»، و سیومی مثنوی ترجمۂ پوتهی پربوده چندراودی ناٹك مسمی به «گلشن معرفت»، و چهارم مثنوی ترجمۂ جوگ باششٹ مسمی به «محیط معرفت»، و پنجم مثنوی «محیط‌اعظم» ترجمۂ پوتهی جنم ساکهی مشعر بر احوال گرو نانك محل اول تا به گرو گوبندسنگه، محل دهم و برخی احوال ماهوداس مخاطب به بنده، مصنفات دارد. و نیز نسخۂ دیگر ترجمۂ انوار سهیلی عرف کلیله دمنه مسمی به «محیط دانش» تصنیف نموده، داد سخنوری داده. برخی از اشعار آبدارش درین تذکره اثبات می یابد»

اس کے بعد غزلیات و مثنویات کے منتخب اشعار ورق ۱۹۸ الف سے شروع ہو کر ۲۹٦ ب پر ختم ہوتے ہیں۔

صاحب گلزار کی تاریخ وفات، ڈاکٹر اشپرنگر (ص ۱۸۰) اور بلوم‌ہارٹ نے جرأت کے اس مصرع تاریخ کی بنا پر: «لو، آہ، مٹا مطلع دیوان عدالت» ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) بتائی ہے۔ مخدومی مولوی عبدالحق صاحب نے بھی، گلشن ہند کے مقدمے میں اسی سنہ کو دہرایا ہے۔(۱) اگر یہ سنۂ وفات صحیح ہے، تو نسخۂ رامپور کے اس اضافے کو کسی مابعد

(۱) کتابخانۂ رامپور کے ۲ نسخوں میں خلیل کا قطعۂ تاریخ وفات پایا جاتا ہے۔ مگر وہ ناقص‌الالفاظ اور غلط ہے۔ الفاظ دونوں نسخوں میں یہ ہیں «تو آہ مطلع دیوان عدالت.»

کے شخص کی طرف منسوب کرنا پڑیگا، کیونکہ اس میں محیط الاسرار، محیط معرفت، اور محیط اعظم کے اقتباسات پائے جاتے ہیں، جو علی الترتیب ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ع)، ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) اور ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ع) کی تصنیف ہیں۔

چونکہ بالعموم متن کے اندر مصنف کے ماسوا کوئی شخص اضافے کرنے کی جرات نہیں کرتا، یا کم از کم میرے علم میں اس کی کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ مابعد کے کسی عالم نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر ایسا کیا ہو، اس ایسے میں مصنف کے ۱۲۰۸ھ میں فوت ہو جانے کی طرف سے مشتبہہ ہو جاتا، اگر لطف نے گلشن ہند، مصنفۂ ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ع) میں علی ابراہیم خان کو مرحوم نہ لکھا ہوتا۔ چونکہ یہ تاریخ وفات یقینی معلوم ہوتی ہے، اس لیے مجھے اس اضافے کرنیوالے پر افسوس اور حیرت کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔

گلزار ابراہیم کو انجمن ترقیء اردو نے شائع کر دیا ہے۔ اس نسخے میں ۳۲۰ شعرا کا ذکر ہے، جن میں سے ۳ کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں مذکور نہیں، اور ۲ شاعر نسخۂ رامپور کے متن میں اور ۲ حاشیوں پر ایسے مذکور ہیں، جن کے حال سے مطبوعہ نسخہ خالی ہے۔ اس حساب سے ۳۱۹ شاعر ہمارے نسخے کے متن میں مذکور ہوے ہیں، اور کل شعرا کی تعداد ۳۲۱ ہوتی ہے۔

۱۶- گلشن ہند (لطف) مطبوعہ۔

یہ میرزا علی لطف، متوفی ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع)، کی تصنیف، اور گلزار ابراہیم کے ۶۸ شاعروں کے حالات کا ترجمہ مع اضافات ہے۔ اس کا اختتام، خود دیباچے کے مطابق ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ع) میں ہوا ہے۔ مگر مکرمی قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) کا خیال ہے کہ حصۂ نظم میں اس

سال کے بعد بھی اضافے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ تذکرہ اولاً ۱۹۰۶ع میں مولوی عبداللہ خان کے اہتمام سے جداگانہ اور بعد ازاں ۱۹۳۴ع (۱۳۵۲ھ) میں انجمن ترقیٔ اردو کی طرف سے گلزار ابراھیم کیساتھہ چھپ کر شائع ہوچکا ہے۔

۱۷۔ عقد ثریا (عقد) قلمی۔

یہ شیخ غلام ھمدانی مصحفی، متوفی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ع)، کا مرتب کیا ہوا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے دیباچے کے بیان کے مطابق مصنف نے ۱۱۹۹ھ (۸۵-۱۷۸۴ع) میں ختم کیا تھا لیکن خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ، کو لکھا ہے کہ ان کے انتقال کو چند سال ہوے۔ بیخبر بلگرامی کو لکھا ہے کہ ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ع) میں دھلی کے اندر فوت ہوے، اور فصیح کا حال ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ع) میں داخل تذکرہ کیا ہے۔

محمدعلی فروغ کو لکھا ہے کہ اس نے چند سال قبل بنارس میں وفات پائی۔ نشتر عشق اور روز روشن (ص ۵۲۱) میں اس کا سال ولادت ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ع) لکھا ہے، اور موخرالذکر میں ستر سال کی عمر میں وفات بتائی ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ فروغ نے ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) میں انتقال کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے، تو اس کا حال بھی ۱۲۱۲ھ یا اسکے بعد لکھا گیا ہوگا۔ کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں کرپا دیال مضطر کے حال میں ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) مذکور ہے۔ اس بنا پر قیاس کیا جاتا ہے کہ مصحفی نے بعد میں بھی اضافے کیے ہیں۔

مصنف نے اس کے آغاز کی طرف کوئی کھلا ہوا اشارہ نہیں کیا۔ مگر کتاب کے پراگندہ ٹکڑے جمع کرنے سے سال آغاز کا تخمینی

اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے دیباچے کے اس بیان پر غور کرنا چاہیے کہ:

«تا آنکه مرزا محمد حسن، قتیل تخلص، .. از ساحت اشکر نواب ذوالفقار الدوله بهادر به شاهجهان آباد گزر افگنده فسون تالیف تذکرۂ معاصرین بگوشم دمیده، اسامیٔ چند از انها بقلم تحریر من در آورده، مسودۂ احوال بعضی را بر بیاض مختصری بدست من نو یسانیده، یاد آوردن یاران و دوستان یادم داد ... در ایام دوریٔ آن آشنای صادق ... چون شمع می سوختم .. و مسودۂ سرگزشت هر یك را از مرده و زنده بر پارهٔ کاغذ می نگاشتم»۔ (ورق ۱ ب)

اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ مصحفی نے قتیل کے ورود دھلی کے زمانے میں نہ صرف خود اونھیں کی فرمائش سے اس کام کو شروع کیا، بلکہ دو چار شاعروں کے حالات اون کی زبانی نوٹ بھی کیے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ قتیل کس زمانے میں دھلی آئے۔ یہ تو خود مصحفی نے بتا دیا ہے کہ یہ نواب ذوالفقارالدولہ مرزا نجف خان بہادر کے لشکر سے آئے تھے، جسکا مصحفی کے دوسرے بیان کے مطابق شاھدرے کے قریب دھلی کے باھر پڑاؤ تھا (ص ۴۰۔ مطبوعہ)۔ مسٹر بیل نے، مفتاح التواریخ (ص ۳۰۹) میں لکھا ہے کہ نجف خان ۳ ھزار سوار اور پیادوں کی جمیعت کے ساتھ شاہ عالم کی ملازمت میں داخل ہوا، اور ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ع) میں بادشاہ کے ھمراہ دھلی آیا۔ اس عرصے میں بہت سے کارھای نمایاں انجام دینے کے صلے میں «ذوالفقارالدولہ نواب نجف خان بہادر غالب جنگ» خطاب اور اسکے بعد عہدۂ امیرالامرائی سے معزز و مفتخر ہوا، اور ۸ جمادی الآخر ۱۱۹۶ھ (اپریل ۱۷۸۲ع)

کو فوت ہو گیا۔

نشتر عشق (۸۴۵ب و بعد) میں لکھا ہے کہ قتیل ۱۱۷۲ھ (۵۸-۱۷۵۷ع) میں پیدا ہوئے، ۱۴ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، اور دو برس تک اسلام کو مخفی رکھہ کے، سترھویں سال کی عمر میں اس کا اظہار کردیا۔ اس کے بعد اعزا و اقربا سے کنارہ کش ہوکر «در اطراف شاھجہان آباد بلشکر ذوالفقارالدولہ نواب نجف خان مرحوم می گشت۔»

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انکے نواب نجف خان کے لشکر میں گشت لگانے کا آغاز ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) میں ہوا۔

آگے چل کر نشتر عشق میں لکھا ہے کہ «الحال از عرصۂ سی و شش سال بلکھنؤ تشریف می دارد»۔ یہ مدت مصنف نشتر عشق نے ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع) میں ان کا حال لکھتے ہوئے تحریر کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) یا ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں قتیل لکھنؤ آئے تھے، اور سابق ولاحق نتائج کو ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۱۸۹ اور ۱۱۹۷ھ کے مابین یہ ایک مشہور شاعر و فاضل کی حیثیت سے مذکورۂ بالا لشکر میں بود و باش رکھتے رہے تھے۔ چونکہ مصحفی نے ان کی فرمایش سے تذکرہ شروع کیا ہے، لہذا اس کا آغاز ان دونوں سنوں کے درمیان کے کسی سال میں ہونا چاہیے۔

نواب صمصام الملك میر عبدالحی خان صارم تخلص کے متعلق لکھا ہے کہ «حالا از سرکار نواب آصفجاہ ثانی بخطاب صمصام الملك و دیوانیء دکن بلندرتبگی دارد»۔ نتائج الافکار (ص ۲۶۶) میں ان کی رحلت بارھویں صدی کے آخر میں، اور محبوب الزمن (۶۰۶۰۲) میں ۱۵ جمادی الاولی ۱۱۹۶ھ تحریر ہے۔ مصحفی نے ان کا حال زندگی میں لکھا ہے، لہذا اس

ماہ و سال سے قبل کا مکتوبہ ہونا چاہیے۔

شیخ ظہور الدین حاتم کے بارے میں کہتا ہے:

«بقولش تاریخ تولدش صرف «ظہور» باشد۔ از خاك پاك شاہجہان آباد است۔ ہشتاد و سہ سال عمر دارد»۔

لفظ ظہور کے مطابق شاہ حاتم کا سال پیدایش ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ع) ھے، لہذا ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) میں ان کی عمر ۸۳ سال کی ہونا چاھیے۔ چونکہ مصحفی نے سال پیدایش جانتے ہوئے یہ عمر لکھی ھے، اس بنا پر ہم اسے محض اندازہ نہیں کہ سکیں گے، اور اس حالت میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے کہ ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۵ھ میں اوس نے حاتم کا حال لکھا ھے۔

تقریباً اسی سال لطف علی بیگ آذر کا حال بھی لکھا ھے۔ کیونکہ ایک تو اوس کے تذکرے «آتشکدہ» کا ذکر نہیں کیا ھے، جو برٹش میوزیم کے نسخے کے مطابق ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ع) کے قریب ختم ہوا ھے، اور دوسرے یہ کہ اس میں مصحفی نے اوس کی عمر ۶۰ برس کے قریب بتائی ھے، اور بقید حیات لکھا ھے۔ خان بہادر عبدالمقتدر نے آتشکدہ پر نوٹ لکھتے ہوئے تحریر کیا ھے کہ آذر ۱۱۳۴ھ (۲۲-۱۷۲۱ع) میں پیدا ہوا تھا۔ اس حساب سے ۱۱۹۴ھ میں اوس کی عمر ۶۰ برس کی ہونا چاھیے، اور یہی سال اوس کے داخل تذکرہ ہونے کا قرار دینا مناسب ہوگا۔

چونکہ مصحفی نے میرزا جانجاناں مظہر، متوفی محرم ۱۱۹۵ھ، کا حال اون کی وفات پر لکھا ھے، اس بنا پر گزشتہ دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ھے کہ ۱۱۹۵ھ اور

۱۱۹۹ھ کے درمیان کی یہ تالیف ہے، جس میں ۱۲۱۳ھ تک مصنف نے اضافے کیے ہیں۔

انجمن ترقیء اردو نے اسے شائع کر دیا ہے، مگر کوئی سطر غلطی سے پاک نہیں ہے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو ۱۲۵۵ھ (۱۸۴۲ع) میں سید سلامت علی بلگرامی اور سید اکبر علی خیرآبادی نے اوسط سائز کے ۱۰۴ ورقوں پر نقل کیا ہے۔ اس میں ہر شاعر کے کلام کا انتخاب بھی مندرج ہے، جو نسخۂ مطبوعہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۸- تذکرۂ ہندی گویان (تذکرہ) قلمی۔

یہ مصحفی کا پہلا اردوگو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مصنف نے «عقد ثریا» کے بعد فارسی زبان میں لکھا ہے۔ خاتمے میں تحریر کیا ہے کہ ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ع) میں اسکی ترتیب سے فراغت ہوئی۔ مگر یہ جملہ

«فرصت را غنیمت شمردہ، مسودۂ مغشوش این تذکرہ را، کہ از چند سال بطاق نسیان افتادہ بود، صاف نمودہ درست ساختہ »۔

خود اشارہ کرتا ہے کہ کتاب ۱۲۰۹ھ سے قبل تمام ہوچکی تھی، اس سنہ میں صرف مسودہ صاف کر کے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) کے قریب ہوا ہے؛ کیونکہ مصنف نے دیباچے میں صراحت کر دی ہے کہ فارسی تذکرے سے فارغ ہوکر یہ کام شروع کیا اور یہ تذکرہ ۱۱۹۹ھ میں ختم ہوا تھا، لہذا اسی سال یا آئندہ سال اردو تذکرے پر کام شروع کرنا چاہیے۔

شاہ حاتم، متوفی ۱۱۹۷ھ، کو لکھا ہے کہ «دو سہ سالست کہ در شاہجہان آباد ودیعت حیات سپردہ»۔ خواجہ میر درد، متوفی ۲۴ صفر

۱۱۹۹ھ (جنوری ۱۷۸۵ع) کے بارے میں کہتا ہے کہ «یك سالست که درد مہجوریش شفا یافته»۔ میر حسن، متوفی عشرۂ محرم ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، کو احقر اور خاکسار کے حال میں الفاظ «سلمه الله تعالی» سے یاد کیا ہے۔

ان اقتباسوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صفر ۱۲۰۰ھ (دسمبر ۱۷۸۵ع) میں یا اس کے لگ بھگ اس تذکرے کا کام شروع کیا جاچکا تھا۔

تذکرے کے دوسرے بعض ٹکڑوں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۰۹ھ کے بعد بھی اس میں اضافے کیے گئے ہیں۔ چنانچہ راجه جسونت سنگه پروانه تخلص کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کے فارسی اشعار مرزا قتیل کی معرفت دهلی میں میرے پاس پہنچے تھے، جنھیں میں نے تذکرۂ اول میں داخل کر لیا تھا۔ جب دهلی سے لکھنئو وارد ہوا، تو یہ بڑے تپاك سے ملے، اور اگرچہ میر حسن، میر تقی میر اور بقا کے معتقد تھے، مگر فقیر سے ملاقات کے بعد کلی طور پر ادھر رجوع ہو گئے، اور بڑے انہماك اور توجه سے اردوگوئی شروع کی۔ اب که دس باره سال کی مشق ہے، بہت پخته گو ہو گئے ہیں۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی نے لکھنئو آنے کے دس باره برس بعد یہ عبارت لکھی ہے۔ خود انھیں نے ریاض الفصحا میں محمد حیات بیتاب کے ذیل میں لکھا ہے:

> «در ایامی که فقیر همراه غلام علی خان ولد بهکاری خان، که مشارالیه از پیشگاه خلافت جهانبانی، خلعت نوازش شاهانه برای بندگان عالی وزیرالممالك نواب آصف الدوله بهادر و سر هشٹن گورنر بهادر آورده بود، در سنۂ یکهزار و یکصد و نود و هشت صعوبت سفر کشیده از شاهجهان آباد در لکهنئو رسیده.»

اب اگر ان کے سال آمد ۱۱۹۸ھ (۸۴-۱۷۸۳ع) پر ۱۲ برس بڑھائے جائیں، تو ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ع) حاصل جمع ھوگا۔ اسپر معترض کہ سکتا ھے کہ یہ تخمینہ ھے، بہت ممکن ھے کہ دس برس کے لحاظ سے ۱۲۰۸ھ میں یا اس کے ایك سال بعد ۱۲۰۹ھ میں یہ ٹکڑا لکھا ھو، اور اسے تخمیناً ۱۲۱۰ برس کہدیا ھو۔ مگر ھمیں قسمت کے ذکر میں میاں جعفر علی حسرت کے متعلق ایك ایسا جملہ ملتا ھے، جو ھمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی ھے۔ مصحفی کہتا ھے کہ قسمت:

«اصلاح شعر از میان جعفرعلی حسرت می گرفتند۔ و در حین حیات او با فقیر ھم از تہ دل اعتقادی و رجوعی داشتند۔ حالا کہ حسرت نماندہ، بالکل خیال مشورہ بفقیر دارند۔»

حسرت نے ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ع) میں رحلت کی ھے۔ لہذا اس حصے کو اسی سنہ یا اس کے کچھہ بعد کا ھونا لازم ھے۔

نواب الہی بخش خان معروف کے حال میں مصحفی نے صاف اعتراف کر لیا ھے کہ:

«در ایامی کہ فقیر تذکرہ باتمام رسانیدہ، از شاھجہان آباد بلکھنئو گزر افگندہ۔ بشاگردیء میان نصیر نازش دارد۔»

کتبخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا جو قلمی نسخہ ھے، وہ سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن، کا مکتوبہ ھے۔ کاتب مذکور خاتمے میں لکھتے ھیں:

«یہ تذکرہ جلد اول میاں مصحفی مرحوم کا، کہ مدت سے کاتب الحروف کو اسکی تلاش تھی، توجہ جناب فیض مآب، نواب عاشور علیخان صاحب بہادر، دام اقبالہ، سے نواب حسن علی خان بہادر کے کتب خانے سے، کہ مہر بھی نواب ممدوح کی اوس پر ھے، اور ایسا نسخہ کہ میانصاحب کے شاگرد منشی ظہور محمد ظہور کے ھاتھہ کا لکھا ھوا

تھا، دستیاب ہوا۔ کاتب الحروف سید محسن علی محسن، مولف تذکرہ سراپا سخن، نے نقل اس کی بے کم و کاست لکھی۔ بتاریخ سیوم شہر رجب سنہ ۱۲۷۱ھ کو فضل الہی سے تمام ہوا۔

مکرر۔ ایک روز حضور میں نواب صاحب کے یہ عاجز حاضر ہوا۔ فرمایا کہ یہ تذکرہ میاں مصحفی نے خود بھائی صاحب کو دیا تھا۔ فقط۔»

اس نسخے میں ۲۷ ورق اور ملحقہ فہرست کی رو سے ۱۹۲ (۱) شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتابت میں غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں، جو محسن جیسے پڑھے لکھے کاتب سے بعید معلوم ہوتی ہیں۔

انجمن ترقیء اردو نے جو نسخہ شائع کیا ہے، اوس میں ۱۹۳ شاعروں کا ذکر ہے۔

۱۹۔ ریاض الفصحا (ریاض) قلمی۔

یہ مصحفی کا دوسرا تذکرہ ہے، جس میں ۲۶۴ اردو گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں درج ہیں۔ حسب تصریح دیباچہ، لالہ چنی لال حریف کی فرمایش پر ۱۲۲۱ھ میں اس کا آغاز، اور بنابر خاتمہ، ۱۲۳۶ھ (۱۸۰۶ع) میں اتمام ہوا ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، اوس کے سر ورق پر تاریخ آغاز کتابت، غرۂ محرم سنہ ۱۲۷۰ھجری روز چہار شنبہ اور تاریخ اتمام کتابت، ۲۷ محرم ۱۲۷۰ھ (اکتوبر ۱۸۵۳ع) درج

---

(۱) ڈاکٹر اشپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے کہ مصحفی نے اس تذکرے میں ۳۵۰ ریختہ گویوں کے حالات لکھے ہیں۔ اشپرنگر کے نسخے کا سائز اوسط، صفحات کی تعداد تقریباً ۴۰۰ اور فی صفحہ ۱۴ سطرین تھیں۔ اس تعداد اوراق اور تعداد شعرا کے پیش نظر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اشپرنگر نے ریاض الفصحا کو تذکرۂ ہندی خیال کر لیا تھا، جس کے مطبوعہ نسخے میں ۳۲۱ شعرا کا ذکر ہے۔

ہے۔ خط کی روش نیز مندرجۂ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی محسن کے قلم کا نوشتہ ہے۔ مذکورہ تحریر ورق ۱۰ الف کے حاشیے پر پائی جاتی ہے، اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

«کاتب الحروف محسن علی نے اشعار فارسی کسی کے نہیں لکھیے، کہ غرض اشعار ہندی سے ہے۔ دو تین جا پر جو لکھہ دیے ہیں، فقط واسطے نشان اور پتے کے ہیں۔»

اس بیان میں کاتب نے صرف فارسی اشعار گرادینے کا اقرار کیا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں مطبوعہ کے مقابلے میں اردو اشعار بھی بہت سے ساقط ہیں۔

اس نسخے کا سائز اوسط، اور تعداد اوراق ۵۵ ہے۔ متعدد جگہ حاشیوں پر بھی شعرا کے حالات نقل کیے ہیں، جو سہو کتابت کی تلافی ہے۔

اس نسخے میں جابجا صفحات کے حصے سادہ چھوڑے گئے ہیں، جو یا تو منقول عنہ میں جان بوجھہ کر سادہ رکھے گئے ہونگے، اور یا اوسکے ناقص ہونے کے باعث سے کاتب نے آیندہ تکمیل کے خیال سے بیاضیں رکھی ہیں۔ بصورت اول بعید نہیں کہ وہ خود مصحفی کا مسودہ ہو۔ چونکہ اس عبارت کے اندر مطبوعہ کے مقابلے میں جگہ جگہ الفاظ، فقرے اور جملے بدلے ہوے ہیں، اس بنا پر یہ امکان حد یقین تک جا پہنچتا ہے۔

انجمن ترقیءاردو نے ۱۹۳۴ع میں اسے شائع کیا ہے۔ اس میں ۳۲۱ شاعروں کا ذکر ہے، اور یہ اوس نسخے کی نقل ہے، جسے رمضان بیگ طپاں نے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) میں لکھا تھا۔ چونکہ اس نسخے کے بہت سے شاعر، رامپوری نسخے میں مذکور نہیں ہیں، اور نسخۂ

رامپور کے اندر مذکورہ بعض شعرا کے ذکر سے یہ مطبوعہ نسخہ خالی ہے، اسلیئے میری دانست میں نسخۂ رامپور مسودۂ اول کی نقل ہے، جس کے متعدد شعرا کو مصحفی نے نظر ثانی کے وقت خارج کر دینا ہوگا۔

۲۰- مجموعۂ نغز (نغز) مطبوعہ

یہ حکیم قدرت اللہ قاسم، متوفی ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ع) (۱)، کا تذکرہ ہے، جسے خاتمۂ کتاب کی تصریح کے مطابق مصنف نے فارسی زبان میں ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ع) میں لکھا ہے۔ مطبوعہ نسخے کی رو سے اس میں ۶۹۳ اردوگو شاعروں کے حالات مذکور ہیں۔

کتاب میں بعض قرینے ایسے ہیں، جن کی مدد سے اسکے آغاز کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بقا کے ذکر میں حالیہ صیغے استعمال کیے ہیں، جسکا مطلب یہ ہے کہ بقا کی زندگی میں اوس کا حال لکھا ہے۔ بقا کا سال وفات ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ع) ہے، لہذا اس سنہ سے پہلے آغاز تالیف ہونا چاہیے۔ میر حسن، متوفی ۱۲۰۱ھ، کو ہر جگہ مرحوم لکھا ہے، لہذا اس سنہ کے بعد کام شروع ہونا چاہیے۔ گویا ۱۲۰۱ھ اور ۱۲۰۶ھ کے درمیان مصنف نے کام شروع کیا ہے۔

مولانا محمود خانصاحب شیرانی نے اس تذکرے کو مرتب کر کے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۳۳ع میں شائع کیا ہے۔

۲۱- مخزن الغرائب، قلمی۔

یہ ۳۱۴۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے فارسی زبان میں

(۱) سخن شعرا (ص ۳۶۹) اور شمیم سخن (ص ۱۸۵) میں یہی سال تحریر ہے۔ گلدستۂ نازنینان (ص ۲۷۲) میں، جو ۱۲۶۰ اور ۱۲۶۱ھ کے درمیان لکھی گئی ہے، تحریر ہے کہ ان کی وفات کو یہ پندرھواں سال ہے۔ اس سے بھی مذکورۂ بالا سال ہی کی تائید ہوتی ہے۔

شیخ احمد علی خادم سندیلوی نے مرتب کیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں مصنف کو اس کی ترتیب و تالیف سے فراغت ہوئی ہے۔ اشپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۴۶) میں لکھا ہے کہ یہ تذکرہ نواب صفدر جنگ (متوفی ۱۱۶۷ھ) کے نام معنون ہے، اس لیے اس کا اختتام اس سنہ سے قبل عمل میں آیا ہوگا۔ مگر ڈاکٹر ایتھے نے، فہرست کتابخانۂ باڈلین (نمبر ۳۹۵ کالم ۳۱۶) میں اس کو غلط فہمی پر محمول کیا ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کی جلد اول کے دو نسخے ہیں، مگر دونوں ناتمام ہیں، اس بنا پر اس کے آغاز و انجام وغیرہ کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے۔ البتہ حرمان کے حال میں (۱۳۸ ب) نیز غلام فخرالدین خان حیرت کے ذکر میں (۱۳۹ الف) ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ع) کو سال رواں بتایا ہے۔ ایتھے نے ایک دو اور مقامات پر بھی اسی سال کا حوالہ دیکھا ہے۔

اشپرنگر نے اپنے نسخے کے شعرا کی تعداد تخمیناً لکھی ہے، جو خود اوس کے الفاظ میں ۳۰۶۱ سے کم نہیں۔ اس سے بھی مذکورۂ بالا تعداد کی، جو عبدالمقتدر مرحوم اور ایتھے نے بیان کی ہے، ایک حد تک تائید ہوتی ہے۔

مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتاب خانے میں اسکا مکمل نسخہ موجود ہے۔ (۱)

۲۲۔ نشتر عشق، قلمی۔

یہ ۱۴۷۰ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے حسین قلی

(۱) مصنف کے حال اور کتاب کے دوسرے نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو فہرست کتابخانۂ بانکی پور، جلد ۸، صفحہ ۱۵۳۔

خان عاشقی عظیم آبادی نے فارسی زبان میں مرتب کیا ھے۔ دیباچے سے معلوم ھوتا ھے کہ مصنف کو آغاز شباب سے چیدہ اشعار جمع کرنے کا شوق تھا۔ رفتہ رفتہ ۲ ھزار اشعار کی ایك بیاض اوس نے مرتب کر لی۔ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) میں کول (علی گڑھ) کی چھاونی میں مصنف کا ورود ھوا، اور میر محمد جعفر بریلوی، مسیح تخلص، سے ملاقات ھوئی۔ ایك دن اونھوں نے والہ داغستانی کے تذکرۂ «ریاض الشعرا» کا ذکر کیا۔ مصنف نے اون سے مستعار لیکر اس تذکرے کا مطالعہ کیا، تو اندازہ ھوا کہ اس میں رطب و یابس بہت ھے، نیز عاشقانہ کلام کا انتخاب بھی اچھا نہیں۔ یہاں سے خود اوسے تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ھوا، اور اس مقصد کے حصول کی خاطر تاریخ و تذکرے کی کتابیں اور دواوین شعرا جمع کرنا شروع کر دیے:

«القصہ در سنۂ یکہزار و دو صد و بست و چہار ھجری بہ تسوید این روضۂ دلکشا مصروف گردیدہ، تا نشترالعین المعجہ بقید تحریر در آوردہ بود کہ تقرر علاقۂ روزگار و کثرت کار مرجوعہ، کہ مفصل بیان آن خارج از حمل سیاقست، تا ھشت سال ازین خیال باز داشت، و این ارادہ در توقف و التوا افتاد۔ بعد انقضای مدت مذکور، در سنۂ یك ھزار و دو صد و سی و سہ ھجری باوجود موانع و کم فرصتی باز متوجہ و مصروف نگارش گردیدہ باختتام رسانید ...

ھنگام تحریر سابق در سنۂ صدر « نشتر رگ جان » مادۂ تاریخ یافتہ بود۔ و الحال این تاریخہای نظم و نثر صوری و معنوی بہم رسانیدہ۔ تاریخ۔

«بجملہ یکہزار و چار صد و ھفتاد اسامی » (ایضاً) « در سال یکہزار و دو صد و سی و سہ حوالۂ قلم کرد۔» قطعہ:

در سیزدہ ماہ رجب، روز سہ شنبہ، وقت شب : چون گشت ختم این نسخۂ جامع کمال عاشقی
گفتا زبانم شکر حق، بالید تن، جان تازہ شد : دل گفت سال ختم او «عالی خیال عاشقی»

اس کے بعد خاتمۂ کتاب میں لکھتا ہے:

»در سنۂ یکہزار و دو صد و سی و سہ ہنگام تحصیلداری چکلہ سکندرآباد متعلقۂ ضلع علی گڑھ صورت اتمام پزیرفت۔«

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ کتاب ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷-۱۸ع) کے درمیان لکھی گئی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، وہ اوسط سائز کے ۱۵ سطری مسطر کے ۷۸۹ ورقوں پر بخط نستعلیق لکھا گیا ہے۔ خاتمے میں کاتب لکھتا ہے:

»تمام شد تذکرۂ نشتر العشق، من تالیف جناب فیض مآب، حسین قلی خان صاحب، دام اقبالہ، متخلص بعاشقی، بتاریخ ہفتم شہر ربیع الثانی سنۂ ۱۲۳۶ ہجری، روز جمعہ، از قلم شکستہ رقم عاصی پر معاصی، خوشہ چین خرمن جود و نوال و سخنوری و نکتہ دانی جناب ممدوح، مخدوم بخش متخلص بہ مروت، ساکن قصبۂ برن عرف بلند شہر، عفی اللہ عنہ، بمقام خورجہ متعلقہ ضلع علی گڑھ۔«

گویا یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں، تصنیف سے ۲ برس ۸ مہینے ۲۴ دن بعد خورجہ میں مصنف کے شاگرد نے لکھا ہے۔

جیسا کہ کاتب نے خود بھی لکھا ہے، وہ شاعر ہے، اور مروت تخلص کرتا ہے اس کے لکھے ہوئے فارسی قطعات تاریخ اس کتاب کے اوراق ۱۷ الف، ۷۸ الف، ۱۲۲ ب، ۱۶۰ الف، ۱۹۰ الف، ۳۶۳ ب، ۴۴۵ ب، ۴۸۵ ب، ۴۹۴ ب، ۵۴۷ الف، ۵۶۵ ب، ۵۷۴ ب، ۵۸۴ ب، ۵۹۶ الف، ۶۰۰ ب، ۶۰۱، ۶۰۳ ب، ۶۰۵ ب، ۶۱۴ الف، ۶۳۹ الف، ۶۵۱ الف، ۶۸۶ الف، ۶۹۲ الف، ۷۰۹ ب، ۷۲۰ الف، ۷۲۱ الف، ۷۲۲ ب، ۷۴۲ الف اور ۷۸۶ ب پر پائے جاتے ہیں

ان میں سے اول الذکر قطعے کے ساتھ کاتب نے »مخدوم بخش مروت

محرر تذکرۂ ھذا» لکھ بھی دیا تھا، مگر تصحیح کے وقت یہ فقرہ قلمزد کر دیا گیا ھے۔ بہر حال یہ امر حد یقین کو پہنچ جاتا ھے کہ اس نسخے کا کاتب وھی مروت ھے، جس کے قطعات تاریخیہ خود کتاب میں جابجا ملتے ھیں۔

نسخے کے متن میں نیز حاشیوں پر دوسرے پختہ خط کی تصحیحات ھیں، جو غالباً خود مصنف کے قلم کی ھیں۔

مصنف نے اپنے حالات «عاشقی» تخلص کے ماتحت (۴۰۰ الف) لکھے ھیں۔ بعض واقعات زندگی اندرمن (۹۶ ب)، تمنا (۱۳۴ ب و ۱۳۵ الف)، حیران (۱۸۵ الف)، خوشدل (۲۴۵ ب)، رضا (۲۶۴ ب)، شوق (۳۰۷ الف)، اور عشقی (۴۶۵ ب)۔ کے حالات کے ذیل میں بھی پائے جاتے ھیں۔

۲۳- روزنامچہ، قلمی۔

یہ مولوی عبدالقادرخان غمگین رامپوری، متوفی رجب سنہ ۱۲۶۵ھ (۱) (مئی سنہ ۱۸۴۹ع) کی خود نوشتہ سوانحعمری ھے، جسے موصوف نے فارسی زبان میں مرتب کیا ھے۔ چونکہ اس کی ترتیب واقعات تاریخوار ھے، اس لیے اسے روزنامچہ کہا گیا ھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک جدیدالخط غلط لکھا ھوا نسخہ ھے، جو مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتابخانے کے نسخے سے محمد فاروق صاحب نے ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (دسمبر ۱۹۱۶ع) میں فلس کیپ سائز کے ۱۸۱ ورقوں پر نقل کیا ھے۔ اصل نسخہ اول و آخر سے ناقص ھے، اس بنا پر اس کا واقعی سال تالیف بتانا ممکن

---

(۱) انتخاب یادگار، ۲۷۱۔

نہیں۔ البتہ آخر میں مصنف نے ایک دو جگہہ ۱۸۳۱ع (۱۲۴۷ھ) کو لفظ «اکنوں» سے تعبیر کیا ہے۔

یہ روزنامچہ بہت دلچسپ، کارآمد اور شروع ۱۹ ویں صدی عیسوی کے متعدد اہم واقعات تاریخی کے چشمدید حالات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات کے علما و ادبا کے حالات اور متعدد علمی ولسانی مباحث بھی اس میں جستہ جستہ مذکور ہیں، جس کے سبب سے اس کی افادی حیثیت دوبالا ہو گئی ہے، اور یہ اس قابل ہے کہ تصحیح کے ساتھہ شائع کیا جائے۔

۲۴- گلشن بیخار (شیفتہ) قلمی۔

یہ تذکرہ نواب مصطفی خان شیفتہ، متوفی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) نے آغاز ۱۲۴۸ھ (جون ۱۸۳۲ع) میں شروع کیا، اور آخر ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ع) میں دو سال کی کوشش کے بعد ختم کیا ہے۔ چونکہ مصنف کا مقصود عمدہ اشعار جمع کرنا تھا، اس بنا پر اس میں گنے چنے شعرا بار پا سکے ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۶۰۰ ہے (۱)۔

یہ تذکرہ پہلی بار مطبع لیتھو گریفک دھلی اخبار آفس میں مولوی محمد باقر (والد شمس العلما محمد حسین آزاد دھلوی) کے اہتمام سے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں چھپ کر شائع ہوا۔ دوبارہ دلی کے اردو اخبار پریس میں ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ع) میں طبع ہوا۔ اول الذکر ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اور دوسرے ایڈیشن کا رضا اکاڈمی رامپور کے کتابخانے میں محفوظ ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں ایک قلمی نسخہ بھی ہے، مگر یہ مطبوعہ نسخے کی نقل ہے، جسے حافظ قمرالدین خلف حافظ محمد

---

(۱) فہرست کتابخانۂ بانکی پور: ۸، ۱۵۹۔

اشرف صاحب کی فرمایش پر کسی کاتب نے ۵ رجب ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں لکھا ہے۔

۲۵- نتائج الافکار (نتائج)، مطبوعہ۔

یہ ۵۲۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے محمد قدرت اللہ خان قدرت گوپاموی نے، حسب صراحت دیباچہ، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں شروع کیا۔ خاتمۂ کتاب سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ع) کے آخر میں مسودہ مکمل کر کے، ۲۱ شعبان ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ع) کو مصنف نے صاف کیا تھا۔ آخر میں جو قطعات تاریخ مندرج ہیں، اون میں سے دو سے ۱۲۵۷ھ اور چھہ سے ۱۲۵۸ھ ظاہر ہوتے ہیں۔

کتاب کے اندر ۱۲۵۷ھ کو سال اتمام قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے کہ محمد حسن علی کے ذکر میں قدرت نے لکھا ہے: «بعد اتمام این کتاب، در سنہ ۱۲۵۸ھ مرحلہ پیمای سفر آخرت گشتہ» (ص ۱۳۸)۔

خاتمۃ الطبع کے رو سے کتاب، مدراس کے مطبع کشن راج میں ۲۹ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۵۹ھ (۲۸ جولائی سنہ ۱۸۴۳ع) کو چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ یہی سنہ ایک قطعۂ تاریخ طباعت میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۶- مدائح الشعرا، قلمی۔

یہ تذکرہ اقبال الدولہ، نواب عنایت حسین خان بہادر، مہجور، بنارسی ولد نواب نصیرالدولہ، نصیرالدین علی خان بہادر، صمصام جنگ، ابن نواب امین الدولہ، علی ابراهیم خان بہادر نصیرجنگ خلیل تخلص، مصنف گلزار ابراهیم، کی تصنیف ہے، جس میں ۶۷ اردوگو شاعروں کے مختصر حالات درج ہیں۔ نمونۂ کلام کو مصنف تذکرہ نے خود مخمس، مسدس،

مربع یا مثلث کر کے پیش کیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کی ترتیب سے پہلے، مصنف پانچ دیوان، دو خیالی افسانے، ایک مجموعۂ مثنویات، اور ایک مجموعۂ ادعیہ و نقوش و نسخہ جات مرتب کر چکا تھا۔

دیباچے میں زمانۂ تالیف سے متعلق حسب ذیل جملے ملتے ہیں:

«للہ الحمد کہ در زمان سعادت توامان بادشاہت... محمد اکبر بادشاہ غازی، ولیعہد اعلی حضرت، جنت آرامگاہ، شاہ عالم بادشاہ غازی، خلد اللہ ملکہ، کہ ہنگام ارقام این اوراق بر تخت جہانبانی جلوہ افروز مکارم سلطانی بودند، در سنۂ یکہزار و دو صد و شصت (۱) ہجری نبوی بریاض روضۂ رضوان انتقال فرمود؛ و حضرت ظل اللہ، جہان پناہ، میرزا محمد سلیم بہادر بر تخت جہان افروزی متمکن گشتند۔

و باوان... وزارت... وزیر الممالک، نواب نصیر الدین حیدرخان بہادر، کہ این عالی جناب نیز بعد مرور سنین چند از تحریر این تذکرۂ دلپسند بعالم بقا شتافت، و بعدہ عمو یش و بعد عمو یش فرزند ش، ثریا جاہ بہادر، بر مسند وزارت لکھنؤ رونق [افروز] گشت...

و در زمان حکومت... کوین وکٹوریہ بتسویدِ این مجموعہ... اتفاق افتاد۔» (۴ الف و ب)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کی ترتیب کے وقت دھلی میں اکبر شاہ ثانی، لکھنؤ میں نصیر الدین حیدر، اور انگلستان میں ملکہ وکٹوریہ حکمرانی کر رہے تھے۔ اکبر شاہ ثانی نے جمادی الثانیہ ۱۲۵۳ھ (ستمبر ۱۸۳۷ع) میں اور نصیر الدین حیدر نے ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ (جولائی ۱۸۳۷ع) میں چند ماہ کے فرق سے انتقال کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ ۲ جون سنہ ۱۸۳۷ع (۱۲۵۳ھ) کو تخت نشین ہوئی تھیں۔ اس

(۱) اکبر شاہ ثانی کا سال وفات ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) ہے۔ کتاب میں ۱۲۶۰ھ مصنف یا کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

نیسے یقین ہے کہ اس سنہ سے چند سال قبل کار ترتیب انجام کو پہنچا، اور اس کے چند سال بعد، جب کہ دھلی میں میرزا محمدسلیم بہادر، بہادرشاہ ثانی کے لقب سے اور لکھنؤ میں ثریاجاہ، امجد علی شاہ کے لقب سے برسرحکومت تھے، یہ دیباچہ لکھا گیا۔ ثریاجاہ ۶ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ (۱۷ مئی ۱۸۴۲ع) کو تخت نشین ہوئے تھے۔ بنابریں یہ دیباچہ بھی اس سال کے بعد لکھا گیا ہوگا۔

شیخ امام بخش ناسخ، متوفی سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع) کو مظلوم اور وصل کے ذکر میں (ورق ۷۴ الف) مغفور لکھا ہے اور شاہ اجمل کے متعلق لکھا ہے کہ

«افسوس آنکہ در سنہ ۱۲۶۰ھ بعارضۂ دق ازین سرائے فانی براحت آباد اقلیم جاودانی انتقال نمود» (۷۱ الف)۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) کے بعد تک مصنف نے کتاب میں اضافے کیئے ہیں۔ لہذا دیباچے کو بھی اس سنہ کے بعد لکھا جانا چاھیے۔

کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا ہے:

«تذکرۂ ھذا تالیف نواب عنایت‌حسین‌خان صاحب مہجور، باشندۂ بنارس، عنایت فرمودۂ جناب مخدومی مولوی محمد حسین صاحب، سلمہ اللہ تعالی، از بلدۂ بنارس بر ڈاک انگریزی»۔

اس تحریر کا انداز سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن کے خط سے ملتا ہوا ہے۔ بعید نہیں ہے کہ اونھیں نے مذکورہ تذکرہ مرتب کرتے وقت اس نقل کو حاصل کیا ہو۔

کتاب کا خط نستعلیق بدنما، غلطیوں سے پر، اور کاغذ چند ابتدائی اوراق تک انگریزی اور بقیہ دیسی ساخت کا ہے۔

۲۷- گلدستۂ نازنیناں (گلدستہ) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی کریم الدین ابن سراج الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جس میں ۳۸ ریختہ گو شاعروں کے مختصر حالات اور طویل انتخابات درج ہیں۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ذی الحجہ ۱۲۶۰ھ (دسمبر ۱۸۴۴ع) میں یہ کتاب ختم ہوئی اور صفر ۱۲۶۱ھ (فروری ۱۸۴۵ع) میں چھاپا شروع ہوا۔ خاتمے میں ۲۳ رجب ۱۲۶۱ھ (۲۹ جولائی ۱۸۴۵ع) کو چھاپے کا اختتام لکھا ہے۔ چونکہ کتاب کے اندر دو ایک جگہ ۱۲۶۱ھ کو «فی زماننا» کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھپتے وقت بھی کتاب میں اضافے کیے ہیں۔

مصنف نے آغاز تالیف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ مگر ناسخ، متوفی ۱۲۵۴ھ، کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ

«دو تین برس ہوے کہ اس جہان فانی سے طرف عالم جاودانی کے رحلت کی»

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ۱۲۵۶ھ یا ۱۲۵۷ھ میں کتاب زیر تالیف تھی۔ لیکن یہاں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ مصنف کو ناسخ کے سال وفات کی صحیح اطلاع نہ ملی ہو، اور اوس نے «دو تین برس» صرف تخمینے سے لکھہ دیے ہوں۔

کتاب کے شروع میں شاہ ظفر، اونکے ولیعہد، اور رمز کے کلام کا انتخاب مندرج ہے، جو ۲۰ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد ایک صفحے پر فہرست مضامین ہے۔ بعد از ان کتاب کا سر ورق ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع رفاہ عام میں اس کی طباعت

ہوئی ہے۔ اسی صفحے سے نئے ہندسے ڈالے گئے ہیں، جن کی کل تعداد ۳۳۰ ہے۔ آخر میں ۵ صفحوں کا غلط نامہ ہے۔

یہ کتاب اب عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔

۲۸۔ طبقات شعرای ہند (طبقات) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ بھی مولوی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جو تذکرۂ حکیم قدرت اللہ خان، گلشن بیخار اور دتاسی کی تاریخ ادب اردو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب کے سر ورق پر لکھا ہے:

> «تاریخ شعرای اردو کا، مسٹر ایف فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسندٹسی کی تاریخ سے سنہ ۱۸۴۸ عیسوی میں، ترجمہ کیا اور نو سو چونسٹھہ شاعروں اردو گو کے اشعار اور حال بھی دواوین مختلفہ میں سے منتخب کر کے اوس میں مندرج کیا گیا»۔

اسی صفحے پر انگریزی میں بھی کتاب اور مصنف کا نام لکھا ہے، اور اس انگریزی عبارت میں بھی تصریح کی ہے کہ کتاب خاص طور پر دتاسی کی تاریخ سے ترجمہ کی گئی ہے۔

دیباچے اور خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ع (۱۲۶۳ھ) میں مصنف نے اس کام سے فراغت حاصل کی تھی۔ کتاب کے اندر بھی جگہ جگہ انہیں ہجری اور عیسوی سنوں کو «سال رواں» بتایا ہے۔ مگر سرورق پر سنہ ۱۸۴۸ع میں ترجمے کا ختم ہونا ظاہر کیا ہے۔ غالباً کتاب ۱۸۴۷ع کے آخر میں اختتام پذیر ہوئی ہوگی، اور ۱۸۴۸ع میں چھاپا شروع کیا گیا ہوگا۔ اسلیے آخری سنہ کو طباعت کا سال قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

کتاب خود مصنف نے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں سید اشرف علی کے اہتمام سے طبع کرائی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ پبلک

لائبریری، رامپور، میں اور اوس کی نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ شروع میں شعرا کی فہرست ۲۶ صفحوں پر دی ہے۔ اس فہرست کے بعد نئے نمبر شمار ڈال کر تذکرے کا آغاز کیا ہے، جو ۴۰۵ صفحوں پر ختم ہوتا ہے۔

۲۹۔ تاریخ فرخ‌آباد، قلمی۔

یہ سید ولی‌اللہ فرخ‌آبادی کی تصنیف ہے، جس میں والیان فرخ‌آباد، رؤسا، علما، شعرا اور فقرا کے حالات لکھے گئے ہیں۔

کتاب کے اندر تاریخ تصنیف کا ذکر نہیں آیا ہے۔ البتہ سید شاہ محمد زاہد دہلوی کے فرزند، چھوٹے صاحب، کے متعلق لکھا ہے کہ اونھوں نے ۲۸ صفر ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) کو وفات پائی۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس سال کے بعد کتاب ختم ہوئی ہوگی۔

اس تاریخ کا ایك عمدہ قلمی نسخہ حافظ احمد علی خان صاحب مرحوم کے کتابخانے میں، اور اوس کی پراغلاط نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ میں نے جو اقتباسات حاشیوں میں لکھے ہیں، وہ حافظ صاحب مرحوم کے نسخے پر مبنی ہیں۔

۳۰۔ سراپا سخن (سراپا) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ سید محسن علی محسن، (۱) ولد سید شاہ حسین حقیقت لکھنوی (۲) کا مرتبہ ہے، جس میں انسانی اعضا کے عنوانوں کے ماتحت

---

(۱) تذکرۂ شمیم‌سخن (ص ۲۰۴) میں محسن کا ذکر اون شاعروں کے ذیل میں کیا ہے، جو ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

(۲) یہ وہی حقیقت ہیں جن کے متعلق مصحفی نے اپنے تذکرۂ ہندی گویان (ص ۸۶) میں لکھا ہے کہ

جانتے ہیں سب کہ اك مدت سے یاں مصحفی کے تذکرے کا شور ہے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

مختلف شاعروں کے اشعار جمع کر کے، خود ہر شاعر کے بارے میں ایک یا دو تعارفی سطریں بھی لکھہ دی ہیں۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دس سال کی محنت کے بعد ۱۲۶۹ھ کے آغاز (۱۸۵۲ کے اختتام) میں اس کو ختم کیا تھا۔ مگر اسی دیباچے میں ذکر کی ہوئی ایک منظوم تاریخ سے ۱۲۶۷ھ (۵۱—۱۸۵۰ع) برآمد ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ کتاب کا اختتام ۱۲۶۷ھ میں ہو چکا تھا، اور آیندہ دو سال حك و اضافے میں گزرے، یا یہ کہ ۱۲۶۷ھ میں کام کے ختم ہو جانے کے گمان پر تاریخ پہلے سے کہلی گئی تھی۔

یہ کتاب ۱۲۷۰ھ (۱۲۶۱ع) میں منشی نولکشور نے اپنے لکھنئو کے مطبع میں، جو رکاب گنج میں راجہ بختاور سنگھہ کے مکان کے اندر واقع تھا، ۴۰۲ صفحوں پر چھاپ کر شائع کی تھی۔ اس چھاپے کا ایک نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے۔ اس کی ایک قلمی نقل بھی کچھہ عرصہ ہوا خریدی گئی ہے، جو ۷ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ (۲۰ستمبر ۱۸۶۳ع) کو اتوار کے دن ہوشنگ آباد میں تیار کی گئی تھی اس نسخے کے کاتب نے شاعروں کے حالات ترك کر دیے ہیں، جس کے سبب سے اس کا فائدہ محدود ہو گیا ہے۔

مختصر سیر هندوستان، مطبوعہ۔

حکیم وحیداللہ بن سعیداللہ بدایونی کی تالیف ہے، جس میں بادشاہوں، وزیروں، عالموں، صوفیوں، طبیبوں اور شاعروں کے حالات فارسی زبان میں مندرج ہیں۔

دیباچۂ کتاب کے مطابق «تاریخ نو» سے اسکا سال تالیف ظاہر

ہوتا ہے، جو ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ع) ہے۔ لیکن کتاب کے آخر میں اصل کتاب کے اختتام کے بعد چند منظوم تاریخیں چھاپی گئی ہیں، جن میں سے ایک راجہ بھرتپور کے سال انتقال ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) کو ظاہر کرتی ہے۔ نیز سید حسین عرف میرن صاحب ابن مولانا سید دلدارعلی صاحب مجتہد کو لکھا ہے کہ «در قرب تالیف این اوراق ازین جہان فانی بعالم جاودانی انتقال فرمودند۔»

میرن صاحب نے ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) میں وفات پائی ہے۔ اس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کے اندر بعد میں بھی اضافے کیے ہیں۔

طباعت کتاب، مطبع دبدبۂ حیدری، آگرہ، میں عمل میں آئی ہے۔ اور «تمت بالخیر» کے بعد مالک مطبع کے والد، مرزا محمد کریم بن حاجی محمد مہدی ملتانی صدیقی، کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) درج ہے۔

۳۲۔ تاریخ جدولیہ (جدولیہ)، مطبوعہ۔

یہ کتاب منشی خادم علی بن مولوی شیخ کرم علی فاروقی سندیلوی کی تصنیف ہے، جس میں بالفاظ مولف:

> «ابتدای آفرینش سے تھوڑا تھوڑا حال عالم کا بطور نقشہ و جدول کے، جس میں ہر شخص اور اوس کے باپ کا نام اور تاریخ وفات اور جو وقائع اہم و عجیبہ وغیرہ روی زمین پر واقع ہوے، مفہوم ہووین، بترتیب سنوات جداگانہ نقشہ میں . . سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ع مدون کر کے نام تاریخی اس کا تاریخ جدولیہ رکھا۔»

ان نقشوں میں سے اٹھارویں کے اندر شعرای اردو کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ کتاب کی طباعت مطبع مدرسۂ آگرہ میں ۱۲۷۰ھ میں شروع ہوکر ۱۲۷۲ھ میں تمام ہوئی تھی۔ سائز کتابی اور صفحات ۵۹۱ ہیں۔

۳۳- گلستان سخن (گلستان)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، صاحب عالم میرزا قادر بخش صبا دھلوی کی تالیف ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ یکم شعبان ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ع) کو اس کا آغاز ہوا، اور چونکہ اس کا اختتام برس دن سے پہلے کسی طرح یقینی نہیں تھا، اس لیے نظام الدین جوش کا مجوزہ تاریخی نام «گلستان سخن» رکھہ لیا، جس سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) برآمد ہوتے ہیں۔ خاتمے میں فرماتے ہیں کہ آخر ماہ شوال ۱۲۷۱ھ میں اتمام پایا۔ اس حساب سے تالیف میں ایك برس دو مہینے صرف ہوے۔

کچھہ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دراصل اس تذکرے کے مصنف امام بخش صہبائی ہیں۔ اس قسم کی رائیں حسن ظن اور صاف دلی سے بعید اور پچھلے بزرگوں پر بغیر کسی دستاویزی شہادت کے سخت نکتہ چینی کا موجب ہیں، اس لیے میں اس کے ماننے پر آمادہ نہیں ہوں۔

سر ورق کے مطابق اس کی طباعت ۱۲۷۱ھ ہی میں دھلی کے مطبع مرتضوی میں حافظ محمد غیاث الدین کے اہتمام سے ہوئی تھی۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے کے شروع میں، مولوی مہدی علی خان مرحوم، تحویلدار کتابخانہ، نے شعرا کی فہرست اپنے قلم سے لکھہ کر شامل کر دی ہے۔ اس میں متعدد جگہ امیر مینائی مرحوم کے قلم سے اضافے بھی ہیں، اور فہرست کے سر ورق کے بالائی گوشے میں بخط امیر مینائی مرحوم یہ بھی لکھا ہے کہ «اسمای متحد میان این تذکرہ و تذکرۂ گلشن بیخار ۶۶-»

۳۴- سخن شعرا (سخن)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، مولوی عبدالغفور خان بہادر نساخ، متوفی

سنہ ۱۳۰۶ھ، کا مرتب کردہ ھے، جسے موصوف نے بارہ برس کی مسلسل کوشش کے بعد ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ع) میں انجام کو پہنچا کر، «سخن شعرا» تاریخی نام رکھا ھے۔

لیکن کتاب کے بغور مطالعے سے پتا چلتا ھے کہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) تك مصنف نے جابجا نئے معلومات کا اضافہ کیا ھے۔ چنانچہ نسیم کا سال وفات ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) آزردہ و غالب کا سنۂ وفات ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ع) اور شیفتہ و ضیغم کا سال وفات ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) خود مصنف نے کتاب کے اندر لکھا ھے۔ تمکین کے متعلق حاشیے پر لکھ دیا ھے کہ اسنے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا ھے۔ داغ کا تذکرہ حالیہ صیغوں میں کر کے تحریر کرتے ھیں کہ ۱۲۸۸ھ میں انکا انتقال ھو گیا۔

خاتمۃ الطبع میں مندرج ھے کہ نولکشور کے لکھنوی پریس میں رمضان ۱۲۹۱ھ (اکتوبر ۱۸۷۴ع) میں اس کا چھاپا تمام ھوا ھے۔ کتاب کا ناپ معمولی کتابی اور صفحات کی تعداد ۵۸۲ ھے۔

۳۵۔ شمیم سخن (شمیم)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی صفا بدایونی نے اردو زبان میں اون ریختہ گو شاعروں کے متعلق لکھا ھے، «جو سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) یا اوس کے بعد رونق افزای عالم ھستی تھے۔ اور جن حضرات نے کہ سنہ ۱۲۸۸ھ سے پہلے اس دار فانی کو خیرباد کہا، اون کا کلام وحال درج تذکرہ نہوا۔ البتہ دیباچے کو شعرای ماسبق کے کلام سے زینت دی گئی ھے (ص ۱۰)۔»

دیباچے کی تصریح کے مطابق، ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) میں یہ کتاب تمام ھوئی، اور دلاور علی کے اهتمام سے مرادآباد کے مطبع امدادالہند

و عین الاخبار میں چھپی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایك نسخه کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور میں موجود هے۔

۳۶۔ انتخاب یادگار، مطبوعه۔

یه تذکره منشی امیر احمد امیر مینائی، متوفی ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ع) نے مرتب کیا هے، جس میں رامپور کے متوطن اور دربار رامپور کے متوسل شاعروں کے حالات اور منتخب کلام درج هے شروع میں والیان ریاست رامپور کے حالات اور منتخب کلام جدا هندسوں کے ساتھ لکھا هے، جس کے باعث کتاب دو حصوں میں منقسم هو گئی هے۔

دیباچے سے معلوم هوتا هے که کتاب ۱۲۸۹ھ میں شروع کر کے ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ع) میں ختم کی گئی تھی۔ آغا علی‌نقی صاحب کی تقریظ سے ظاهر هوتا هے که «هنگام تالیف ۴۱۰ شعرا کے نام تھے.... مگر چھپنے میں تاخیر هوئی۔ آفتاب‌الدوله قلق، گوبند لال صبا، شیخ امیراللہ تسلیم وغیره ملازمین میں شامل هوے؛ لهذا چھپنے کے وقت تك ۴۱۵ شعرائے نازك خیال کے نام اس تذکرے میں داخل هوے»

اس سے اندازه هوتا هے که ۱۲۹۰ھ کے بعد بھی اضافے کیے گئے هیں۔ چنانچه منیر شکوه‌آبادی کے ایك تاریخی قطعے سے ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) برآمد هوتے هیں، جو مدعای ماسبق کی دلیل هے۔

کتاب کا چھاپا تاج‌المطابع، رامپور، میں ۴ ذیحجه سنه ۱۲۹۷ھ کو تمام هوا تھا۔ اس کا سائز اوسط اور صفحات کی تعداد ۱۶۸ اور ۳۰۶ هے۔

۳۷۔ خزینة‌العلوم (خزینه، مطبوعه۔

یه منشی درگا پرشاد نادر سرهندی کا مرتبه تذکرۂ شعرای اردو

ہے، جو ۱۸۷۰ع میں شروع، ۱۸۷۱ع میں ختم اور پھر کچھ وقفے کے بعد ۱۸۷۵ع میں صاف کیا گیا تھا۔

خاتمے میں مصنف نے اپنا حال لکھتے ہوئے آخر سنہ ۱۸۷۷ع لکھا ہے، اور دوران طباعت میں، جو ۱۸۷۹ع کا واقعہ ہے، جابجا حواشی تحریر کیے ہیں۔

یہ کتاب، قاضی نورالدین فائق گجراتی کے تذکرے کا خلاصہ ہے، جس میں اور تذکروں سے بھی چند گجراتی شاعروں کے حالات اضافہ کیے گئے ہیں مصنف معانی و بیان و بلاغت وغیرہ علوم کے مباحث جگہ جگہ درمیان میں ذکر کرتا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کا حجم ۲۷۰ صفحوں کا ہو گیا ہے۔

اس کا پورا نام «خزینۃالعلوم فی متعلقات المنظوم» خطاب «گلدستۂ نادرالافکار»، اور عرف «تذکرۂ شعرای دکن» ہے۔ سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر ۱۸۷۹ع میں لاہور کے مطبع مفید عام میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔

اس تذکرے کے دیباچے سے، مخزن شعرا کے متعلق پتا چلتا ہے کہ «فائق کے چھوٹے بھائی، میر حفیظ اللہ خان تسکین نے اس پر حاشیہ لکھا تھا، جس سے ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) کا احوال معلوم ہوتا ہے۔ ابومحمد نے بھی ایک دو جگہ حاشیہ لکھا»۔ یہ حواشی بالعموم سنین وفات ظاہر کرتے ہیں، اور اکثر انجمن ترقیء اردو کے مطبوعہ نسخۂ مخزن شعرا میں مفقود ہیں۔

۳۸- تقصار جیودالاحرار (تقصار)، مطبوعہ

یہ تذکرہ، جو متقدمین و متاخرین صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے،

نواب سید صدیق حسن خان بہادر، متوفی سنہ ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ع)، نے «ریاض المرتاض» اور «حظیرة القدس» کے بعد مرتب کیا ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں کتابوں کے خاتموں میں صوفیا کے جو حالات درج کیے تھے، انہیں کو یکجا کرکے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی گئی ہے۔ خاتمۂ کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ بالکل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جو نام جسوقت جس جگہ لکھہ گیا تھا، اسے وہیں رہنے دیا ہے (۱۳۷)۔

سنۂ تالیف کے تذکرے سے دیباچہ و خاتمہ خالی ہیں، مگر اپنے حالات میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) سے ابتک کہ اٹھائیس برس گزر چکے ہیں، تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ع) میں کتاب ختم ہوئی تھی (۲۳۰)۔ چنانچہ آیندہ صفحے پر یہی سال صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کی طباعت ۱۲۹۸ھ میں بھوپال کے مطبع شاہجہانی میں ہوئی ہے۔ کتاب کا سائز فاس کیپ اور صفحات بشمول غلط نامہ ۲۵۹ ہیں۔

۹۳۔ شمع انجمن (شمع) مطبوعہ۔

یہ فارسی گو شعرا کا تذکرہ بھی نواب سید صدیق حسن خان بہادر کا مرتبہ ہے۔ اس کے دیباچے یا خاتمے میں سنۂ تالیف مذکور نہیں ہے۔ لیکن مولف نے اپنے ذکر میں لکھا ہے کہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں کلکتے گیا تھا، اور ۲ ماہ ۹ یوم وہاں رہ کر واپس بھوپال پہنچا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم ۱۲۹۳ھ میں ان کی بھوپال کو واپسی ہوئی تھی۔ اور چونکہ مطبع شاہجہانی بھوپال میں اسی سال

اس کی طباعت بھی ہوئی ہے، اس سے یقین ہے کہ آغاز سال میں یہ تذکرہ ختم ہو چکا تھا۔ بلکہ اغلب یہ ہے کہ سفر کلکتہ سے قبل اس کی تالیف کا کام انجام پا چکا ہوگا۔ واپسی پر کتابت کے وقت نئی باتیں بڑھا دی ہیں۔

کتاب مختلف رنگ کے رنگین کاغذوں پر چھپی ہے۔ اس کے آغاز میں فہرست شعرا اور آخر میں متوسلین ریاست کی تقریظیں اور تاریخی قطعات مندرج ہیں۔

۴۰۔ صبح گلشن (صبح)، مطبوعہ۔

یہ سید علی حسن خان بہادر (سابق ناظم ندوۃ العلما، لکھنؤ)، متوفی ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع)، کا مولفہ تذکرۂ شعرای فارسی ہے، جو حسب تصریح دیباچہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں لکھا گیا تھا۔ مگر خاتمے سے پتا چلتا ہے کہ غرۂ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) کو اس کا آغاز اور آخر جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) کو اختتام ہوا ہے۔ اندرونی شہادتیں بھی اسی کی موید ہیں۔

یہ تذکرہ بھی مطبع شاهجہانی بھوپال میں آخر شوال ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔

۴۱۔ روز روشن (روز)، مطبوعہ۔

یہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مظفر حسین صبا گوپاموی نے تصنیف کیا ہے۔ دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ غرۂ شعبان ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں مصنف نے اس کی ترتیب کا کام شروع کیا، اور حسب تصریح خاتمہ، ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) کو ختم کر دیا۔

اس کی طباعت بھی مطبع سابق الذکر میں ہوئی ہے، اور سال طباعت ۱۲۹۷ھ ہے۔

۴۲۔ آبحیات، مطبوعہ۔

یہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دھلوی، متوفی ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ع)، کی تصنیف اور تاریخ ادب اردو پر پہلی کتاب ہے۔ گو اس میں تاریخی مسامحات پائے جاتے ہیں، مگر اس کی عبارت کی لطافت اور شوخی ان سب پر پردہ ڈالے ہوے ہیں۔ اس کا پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ خود اون شعرا کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے، جن کے حالات پڑھتے وقت اوس کے پیش نظر ہیں۔

اس کے پہلے ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے۔ یہ ۱۸۸۰ع (۱۲۹۷ھ) میں لاھور کے وکٹوریہ پریس میں سید رجب علی شاہ کے اہتمام سے چھپا تھا۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ۵۰۷ ہے۔ ذوق کے تذکرے میں ۲ ورق بلا هندسوں کے چسپاں کیے گئے ہیں ان کو سابق مجموعے میں جوڑنے سے ۵۱۱ صفحات ہوتے ہیں۔ سر ورق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کی ۱۰۰۰ جلدیں چھپوا کر ایک روپیہ فی نسخہ قیمت مقرر کی تھی۔ امتداد زمانہ سے کاغذ کا رنگ گہرا بادامی ہو گیا ہے، اور اکثر اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ زیر بحث حواشی میں آبحیات کے بارھویں ایڈیشن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۴۳۔ طور کلیم (طور)، مطبوعہ۔

یہ سید نورالحسن خان بن نواب سید صدیق حسن خان بہادر کی تصنیف ہے، جسے مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ

اودو گو شاعروں سے، اور دوسرا هندی کہنے والوں سے متعلق ھے۔

خاتمے سے معلوم ہوتا ھے کہ کتاب ۱۲۹۷ھ مین تصنیف اور ۱۲۹۸ھ مین احمد خان صوفی کے مطبع مفید عام آگرہ مین طبع ہوئی ھے۔

۴۴۔ بوستان اودھ، مطبوعہ۔

یہ کنور درگا پرشاد مہر سندیلوی کی مصنفہ تاریخ شاھان اودھ ھے۔ اس میں ہر بادشاہ کے تذکرے کے آخر میں اوس کے عہد کے مشہور شعرا کا حال بھی لکھا گیا ھے۔

دیباچے یا خاتمے میں تاریخ تصنیف کا حوالہ نہیں ھے؛ لیکن صفحۂ ۲۰۴ پر ۷ مئی سنہ ۱۸۸۸ع (۱۳۰۵ھ) کو «امروز» سے تعبیر کیا ھے۔

یہ کتاب سنہ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ع) میں مطبع دبدبۂ احمدی (لکھنئو) سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

۴۵۔ خمخانۂ جاوید (خمخانہ)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ لالہ سریرام دھلوی، متوفی ۱۹۳۰ع، کا مرتبہ ھے، اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے انسائیکلوپیڈیا کہلانے کا مستحق ھے۔

دیباچے سے پتہ چلتا ھے کہ مصنف نے اسے ۵ جلدوں میں تقسیم کرنے کا قصد کیا تھا۔ ان مین سے ۴ جلدیں اون کی زندگی میں چھپ کر شائع ہو چکی تھیں۔ بقیہ کا مسالا اکھٹا کر لیا گیا تھا کہ اون کا انتقال ہو گیا۔ مکرمی پنڈت برجموھن دتاتریہ کیفی دھلوی نے اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا، اور سنہ ۱۹۴۰ع میں اس کی پانچویں جلد چھاپ دی۔ لیکن یہ حرف ش کے تتمے سے حرف ع کے آخر تک پہنچی ھے۔ اس لحاظ سے ابھی کم از کم ایک جلد اور چھپے گی، تب یہ تذکرہ تمام ہوگا۔

تاریخ تصنیف کے سلسلے میں اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ مولف نے ۱۸۹۱ع میں اس کام کو شروع کیا تھا، اور ۱۹۰۷ع میں اس کی پہلی جلد کو چھاپا۔ چوتھی جلد، جو مولف کی زندگی میں آخری مطبوعہ جلد تھی، ۱۹۲۶ع میں طبع ہوئی تھی۔ اب خدا بہتر جانتا ہے کہ چھٹی جلد کب شائع ہوگی۔

۴۶۔ محبوب الزمن (محبوب)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ شعرای دکن کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولف کا نام مولوی عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری براری ہے۔ کتاب کا آغاز ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ع) میں ہوا تھا، اور ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ع) میں انجام کو پہنچی ہے۔ اس میں اردو کہنے والے اور فارسی کہنے والے دونوں قسم کے شاعروں کے حالات یکجا جمع کر دیے گئے ہیں، گویا یہ حیدرآباد کی شاعری کا مجمع البحرین ہے۔

کتاب کی طباعت ۱۳۲۹ھ میں مطبع رحمانی میں ہوئی ہے، اور دو جلدوں میں اس کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔

۴۷۔ انتخاب زریں (انتخاب)، مطبوعہ۔

یہ سید راس مسعود مرحوم کا انتخاب کیا ہوا مجموعۂ اشعار شعرای اردو ہے۔ چونکہ ہر شاعر کے کلام کے قبل اونھوں نے مختصر حالات بھی لکھے ہیں، اس لیے اس کو تذکرہ قرار دیا گیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ اگست ۱۹۲۱ع (۱۳۳۹ھ) کو یہ ختم ہوا، اور سنہ ۱۹۲۲ع میں نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوا۔

۴۸۔ گل رعنا (گل)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی، ناظم ندوۃالعلما، متوفی ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ع)

کا مولفہ ہے، اور بلندیءتحقیق اور حسن انتخاب کی بنا پر تمام جدید تذکروں سے بہتر مانا گیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ٦ ربیع الثانی سنہ ١٣٣٠ھ (١٩٢١ع) کو ایک سال کی محنت و کوشش سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ آب حیات کی طرح یہ بھی طبقات پر منقسم ہے، اور اس کے بہت سے مسامحات سے پاک ہے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اس تذکرے کو چھاپا ہے۔ حواشی میں اس کے دوسرے ایڈیشن (١٣٥٣ھ) کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۴۹۔ قاموس المشاہیر (قاموس)، مطبوعہ۔

یہ مشاہیر کا تذکرہ ہے، جسے مولانا نظامی بدایونی نے ١٩١٥ع میں شروع کر کے سات برس میں تمام کیا ہے۔

دراصل یہ مسٹر بیل کی انگریزی کتاب موسومہ بہ "AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY" پر مبنی ہے، اسی لیے اس کی ترتیب وغیرہ میں وہ تمام کوتاہیاں موجود ہیں، جو بیل سے سرزد ہوئی تھیں۔ کچھ اسما اور معلومات دوسری کتابوں سے بھی بڑھائے گئے ہیں۔

اس کی پہلی جلد کا مسودہ ١٩٢٢ع میں پریس گیا، اور ١٩٢٤ع میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس کے دو سال کے بعد دوسری جلد بھی چھپ گئی۔ اب دوسرے ترمیم شدہ ایڈیشن کی تیاری تھی کہ جنگ شروع ہو گئی۔

۵۰۔ سیر المصنفین (سیر)، مطبوعہ۔

یہ اردو کے نثرنگاروں کا تذکرہ ہے، جسے مولوی محمد یحییٰ تنہا نے

۱۹۲۴ع میں مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصۂ اول کے ۲۲۴ صفحے ہیں، اور یہ محبوب المطابع دھلی میں ۱۹۲۴ع میں چھپا تھا۔ دوسرا حصہ ۶۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور سنہ ۱۹۲۸ع میں جامعہ پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔

۱۵— آثارالصنادید (آثار)، مطبوعہ (۱)۔

یہ کتاب دھلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ ہے، اور ھندوستان کے مشہور مصلح قوم، سر سید احمد خان، متوفی ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ع) کی تالیف ہے۔

کتاب کے مختلف بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۶۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ مگر جستہ جستہ ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۶۳ھ میں بھی مصنف نے اس میں اضافے کیے ہیں۔

مصنف نے اسے چار بابوں میں تقسیم کر کے، ہر باب کو ایک حصے یا جلد کی طرح جداگانہ ھندسوں کے ساتھ مطبع سیدالاخبار دھلی میں ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ع) میں طبع کرایا تھا۔ یہ ایڈیشن مصور تھا، اور اس کی تصویریں میرزا شاہرخ بیگ اور فیض علی کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں، اور علیحدہ کاغذ پر چھاپ کر اپنی اپنی جگہ چسپاں کی گئی تھیں۔

کتابخانے میں اس ایڈیشن کے تین باب موجود ہیں۔ چوتھا جس میں دلی والوں کے حالات درج تھے، ضائع ہو گیا ہے۔ میں نے حاشیے میں نولکشوری ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے، جس کا نسخہ پبلک لائبریری، رامپور، میں محفوظ ہے۔

---

(۱) اس کتاب کا تذکرہ سہواً اپنے مقام پر رہ گیا تھا۔ یہاں مجبوراً تلافی مافات کی جارھی ہے۔

۵۲۔ ارباب نثر اردو (ارباب)، مطبوعہ۔

یہ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کے ۱۹ نثر نویسوں کا تذکرہ ہے جسے سید محمد قادری (بی، اے) نے آخر سنہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ع) میں مرتب کیا اور مکتبۂ ابراھیمیۂ حیدرآباد نے اوسی سال چھاپ کر شائع کیا ہے اس کے صفحات مع دیباچہ وغیرہ ۳۰۹ ھیں۔

۵۳۔ تاریخ ادب اردو (عسکری)، مطبوعہ۔

یہ تاریخ، رام بابو صاحب سکسینہ کی انگریزی کتاب 'HISTORY OF URDU LITERATURE'' کا ترجمہ ہے، جسے میرزا محمد عسکری صاحب لکھنوی نے ۱۹۲۹ع میں کہیں کہیں مناسب ردوبدل کے ساتھہ مرتب کیا ہے۔

یہ کتاب دو حصوں اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے، اور مطبع نولکشور لکھنؤ نے مصور شائع کی ہے۔

۵۴۔ تذکرۂ کاملان رامپور، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مشاھیر رامپور کے حالات پر مشتمل اور جناب حافظ احمد علی خان شوق رامپوری، (سابق ناظم کتابخانۂ رامپور) کی تصنیف ہے۔

دیباچے سے معلوم ھوتا ہے کہ مولف نے ۱۹۲۵ع سے ۱۹۲۹ع تک اس کتاب کی ترتیب کا کام انجام دیا ہے۔

چونکہ اس کے بیانات کا ماخذ اکثر و بیشتر زبانی روایات ھیں، اس وجہ سے تاریخی تسامح پایا جاتا ہے، تاھم یہ بیحد قابل قدر ہے کہ اس کے توسط سے سیکڑوں اون علما، صلحا اور شعرا کے حالات منضبط ھو گئے، جو پردۂ گمنامی میں مستور تھے، اور کچھہ عرصے کے بعد ان کے متعلق اتنا علم بھی محال تھا۔

کتاب کے صفحات ۵۶۰ ھیں شروع میں ۱۵ صفحے کی فہرست منضم ھے، جس سے کل صفحات کی تعداد ۵۷۵ ھو جاتی ھے۔

محمد جعفری نے سنہ ۱۹۲۹ع میں، ھمدرد پریس دھلی میں، چھاپ کر اس کتاب کو شائع کیا ھے۔

۵۵- تذکرۂ ریختی، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ، جو ۳۴ ریختی گو شعرا کے حالات پر مشتمل ھے، مولوی سید محمد تمکین کاظمی نے ۱۹۳۰ع (۱۳۴۸ھ) میں مرتب کیا ھے۔ اس کے شروع میں ۲۹ صفحات کا دیباچہ ھے، جس میں ریختی کی ایجاد اور اوسکے افسادی پہلو سے بحث کی گئی ھے۔ اس کے بعد تذکرہ نئے ھندسوں سے شروع ھو کر صفحۂ ۸۵ پر ختم ھوتا ھے۔ صفحۂ ۸۶ سے فرھنگ محاورات نسواں شروع ھوتی ھے۔

کتاب شمس الاسلام پریس، حیدرآباد، میں طبع ھوئی ھے۔

۵۶- جواھر سخن (جواھر)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، دراصل منتخب کلام اردو کی ایک طویل بیاض ھے، جسے مولانا محمد مبین کیفی چڑیاکوٹی نے مرتب کیا ھے۔ چونکہ ھر شاعر کے منتخب کلام کے آغاز میں اوس کی زندگی پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ھے، اس وجہ سے اس میں تذکرے کی شان پیدا ھو گئی ھے۔

اس مجموعے کی تالیف ھندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، کی فرمایش پر ھوئی ھے، اور اوسی نے ۱۹۳۳ع میں اس کی پہلی جلد اور بعدازاں ۳ اور جلدیں شائع کی ھیں۔

۵۷- بیاض سخن (بیاض)، مطبوعہ۔

یہ ۳۳۰ اردو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے عبدالشکور صاحب شیدا نے سنہ ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع) میں حیدرآباد (دکن) سے شائع کیا ہے۔ چونکہ یہ بھی منتخب اشعار کی بیاض ہے، اسوجہ سے شعرا کے حالات پر بہت اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاہم سنین وفات کی تلاش میں سعی و کوشش نظر آتی ہے۔

اس کتاب کے شروع میں دیباچے اور فہرست کے ۱۶ اور بعدازاں اصل کتاب کے ۲۴۲، کل ۲۵۸ صفحے ہیں۔

۵۸۔ فہرست کتبخانہای شاہ اودھ (اشپرنگر)، مطبوعہ۔

شاہان اودھ کے کتابخانوں کی یہ فہرست ڈاکٹر اشپرنگر نے مولوی علی اکبر پانی پتی، متوفی ۱۸۵۲ع، کی مدد سے ۱۸۵۰ع میں مرتب کی تھی۔ ڈاکٹر اشپرنگر کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی فہرست کو آٹھ بابوں میں تقسیم کریں۔ مگر وہ صرف ۳ باب مرتب کر سکے، جو پہلی جلد کے نام سے کلکتے میں طبع ہو چکے ہیں۔

اس کے پہلے باب میں فارسی و اردو شعرا کے تذکروں اور دوسرے اور تیسرے باب میں فارسی و اردو شاعروں کی تصنیفات کا بیان ہے۔ آخر میں باب اول کا ضمیمہ ہے، جو تین فارسی تذکروں کی کیفیت پر مشتمل ہے۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ۶۵۵ ہے، جس میں ۸ صفحے دیباچے وغیرہ کے اور دو غلط نامے کے شامل ہیں۔

اس فہرست کے اوس حصے کا ترجمہ، جو شعرای ریختہ کے حالات پر مشتمل ہے، سنہ ۱۹۳۲ع میں طفیل احمد صاحب نے اردو میں کیا تھا، اور اسی سنہ ۱۹۳۳ع میں ہندوستانی اکیڈمی نے «یادگار شعرا» کے نام سے چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔

۹۰۔ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم (بلوم ہارٹ)، مطبوعہ۔

یہ فہرست ہندی، پنجابی اور ہندوستانی زبانوں کے قلمی نسخوں کی ہے، جسے مسٹر بلوم ہارٹ نے ۱۸۹۹ع میں مرتب کیا، اور اسی سال میوزیم کے ٹرسٹیوں کے حکم سے چھپ کر شائع ہوئی۔

اس میں پہلے ہندی اور پنجابی اور آخر میں ہندوستانی مخطوطے ذکر کیے گئے ہیں۔ ان دونوں حصوں پر ہندسے جدا جدا ڈالنے سے فہرست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ دیباچے کے ۱۲، حصۂ اول کے ۸۴، اور حصۂ دوم کے ۹۱ اور پوری کتاب کے ۱۸۷ صفحے ہوتے ہیں۔

معذرت۔

ان کتابوں کے علاوہ، بعض دواوین وغیرہ کے دیباچوں کے حوالے بھی دیے گئے ہیں، مگر اون پر کسی طرح کا نوٹ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

بعض کتابیں بر وقت مطالعے میں نہیں آئیں، اس بنا پر اون کا حوالہ یا تو کتاب ہی میں کسی دوسری جگہ دیدیا گیا ہے، جیسے «سودا» مصنفۂ شیخ چاند، اور یا استدراک کے ماتحت ذکر کردیا گیا ہے، مثلاً «تاریخ نثر اردو» مصنفۂ مولانا احسن مارہروی، «داستان تاریخ اردو»، مصنفۂ مولانا حامد حسن قادری، یا «تاریخ مثنویات اردو» مصنفۂ مولوی جلال الدین احمد جعفری۔ اشاعت ثانی کی نوبت آئی، تو انشاءاللہ اس کی تلافی کردی جائیگی۔

بسم الله الرحمن الرحیم

(۳ الف) بهین صیغهٔ عبودیت، ونیکو ترین جملهٔ سعادت
حمد خالقی و ثنای صانعی است، که هنگام ابداع بسایط، بصورت حروف
مفرده زیور هستی و خلعت وجود اوّلاً عطا فرمود؛ و وقت اختراع
مرکبات از مخلوقات، بنابر استحکام و نظام تراکیب، کلمات را باشکال
مختلفه ثانیا بنا نمود، که سالکان راه قویم و طالبان صراط مستقیم، باعانت
کلام و مددگاریء فهم سخن ملك علام، باندك صرف نمودن اوقات بسر
منزل مقصود بآسانی پی برند؛ وبدریافت معانی، که مراد از حصول
قرب او، تعالی عز اسمه، است، بهرنحو که خواسته باشند، بسهولت فایز
گردند. سبحانه، ما اعظم شانه و جل صنعه. و پستر ازان فعلی که وسیلهٔ
(۳ ب) حصول این عطیهٔ کبری و واسطهٔ وصول بچنین موهبت عظمی
از درگاه آن واهب العطایا تواند بود، خواندن درود نامعدود است
برحبیب او، محمد رسول الله، صلی الله علیه و آله واصحابه وسلم، که
ذات کاملش بهمه جهت مبرا از نقصان، وصفات جمیلهٔ او افزون از
حیز شمار و بیان است؛ وبر آل امجاد و اطهار او که بالاطلاق برگزیدهٔ
هر دو جهان اند؛ وبر اصحاب اخیار و پیروان ابرار او که از شروع
اقتدا تادم اخیر، خلاف مقتدا حرفی از زبان برنیاورده، قدمی بیراه
نگزاشته‌اند، حتی که گردید محبت و ولایت شان از شرایط ایمان.

امابعد ذرۂ بیمقدار، ناچیز خاکسار، سر بزانوی نکو هیده عملی، احد علی ابن سید احمد علی خان، عفی الله عن جرایمهما، بخدمت عالیء متعالیء کا ملان صاحب همت و قدرت، و دوستان صافی طینت و اهل مروت چنین عرض می‌نماید که چون بعضی عزیزان و شفیقان بنوشتن قواعد صرف و نحو وغیره، بطرز یکه اجرای آنها بزبان هندی موافق محاورۂ اردو بوده باشد، اکثر تکلیف میکردند، و راقم چون قدرت تحریر آن بمرتبۂ که پایۂ این اعتبار را شاید، در خود نمیدید، متامل بود، که درین اثنا جناب رفعت مآب، (۴ الف) والا مناقب، عالی مناصب، کهف الاحبا، مربیء غربا، دانای رسوم آشنائی، سرکردۂ دقت منشان تیزرائی، معین موالیان، ممد مومنان، عقده کشای گره کار بستگان، اعنی، جناب مستطاب، معلی القاب، نواب افتخار الدوله، معین الملک، مرزا قمر الدین احمدخان بهادر، صولت جنگ، دام اقباله، المدعو بمرزا حاجی صاحب که اکبر اولاد، وارشد ابنای خان رفیع الشان، علامۂ زمان، یگانۂ دوران جناب فخر الدین احمد خان بهادر، المشتهر بمرزا جعفر صاحب مغفور اند، لازال دولته واقباله، نیز باصرار فرمودند۔ ناچار امتثالاً للا مر بتسوید رسالۂ پرداختم، و هر قدر که توانستم قواعد مسطوره از فارسی نقل نموده بهندی مطابق ساختم۔ پس مسمی گردانیدم مجموعۂ مذکوره را به «دستور الفصاحت»، و مرتب نمودم ترتیبش را بمقدمه و پنج باب و خاتمه۔ اکنون رجای واثق از آگاهان باهمت و قدرت و نکته رسان صاحب مروت و صفوت آنست که اگر بمطالعه و ملاحظه این رسالۂ بیقدر را گاهی بنوازند، در حق این بی بضاعت کمیت اعتراض بمیدان تفضیح نتازند؛ چراکه هیچ کتابی از کتب این فن و رسایل این هنر، که مفید مطلب (۴ ب) و معین مقصد درین باب می‌شد، درنظر نداشتم

که موافق آن می نوشتم و از خطا مصئون ماندم ، بلکه مترصدم که بزرگانه، (لمولفه)

بذیل عفو بپوشند عیبهای مرا گران کنند بخوبیء خود بهای مرا

تا بر مایدۂ اجر عاملان آیۂ کریمه «اذامروا باللغو مروا کراما» شریك و شامل بوده‌باشند، و جزای این صفت حمیده از ستار العیوب غافر الذنوب بیابند۔

مقدمه ۔ باید دانست که زبان هندی منسوب باهل هند است ۔ و وسعت ملك هند از کلکته و ڈھاکه تا قرا باغ نزدیك به قندهار شرقا و غربا ، و از کنارۂ دریای شور تا جبال شمال و آنچه درمیان اینست جنوبا و شمالاً ، نزد مساحان به ثبوت پیوسته ؛ چنانچه کشمیر هم باین قید در همین ملك شمرده می شود ۔ و زبان سکنۂ این ولایت باعتبار وضع صوبجات و قرب و بعد مکانات و اختلاف اناس و اقوام بانحای کثیره واقع شده ؛ لهذا لهجۂ هر صوبه و بلاد و محاورۂ هر قوم و فریق متفاوت و متغایر است ، و زبان هریك ازینها نسبت بصاحبش در ملك دیگر «بهاکا» گفته می شود ۔ پس زبان مردمان بنگاله را «بنگالی» و اهل پنجاب را «پنجابی» و سکنۂ دکهن را «دکهنی» میگویند، و علی هذ القیاس ۔ و درین رساله، (٥ الف) که صرف و نحو زبان هندی دران بیان نموده می شود، نه مراد مولف تحقیق زبانهای کثیرۂ مذکوره است ، بلکه مقصود و مطلوب ازان دریافتن صحت الفاظ خاص و معلومات تراکیب معینۂ کلامیست که مختص و موضوع بمحاورۂ اردوی معلی باشد و بس ؛ زیرا که بنای تقریر و تحریر تمام اعزۂ عالیمقدار، و مدار کلمه و کلام جمیع شرفا و نجبای نامدار و شعرای ذوی الاقتدار، که فی زماننا بر مسند اعتبار جادارند ، بر همین محاوره موقوف است۔

واردو عبارت است از زبانی که بعد اختلاط و ارتباط الفاظ پنجابی و میواتی و برج ، که زبان اضلاع قرب و جوار دار الخلافۂ شاهجهان آباد است ، باکلمات فارسی و عربی و دیگر زبانها، از کسر و انکسار ثقالت و سخافت اصلیء هر لغت باصلاح صحبت همدیگر، مثل کیفیت متوسطه، که با عتقاد اطبا در مرکبات از معاجین وغیره حادث میگردد ، پیدا شده ساتر عیوب جمیع زبانهای ممزوجه گردیده است؛ و بمرتبۂ حسن و لطافت دران یافته می شود که از روی متانت و وسعت و لطافت و فصاحت پهلو بعربی میزنند ، و بکمال(۵ ب) صفاو عذوبت بر فارسی تفوق می جوید۔

وسبب حدوث این زبان نفیس اینست که چون سواد اعظم هندوستان و منافع این زمین منفعت بنیان نسبت باقالیم دیگر اوفر، و زر ریزیء این ملک باکناف جهان هویدا واشهر ، و نیز پایۂ سلاطین و امرای این کشور از شوکت و ثروت و همت وسخاوت رفیع و منیع‌تر از عمايد دولت و ارکان سلطنت اقالیم دیگر است ، بالضروره دانایان دهر و عاقلان عصر و کاملان هرفن و هنر از فضلا و علما و شعرا و نجبا، هرجا که بودند ، از اطراف عالم واکناف جهان رو باین سواد اعظم مراد توام آورده ، بمقاصد و مرادات دلخواه رسیدند ، و اکثری از آنها بهمین زمین ارم تزئین توطن ورزیدند پس از سبب آمد وشد دربار و درپیش شدن معاملات بامردم این دیار، از حرف زدن باین لغت چاره ندیدند۔ ناگزیر درین صحبت، اینها از آنها و آنها از اینها ، در حین مکالمه ، بقدر کفایت از الفاظ همدیگر می آموختند و کار بر می‌آوردند۔ چون مدتی برین نحو گزشت و عمری صرف شد ، از امتزاج الفاظ و ارتباط کلمات در یکدیگر

حالی بهمرسید ، که آنرا زبان تازه (۶ الف) توان گفت ؛ چه نه عربی عربی ماند و نه فارسی فارسی، و بهمین قیاس هر «بهاکا» از زبانهای ممزوجهٔ هندی نیز بر اصل خود نماند لیکن این حالت هم بر نحو واحد، چنانچه باید، هنوز قرار نگرفته بود ، و بمرتبهٔ اعتدال فصاحت که حالا دارد نرسیده؛ بلکه از افراط و تفریط ، یعنی ، از انتقال زبان قومی دفعة بزبان فرقهٔ دیگر ، فرق بین و تغیری آشکارا یافته می شد؛ تا اینکه هیچ فقرهٔ و مصرعی ازعیب تنافر و ثقالت بری نبود ، و باندك توجه بوی خامی و بخاجت و رنگ بیربطی و سخافت از ترکیب آن کلام دریافت میگردید۔ ومع هذا هر قومی و هر فرقهٔ محاورهٔ خویش را بر دیگری ترجیح میداد ، و بزعم خود برو تفوق می جست ۔ ناچار عقلا ودانایان چنین قرار دادند که کلمات سنجیده و الفاظ پسندیده، از هر زبان و هر محاوره که باشد، بصحت و درستی ازان برچیده ، بوضعی که مفید مطلب بآسانی و دور از تنافرو ثقالت زبانی بود، در کلام می آمده باشد ؛ ولغات ثقیله که محدث تنافرو مخل فصاحت اند، آوردن آنها بهیچ وجهی نشاید، تا کلام از رتبهٔ فصاحت و پایهٔ بلاغت فرو نیفتد ، بلکه خیلی صاف و مانوس طبع وقریب الفهم هر وضیع و شریف بوده باشد؛ (۶ ب) و موافق همین قاعده که ضبط گردیده ، بدربار سلاطین و امرا و بارگاه خواقین و وزرا، همه نجباو شرفا بیکدیگر حرف میزده باشند ۔ چون صورت شاهد این مطلوب بر غرفهٔ استحسان جلوه گری نمود ، نام همین محاورهٔ خاص باردوی معلی شهرت گرفت ۔ لیکن این زبان باشروط مذکوره یافته نمی شود مگردر بعضی باشندهای شاهجهان‌آباد که درشهر پناه سکونت دارند ، یازبان اولاد این بزرگواران ، گو از چندی این صاحبان یا اولاد اینها بشهرهای دیگر هم رفته ، سکونت ورزیده

باشند - چنانچه از همین جهت زبان مردمان لکهنؤ ، که از قدیم الایام باشندهٔ آن بلده نیستند و نبودند ،درزمان حال بفصاحت نزدیکتر از دیگرانست. سبب غالب آنکه وزیر الممالك نواب آصف‌الدوله مرحوم در بلدهٔ مذکوره سکونت گزیده بود، و رؤسای شاهجهان‌آباد، بتوقع ترقیء وجه معاش و ضیق کوچهٔ تلاش جای دیگر ، بیشتر درین جا یکی بعد دیگری وارد شده ، راحت خود مشروط باقامت درین شهر یا فتند. علی الخصوص شعرای شیرین کلام و دیگر خوش بیانان ، که مدار محاوره برین بزرگان است ، همه به بارگاه وزیر ممدوح حاضر بودند (۷ الف) و مدتها بسر بردند.

فایده - بدانکه تنقیهٔ کلام و تصفیهٔ این زبان فصاحت انجام بمرتبهٔ اعلی که تسمیهٔ اردو را لایق باشد و مختار فصحا و بلغای عصر گردد ، ابتداء از دورهٔ فردوس آرامگاه صورت گرفته است - چه شاعران و ظریفان نسبت بازمنهٔ دیگر درانوقت بسیار بهمرسیدند ، و شعررا بطرز خودها می گفتند - رفته رفته لطافت این صناعت بتحقیق و تدقیق افصح الفصحاو ابلغ البلغا ، خاقانیء عصر ، فردوسیء زمان ، انوریء دهر ، عرفیء دوران ، وحید زمانه ، محقق یگانه ، ملك الشعرای هند ، سلطان هر ظریف و رند ، مغفور و مرحوم ، مرزا محمد رفیع المتخلص به سودا ، غفر الله ذنوبه ، بمرتبهٔ کمال رسید ؛ تا آنکه شان لطافت و صفای آن بمذاق متاملان منصف برشوکت فارسی چربیده - چرا که صورت قصاید را بطرز اوستادان فارسی ، اوّل کسی که بزبان هندی بلوح هستی حسن جلوه داده ، همین نقاش معانی بوده است - و بعضی تصفیهٔ محاورهٔ اردو را بصفائی که مروج است بمرزا جان جان المتخلص بمظهر ، که یکی از مشاهیر صوفیهٔ این عصر گزشته ، نسبت

دهند ـ والله عالم ـ

بالجمله آنچه از محققان بتحقیق پیوسته اینست که مبصریء جواهر کلمات و نقادیء نقود الفاظ ، (۷ ب) ازمردود و مقبول و متین و سخیف و مروج و متروك ، بقید کثرت محاوره و صحت لغت که بر زبان شرفا و نجبا و اعزه جاری باشد ، و تالیف شعر بمتانت تمام بطور قصاید اساتذه از فارسی گویان ، تعلق بمرزا محمد رفیع دارد؛ و ساده گفتن شعر از تکلف ایهام و دیگر صنعت نامطبوع ، که رسم شعرای دورۂ فردوس آرامگاه بود ، و معنی را قریب الفهم بوضعی با صفا و متانت بستن ، که سامع محتاج شرح و لغت دم استماع نشود ، و درگفتن هر قسم شعر از قصیده ورباعی و غزل و مرثیه و مثنوی وغیره در هر باب متتبع و مقلد فارسیان بودن ، بنا گزاشتۂ مرزا جان جان مظهر است ـ و یافته شدن چند الفاظ متروکه در کلام سلطان الشعرا ، مثل لفظ «ستی» بمعنیء از و «نین» که چشم راگویند، خواه بروزن عین ، خواه بروزن حفن بهر صورت که بنظر در آید و «آنجهو و آنجهوان» که بمعنیء اشك و جمع آن ست و «خنجر» بروزن حجر، و «قلق» ساکن الاوسط بمعنیء بیقراری و «بان» بمعنیء تیر و «هم» بجای همنے و «تو» بجای تو نے یا «تیں» بجای تمنے و امثال اینها که در کلام آن مغفور یافته می شوند ، هرگز هرگز موجب نقص کلام (۸ الف) آن بیعدیل نتوانند شد ـ چه آن مرحوم چون ابتداء خود واضع این طرز عالم پسند شده بود ، ودران آوان درالفاظ متروکه و مستعمل بآن مرتبه فرق و امتیاز حاصل نشده که کلمات تمام زبان مالایحصی ازهم متمیز و متفرق گردیده باشند ، ناچار الفاظ شمرده بصورت اصلی ازان دیوان بلاغت بنیان بر می آیند ـ حالانکه درآخر وقت خود ، آن خلاق معانی از ایراد

چنین الفاظ کراهت میداشت و اتباع خویش را بتاکید نهی می نمود.
اما چون کلام دلاویز سابق او، بسبب کمال شهرت، برالسنهٔ صغیر و
کبیر بکثرت جاری شده بود، و اخراج این الفاظ ازان خارج الامکان
می نمود، لهذا بهمان صورت باقی ماند بنساء علیه از شعرای حال
کسی آن الفاظ را در تقریر و تحریر نمی آرد و اگر بیارد، دال بر
نا آگاهیء اوست. و جماعت مرثیه گویان و منقبت گویان هندی که
کلام ایشان سرتاپا از قبایح لفظی و عیوب معنوی مملو و مشحون است،
و هرگز ایشان را نظر برآن نیست، بلکه تفخریه نسبت خود بمسکین
عاجز و هوشدار بیهوش و میرن بی علم نموده، سند غلطیهای خویش
از کلام اینها می آرند، و هریك را (۸ ب) امام خود دراین باب
میدانند، مع ایمهٔ خودها از طبقهٔ شعرا خارج اند. چه این بی بصران
نمیدانند که مرثیه هم یکی از اقسام شعراست، بلکه میگویند که چیزی
که در شعر روا نیست در مرثیه جایز است. الحاصل اگر بنابر حصول
سعادت و ثواب یا برای تکمیل کلیات خود از اقسام شعر، کسی از
شعرا مرثیه بگوید، لازم است که درین میدان هم برکمیت ارادت
راه تلاش بتقلید ملك الشعرا جوید، تا راه فصاحت بیانی و صحت
لفظی و معنوی غلط نکرده باشد.

و نیز باید دانست که چون وضع این رساله بنابر دانستن صرف
و نحو محاورهٔ اردو است، و اختلاط الفاظ عربی و فارسی درین
زبان زیاده ازحد حصر، بضرورت لازم آمد که این رساله جامع
ببعض از قواعد فارسیه هم بوده باشد، چرا که اکثر احتیاج می افتد
بآن؛ لهذا باب اول این عجاله بالتمام در همان قواعد نوشته شد.
هر چند که اکثری ازان در الفاظ هندی من حیث الهندیة بکارنمی آیند؛

اما چون بتوسط ارتباط الفاظ فارسیه و عربیه در بعض تراکیب گنجایش پزیرانده، ناگزیر به تحریر در آمدند۔ و هر قاعده که در هندی و فارسی مشترك یافته شده، بدان هم ایما نموده (۹ الف) آمد۔

و چون معلوم شد که مراد از محاوره زبانیست که بدربار امرا و سلاطین هند، جمیع شرفا و نجبا و فضلا و شعرا بدان حرف میزنند، و هر لفظی که دران بتقریر می آید، آن لفظ لفظ صحیح و مستعمل می باشد، مثلا اگر عربی یا فارسی یا ترکی است، ضرور است که آن لفظ ازروی وضع اصل لغت خود صحیح و بامحاوره بوده باشد؛ و اگر هندیست، باید که از روی آن بهاکا که ماخذ آنست صحت مذکوره داشته باشد ویا صحیح باستعمال اهل اردو بود، مانند لفظ «مکرنا» که مرادف منکر هونا بەمعنیء منکر شدن‌ست و «دوانا» که اصلش دیوانه با یای تحتیه است و «رینگنا» بکسر را و سکون تحتیه وغنه و کاف عجمی ونون مفتوح بالف که عبارت از صدای حمار است و اصلش «رینکنا» بکاف تازی ست در زبان برج و دوآبه، و «دلی» بکسر دال وتشدید، زبان زنانست، و «صفیل» بتقدیم صاد مهمله بر فا که اصلش فصیل است، و امثال این الفاظ که بسماعت از زباندانان به ثبوت پیوسته۔ تمام کلمات این محاوره که صرف و مستعمل در تحریر و تقریر می شوند، باید که بنحوی باشند که بی تکلف و بی تصنع قایل، بر زبان هر صغیر و کبیر و جمیع برنا و پیر از اصناف (۹ ب) مذکوره، بمقام و محل خودها، بی گرفته شدن زبان، زبان زدو مستعمل می شده باشند؛ تا سامع را بحصول ملکهٔ، که بکثرت سماعت کلمات موصوفه از سابق حاصل دارد، وقت استماع درفهم و ادراك کلام تامل و تردد رو ندهد بخلاف احتهاد بعض بزرگان که فی زماننا فقط نظر براشتهار خویش

لغات عربیهٔ خارج از محاوره و الفاظ ثقیل را بتکلف در کلام می آرند و سخن را از پایه اش می اندازند و باین صفت از اقران ترفع می جویند -

فایده - بدانکه بنای الفاظ این زبان وکلمات این محاوره ، برسی و شش حرف است ، اگر همزه براسه دراعداد حروف شمار کرده شود، والا برسی و پنج - و آن اینست،

ا ، ب ، پ ، ت ، ٹ ، ث ، ج ، چ ، ح ، خ ، د ، ڈ ، ذ ، ر ، ڑ ، ز ، ژ ، س ، ش ، ص ، ض ، ط ، ظ ، ع ، غ ، ف ، ق ، ك ، گ ، ل ، م ، ن ، و ، ہ ، ء ، ی -

و این حروف دو قسم اند، منفرد و مشترك - منفرد قسمی راگویند که سوای لغت واحد بزبان دیگر نیامده باشد ، چون حروف ثمانیه ، یعنی ، ثا و حا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف که فقط بکلمات عربیه اختصاص دارند؛ لهذا در الفاظ فارسی هیچ حرف ازین حروف نمی باشد و هر جا که بنظر (۱۰ الف) در آید ، باید دانست که آن لفظ در اصل وضع باین حرف نبوده است ، بلکه برای رفع التباس یا ضرورتی دیگر متاخرین باین وضع آنرا در رسم خط مروج گردانیده اند ، مانند لفظ «صد» «وشصت» و «طپیدن و «طلا» که بمعنیء مایهٔ وستین و بیقرار شدن و زر است، و امثال ذلك - و ژای عجمی که فقط بالفاظ فارسی خصوصیت دارد وٹای و ڈال و ڑای هندی که هرسه ثقیله اند ، فقط بزبان هندی، یعنی کلمات هندی الاصل ، تعلق دارند - باقی همه مشترك اند -

مخفی نماند که غرض راقم از عدم اشتراك در دو زبان باعتبار السنهٔ مشهورهٔ مروجهٔ ما مردم است - لغت دیگر، مثل الفاظ فرنگی

وغیر آن در ینجا داخل بحث نیست - بالجمله مخصص و ممیز حروف ثلاثهٔ هندی در رسم خط صورت طای حطی است که برسر هریك در کتابت مفردة می نگارند ، تاثقیله بفوقانی و مهملتین بڈال و ڑای هندی مشابه نشوند ، و قاری را بغلط نیفگنند - اگرچه حروف دیگر از هندی نیز هستند که در اصل وضع بآن لغت مخصوصند ، و حالا بکلمات محاوره بسیار آمیزش دارند ، لیکن چون بنای ریخته ، که عبارت ازین زبانست، در شعر وکتابت (۱۰ ب) هم مطلقا بر تقلید فارسی و فارسی گویان است ، لهذا آن حروف اعتبار کرده نمی شوند ؛ بلکه در کتابت و قرأت تابع فارسی میگردند ؛ چنانچه لفظ «گهر» بالفتح که بمعنیء خانه و لفظ «کهر» که بمعنیء سم است ، این هر دو کلمه دراصل زبان مرکب از دو حرف اند ، که «کها و گها» ورای مهمله است - و «کها و گها» دربهاکای هندی یك حرف است ، و در رسم خط آن بهاکا تحریر این حروف نیز بحرف واحد ؛ لیکن در کتابت ریخته ، که بطرز فارسی است ، بکاف تازی و عجمی و های هوز ورای مهمله می نگارند - از ینجاست که در تحریر این نوع کلمات ، سه حرف نوشته می شوند ، حالانکه دراصل ترکیب این کلمات دو حرف اند -

و در حروف مشترکهٔ عامه (۱) همزه هم داخل است و باعتبار عربی وجودش موجود؛ چه هرچه متحرك است ابتداء و ساکن است بضغطهٔ زبان ، عرب آنرا همزه خوانند ، والا الف - و در فارسی همزه نیز الف گفته شود - لیکن ژای عجمی را از حروف اربعهٔ فارسیه ، که مختص بکلمات اصل خود است ، بخلاف اخوات آن که گاف و پا و جیم فارسی اند ، اکثر فصحا بجیم تازی بدل کرده بنابر رفع ثقالت

(۱) دراصل «که همزه» -

می‌خوانند وبعضی مردمان بر اصل آن- و بعضی (۱۱ الف) حمقای بی اصل که خود را قابل و خبیرمی دانند، حای حطی و عین سعفص را در کلام موزون وغیر موزون ، برای نمود خود درمجالس ، با علان حلقی بودنش بموجب قاعدهٔ قرأت تلفظی می نمایند . و این همه تکلف بیجا است و گمان آنها سرا سر خطا ؛ چه اگر اصل این حرکت چیزی می بود ، همه دانایان و فصیحان تمام حروف تهجی را در همه کلمه و کلام خود برعایت قوانین قرأت و قواعد تجوید تلفظ میکردند. تخصیص همین دو حرف چه معنی دارد؟

فایده- باید دانست که در کتابت چون صورت الفاظ با یکدیگر مشابهت دارد ، برای تفرقه از همدیگر اوستادان قیدها مقرر نموده اند، تا رفع التباس گردد . چنانچه بای عربی را باعتبار نقطهٔ او که واحد است گاهی بموحده و گاهی بلفظ عربی یا(۱) تازی می نویسند؛ و بائی که منقوط بنقوط ثلثه است ، آنرا بفارسی یا عجمی ، و آنکه دو نقطه بالا دارد ، آنرا بقید مثنات فوقانی یا فقط بفوقانی ، و آنکه سه نقطه بالای اوست ، آنرا بمثلثه ، و جیم منقوط به نقطهٔ واحده را جیم تازی یا عربی ، و آنکه سه نقطه دارد ، آنرا بجیم فارسی یا عجمی ، و حای حطی و دیگر حروف را که نقطه نداشته باشند و با حروف (۱۱ ب) منقوطه بتجنیس خطی مشابه اند ، مهمله و مقابل را معجمه می نگارند ؛ و ٹای هندی و ڈال هندی و ڑای هندی، این هر سه را گاهی به ثقیله و گاهی به هندی تعبیر کنند . و بعضی این حروف را بکلمات ابجد تفرقه می‌نمایند ، چون ، حای حطی و های هوز و تای قرشت و صاد سعفص و ضاد ضظغ و امثال ذلك. و کاف را نیز اگر

---

(۱) دراصل، «و بلفظ عربی بای تازی»

فارسی است بفارسی و عجمی ، والا بتازی و عربی ، و یا را بیای تحتانی و تحتیه فقط می‌نمایند ـ

و اعداد حروف هندی و فارسی با مشابه خودها در کتابت متحد اند، یعنی، عدد ٹای هندی بفوقانی و ڈال هندی بمهمله و ڑای ایضا هکذا . و حروف تازی و فارسی واحد اند در اخراج اعداد خودها، خواه بطریق زبر باشد ، خواه بطریق بینه ـ زبر طریقی را میگویند که معروف است ، یعنی ، از الف ابجد تاطای حطی احاد، و از یای حطی تاصاد سعفص عشرات ، و از قاف قرشت تاظای ضظغ مآت ، و برای غین هزاراند ـ و طریق بینه آنست که نام هر حرف را ملاحظه نمایند که از چند حروف ترکیب یافته ؛ مثلا ، الف که از الف و لام و فا مرکب است ، حرف اول آنرا گزاشته ، عدد حروف باقی را (۱۲ الف) حساب نمایند ؛ چنانچه باین حساب برای الف یکصدوده عدد مقرر است . و برین قیاس اند (۱) باقی حروف -

---

(۱) اصل «این» بجای «اند».

خاتمه

در تذکر (ة) الشعرا

یعنی ، دربیان اسامی و قدری احوال بعضی از شعرا که بتقریب مثال ، کلام فصاحت نظام این بزرگواران درین رساله مندمج گردیده ، تا مطالعه کننده را از حالت و قوت و مرتبهٔ هریك فی‌الجمله وقوف و آگاهی بوده باشد -

و ایشان ، باعتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیء تالیف و شیرینیء کلام و شهرت خلق ، سه طبقه می شوند - واکنون شروع می رود بذکر صاحبان طبقهٔ اولی ، یعنی ،

اوّل از طبقهٔ اولی ، چمن آرای حدیقهٔ فصاحت ، نخل پیرای گلشن بلاغت، آب و رنگ بوستان سخندانی ، بلبل خوش لهجهٔ گلزار معانی ، امیر فصحا ، سرحلقهٔ ظرفا و بلغا ، ملك الشعرا ، مرزا محمدرفیع المتخلص (۱) بسوداست، (۱۸۷ ب) غفرالله له، که آوازهٔ سخنوریء او عالم را

---

(۱) گلشن گفتار ، ۷۳؛ نکات ، ٦ب؛ گردیزی، ۴۱ب؛ فص ، ۲۰۴ الف؛ مخزن ، ۳۵؛ چمنستان، ۷۳۲؛ حسن، ٦۲ب؛ گلز ، ٦۲ الف؛ لطف، ۱۰۳؛ عقد، ۴۹ ب؛ تذکره، ۴۴ الف؛ نغز، ۱ ، ۳۰۴؛ شیفته ، ۸۳ب؛ نتایج ، ۲۲۲؛ گلدسته، ٦۵؛ طبقات، ۱۰۹؛ سرا ا، ۹۷۳؛ مختصر ، ۸۸؛ جدولیه، ۱۳۹؛ شمیم، ۲۵؛ سخن، ۲۲۲؛ آبحیات ۱۴۸؛ طور ، ۵۱؛ خمخانه ، ۴ ، ۲٦۳؛ گل، ۱۳۲؛ انتخاب ، ۸؛ قاموس، ۱، ۳۱۱؛ عسکری ، ۷۱۲؛ جواهر، ۲، ۲۴۲؛ اشپرنگر، ۲۸۵؛ بلوم هارت، ۲۸ -

مولوی قدرت الله شوق رامپوری در تکملة الشعرا (۷۴۱ب) نوشته «مرزا رفیع سودا تخلص ، متوطن دهلی، از اکمل واشهر شعرای ریخته گوی هندوستانست- در ریخته گوئی عدیل و نظیر خود درخطهٔ هندوستان نداشت، و دم استادی و ملك الشعرائی میزد- درغزل و مثنوی ورباعی یکتای وقت خود بود؛ خصوصا درقصیده گوئی بیمثل(باقی)

فراگرفته ، و شهرهٔ اوستادیء او از قاف تابقاف در رفته ـ شاعری بود

(بقیه) و بی بدل بود ـ احوالش مفصل در «تذکرهء هندی» بتحریر آمده ـ دیوان کلیات او در ریخته قریب چهل جز دارد ـ گاهی فکر شعر فارسی هم می کرد ـ اشعارش قریب دو سه جز بنظر رسیده»ـ

مردان علی‌خان مبتلا، درگلشن سخن (۵٦ب) گفته، «سودا، اسمش مرزا محمد رفیع مولد و موطنش دارا لخلافهٔ دهلی ـ اعجوبهٔ زمان و سرخیل ریخته گویان هندوستان بوده ـ در جمیع فنون نظم، خاصه درقصاید دقت بسیار بکار برده ـ برزبان نکته سنجان بمسلم الثبوتی مشهور، و اشعار لطافت شعارش در چارسوق معانی مستندالیه جمهور ـ الحق مرتبهٔ ریخته گوئی بجائی رسانیده که شاهباز بلند پرواز فکرت به پیرامون او نمی تواند پرید؛ واشهب جهان گرد وهم و خیال بگرد او نمی تواند رسید ـ بالجمله آن مخترع فن تازه ازبدو شباب تاشصت سال در دهلی برفاه و عزت و حرمت و روشناسیء وزیر و امیر بسر برد ـ بعد ویرانی و خرابیء آن دیار نقل و حرکت نموده، چندی در فرخ آباد نزد نواب احمد خان گزرانید، و بعد وفات او بلکهنؤ آمد و ساکن گشت ـ نواب شجاع الدوله بهادر مرحوم کلمات شفقت و مروت بمرزای مزبور مرعی میداشت ـ تاحال که سنه یکهزار و یکصد و نود و چهار (است) در لکهنؤ استقامت دارد ـ کلیاتش از اقسام سخن شش هفت هزار بیت خواهد بود» ـ

عاشقی، در نشتر عشق (۱۳۳۲الف) می گوید ،«سودا، میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع مولدش شاهجهاناباد است ـ بسبب موزونیت طبع بآغاز حال تلاش نظم فارسی می کرد، و از سراج‌الدین علی‌خان ، آرزو تخلص ، اصلاح میگرفت ـ خان آرزو فرمود که — پایهٔ کلام فارسی بسیار عالیست، وزبان ماوشما هندی ـ و هر چند مردم هندی فارسی دانی را بمدارج ارتفاع رساند ، الا بااستادان سلف و ایران زمین ، که زبان ایشانست ، بجز چراغ پیش آفتاب رتبه ندارد ـ و در ریخته گوئی تاحال کسی شهرت نیافته ـ لهذا اگر باین زبان مشق سخن نمایند ، شاید از فیضان طبیعت سرآمد این دیار گردند ـ

چون صلاح مستحسن بود، پسند خاطرش افتاد، وازان روز بگفتن شعر ریخته طبع در داد ؛ و بعد از مشق دراندك فرصت استاد شعرای ریخته گو گردید؛ وبانیء مبانیء زبان دانیء ریخته گشت ، که جمیع ریخته گویان هند وی را امام این فن و پیغمبر سخن می دانستند ـ اگرچه جمله طرز کلام را استادی بود حاوی ، الا در مدح و قدح ، که مراد از هجو و قصیده باشد ، اعجاز بکار برده، و قصاید ریخته بر قصاید ملاعرفیء شیرازی پهلو به پهلو گفته و بهم رسانیده ـ غرض که مخترع و موجد این زبان و طرز خاص است که مثل او کسی ریخته گو را این مرتبه دست نداده؛ وکسانی که دم ریخته گوئی می زنند و زبان باین دعوی می کشایند، خوشه چین و راه نمودهء اویند که برآن قدم می نهند ـ

بعد تخریب دهلی از آمدن مکرر احمدشاه درانی ، وطن خود را خیرباد گفته به تماشا برآمد ، و در فرخ‌آباد و لکهنؤ مدتی گزرانید ـ هرکجا می رفت ، مردم آن‌بلده (باقی)

مسلم الثبوت - بهرقسمی از کلام که دست انداز شده ، چنانچه باید و

(بقیه) و والی‌ء آن قصبه ذات مغتنم الوجود او را بساعزیز می دانستند، و باوی بسلوك پیش می آمدند ، و قدروی می نمودند ، و خاطروی می کردند - آخر حال در شهر لکهنؤ فی سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و پنج ودیعت حیات بجان آفرین سپرده رهگرای منزل اصلی گردید، و بامام باڑه‌ء آقاباقر، که جای قبولیت است ، مدفن یافت - میرغلام همدانی متخلص به مصحفی در تاریخ او این مصرعه بهم رسانیده ، «سودا کجاوآن سخن دلفریب او» و رامی گفته ،

درسخن لطف کجا ماند که از حکم قضا　　　بادل پر هوس ، ای‌وای ! بمرده سودا
رامی‌ء غمزده تاریخ وفاتش بنوشت　　　«ز بجهان لطف سخن، وای‌!بمرده سودا»

و راقم ازهر دومصرعهٔ این بیت، سال وی برآورده ،

مپرس ازمن که اردو حال چونست　　　نه سودا ماند نه لطف سخن ماند

گاه گاهی بتلاش فارسی هم متوجه می‌شد» -

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری ، در روز نامچهٔ خود (۴۷ الف) می نویسد، «مرزا رفیع‌السودا بقصیده گوئی و مضامین تازه در مدح و قدح سرآمد روزگار خود بود؛ مگر پابند صحت الفاظ زبان دیگر نبود - «افتاوا» بجای آفتابه، و «محل» بسکون دوم بجای متحرك، و «مبرهن» بسکون باوفتح را، بجای فتح باوسکون را آورده است»-

میرولی الله ، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۵۱ الف، نسخهٔ کتابخانهٔ حافظ احمد علی خان مرحوم) می‌فرماید، «میرزا رفیع السودا، متخلص بسودا، از میرزایان شاهجهان آباد است- در عهد نواب احمد خان غالب جنگ ، وارد فرخ‌آباد شده ، در سرکار مهربان خان ، دیوان نواب، چند سال مقیم بود ، و شعرای آن زمان او را استاد خود می شمردند - و آخر عمر به لکهنؤ واردگردیده، با شعرای آنجا مشاعرات و مشاجرات نموده وفات یافت»

باتفاق اهل تذکره، وفات سودا درهمان سال واقع شده که در متن از و ذکر رفته است- شاه‌محمد حمزه مارهروی، در ذیل تاریخ محمدی، سودا را در وفیات ۱۱۹۵ه‍(۱۷۸۱ع) مندرج ساخته ، و باز در فصل‌الکلمات گفته ، که «یکی از تلامذه اش محمد قایم نام ، که بالفعل رفیق نصرالله‌خان ، نبیره‌ء علی‌محمدخان است، تاریخ وفاتش چنین بقلم آورده ،

آه ! مرزا رفیع دنیا سے　　　جاکے جنت میں جب مقیم ہوا
درد فرقت سے اوس کے مثل قلم　　　اہل معنی کا دل دونیم ہوا
سال تاریخ کی تھی مجھه کو تلاش　　　کیونکه بس حادثه عظیم ہوا
اس میں پیرخردنے از سر یاس　　　یه کہا «اب سخن یتیم ہوا»

اما در حصن المتین (ص ۱۴۳ ، شماره ۶۹۳ ، تاریخ عربی ، کتابخانهٔ آصفیه ، حیدر آباد) نوشته که سودا در اوایل ۱۱۹۶ه‍ (۱۷۸۲ع) فوت شد - نزد بنده ، اطلاعی درست نسبت برحلت سودا بدست مولفش نیامده است -

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور ، ۷ نسخهای خطیهٔ دیوان وکلیات سودا را دارا است -

شاید ، از عہدۂ آن بیرون آمده ؛ بلکه آن کلام را بمرتبۂ رسانیده که قوت هیچ موزونی بادای آن نمی رسد ـ غزل را بآن پاکیزگی و ملاحت ادا نموده که اگر می بود، صایب خود داد آن می داد ؛ و رتبۂ قصیده بآن متانت و علو رسانیده که عرفی اگر میخواند ، تلمیذانه سر ادب بپایش می نهاد ـ درادای حق مدح و منقبت ، اگر گویم ، گوی مسابقت از سلمان و ظهوری ربوده؛ و در ذکر هجوو مذمت، اگر برشمارم ، صدها دریچۂ استهزا و سخریه برروی هزلیات انوری و شفائی کشوده ـ کلامش بالتمام تبصره و سند است جهت جمیع شعرا ؛ و تالیفش سراسر آئین و دستور است پیش همه بلغا ـ غرض هر چه گفته‌است ، چنان گفته که کسی نمی تواند گفت ـ قید ریختہ که فقط برمحاورۂ اردوی معلی منضبط ساخته، و بنظم قصیده درین زبان بطرز فارسیان که نخست پرداخته، همین صاحب کمال بود ـ احسان این صفت وحق این صنعت بر گردن جمیع شاعران و فصحای هند مدام ازو باقی است ـ معهذا دیگر اوصاف و کمالات آن بیعدیل، که با نفس شریف خود جمع داشت ، چه‌گویم ؟ از آداب صحبت ملوك وسلاطین و آگاهی بعلم موسیقی و طرح نهادن بر سلام و مرثیه های گفتۂ خود و تهذیب اخلاق و تالیف قلوب و علم مجلس وغیره (۱۸۸ الف) چه هنر ها که درذات کامل الصفات اونبودند؟ مدام بصحبت امرا و وزرا گزرانیده ؛ همیشه بخلاع ثمین و جائزهای سنگین از خدمت اینها سرافراز بوده ـ مدتست که در لکهنؤ شربت ناگزیراجل چشیده ، زندگانیء بی اعتبار را جواب داد؛ وکلیات ضخیم (۱) که مملوبهمه قسمها (ی) سخن است، مثل داغ مهاجرت خویش ، بر صفحۂ روزگار یادگار گزاشت ـ مرقدش در امامباڑۂ آغا باقر مرحوم ، و

(۱) اصل، «ذخیم»

تاریخ و فاتش این است۔ مصحفی می گوید ۔ تاریخ ،

مرزا رفیع ، آنکه زاشعار هندیش

هر گوشه بود در همه هندوستان غلو

ناگه چو در نوشت بساط حیات را

گردید مدفنش ز قضا خاك لکھنؤ

تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی

"سودا کجا و آن سخن دلفریب او"

چند شعر از کلام آن مغفور تبرکا درین مقام هم ایراد می یابد۔(۱) فقط

سودا ، گرفته دل کو نه لاوو سخن کے بیچ

جوں غنچه، سو زبان ھے اوسکے دھن کے بیچ

جس نے ندیکھی ھو شفق صبح کی بہار

آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ

میں دشمن جان ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا

سو حضرت دل ، سلمه الله تعالی !

کہتا ھے نگه سے یه ترا گوشهٔ ابرو

دیکھے جو کوئی خون گرفته ، تو لگالا

اتنا ھے تو یوسف سے مشابه، که عدم کے

پردے میں چھپا اوس کی تئیں ، تجھکو نکالا

حال دل سے مرے جب تك وہ خبردار نه تھا

جز دم سرد، کوئی محرم اسرار نه تھا

پیار و اشفاق و وفا، مہر و محبت، الطاف

دل کو جس روز لیا ، کونسا اقرار نه تھا ؟

(۱۸۸ب) صحبتوں کا، نه کرو، غیر کی مجھه سے اخفا

---

(۱) نیز ملاحظه شود بوستان اوده، ۹۵، و سودا مصنفهٔ شیخ چاند مرحوم، و بیاض، ۱۳ ـ

کون سی شب تھی کہ مں وھاں پس دیوار نہ تھا ؟

جو عمل چاھیے کیجیے، مرے دوکھہ دینے کا
وہ نہ کیجیے کہ کہے کوئی، «سزاوار نہ تھا»

شبنم کرے ھے دامن گل شست و شو، ھنوز
بلبل کے خون کا، نہ گیا، رنگ و بو ھنوز

قد کو تیرے جس جگہ مشق خرام ناز ھے
اوس جگہ شور قیامت ، فرش پاانداز ھے

خط کے آتے ھی، چلے اکثر غلامی سے نکل
بندہ پرور، دیکھیے آگے، ھنوز آغاز ھے

شاعران ھند کا تو ، گرچہ ، پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں، اے سودا، تجھے اعجاز ھے

کیا جانیے ، کس کس سے نگہ اوسکی لڑی ھے ؟
جس کوچے(۱) میں جا دیکھو، تو ایك لوتھہ پڑی ھے

ٹھہرا ھے تری چال میں اور زلف میں جھگڑا
ھر ایك یہ کہتی ھے، «لٹك مجھہ میں بڑی ھے»

گو پیر ھوئی شاعری سودا کی ، جوانو
تم سے نہ کھچے گی، یہ کماں سخت کڑی ھے

سود ، جوں شمع ، نہیں گرمیء بازار مجھے
ھوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے

ھے قسم تجکو، فلك، دے تو جہاں تك چاھے
جلوۂ حسن اوسے ، حسرت دیدار مجھے

نہ پھرا ملك عدم سے کوئی یار ، اے سودا

---

(۱) اصل ، «کوچہ»۔

جانا اب ا(و)ن کی خبر لینے کو نا چار مجھے

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے، ہمکو بہت یاد کرو گے

نہ بھول، اے آرسی، گر یار سے تجھکو محبت ہے
بھروسا کچھہ نہیں اوس کا، یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

اوس دل کی تف آہ سے کب شعلہ بر آوے؟
بجلی کو، دم سرد سے جس کے، حذر آوے

(۱۸۹ الف)ٹك داغ سے چھاتی کے سرك جاے جو پھاھا
آتش کے تئیں، قدرت خالق نظر آوے

افعی کی یہ طاقت ہے کہ اوس سے بسر آوے؟
وہ زلف سیہ، اپنی اگر لہر پر آوے

نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے، ایکاش!
قاصد کے بدونیك کی مجھہ تك خبر آوے

اب کے تو گیا ہے، پر اوسے دیکھیو، ناداں
پل میں نہ اوڑاتا وہ، اگر، بال و پر آوے

صورت میں تو کہتا نہیں، «ایسا کوئی کب ہے»؟
ایك دھج ہے کہ وہ قہر ہے، آفت ہے، غضب ہے

دشنام تو دینے کی قسم کھائی ہے، لیکن
(۱) جب دیکھنے ہے وہ مجھکو، تو ایك جنبش لب ہے

یعقوب، ترے عہد میں یوسف کو جو روتا
کہتا میں کہ «یہ فہم (۲) پیمبر سے عجب ہے»

---

(۱) اصل، «جب دیکھے مجھکو وہ» - تصحیح از کلیات سودا، ۲۳۶ الف شمارہ ۶۹۹، نظم اردو -

(۲) اصل، «پیغمبر» - و تصحیح از کلیات مذکورہ -

کہتے ہیں جسے عشق ، تو وہ چیز ہے ، سودا
جوں ذات خدا، جس کے حسب ہے، نہ نسب ہے

عارض پہ حسن خط سے، دمك کیا ہے نور کی
یہ دود لڑ رہا ہے تجلی سے طور کی
طوفاں طرازیء مژۂ عاشقاں نہ پوچھہ
کچھہ آبرو رہی ہے نہ چشم تنور کی
سودا کو عاشقی سے رکھا چاہتا ہے باز
ناصح نصیحت اپنی سے ، خوبی شعور کی!

باتیں کدھر گئیں وے تیری بھولی بھولیاں؟
دل لیکے بولتے ہو جو تم اب یہ بولیاں
اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاك
جوں خوش قدوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں
کیا چاہیے حنا سر انگشت پر ترے؟
جس بیگنہ کے خون میں چاہیں ڈبولیاں
سودا کے ساتھہ صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑ کے ، گرہ اوسکی کھولیاں

(۱۸۹ب) «تونے سودا کے تئیں قتل کیا» کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے، تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں؟

سودا، تمار عشق میں شیریں کے ، کوھکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا ، سر تو کھوسکا
کس منہ پہ، پھر، تو آپ کہتا ہے عشق باز؟
ای رو سیاہ! تجھہ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

سودا جو کہے، گوش سے ہمت کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرس دل کی فغاں کا
ہستی سے عدم تک، نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا ، سفر ایسا ہے کہاں کا !

نگری آباد ہے ، (۱) بسے ہیں گانوں
تجھہ بن ، اوجڑ پڑے ہیں اپنے تھانوں

منڈا کر خط کو، کیوں کانٹے تم اپنے حق میں بوتے ہو؟
یہ عارض گل نہ ہووینگے ، عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

بسان دانۂ روئیدہ ، ایکبار گرہ
کھلی جو کام سے میرے ، پڑی ہزار گرہ

اگر عدم سے نہ ہو ساتھہ ، فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو لیکر ، پھر نہ ہو پیدا

سودا ، پیء دنیا تو بہر سو ، کب تک ؟
آوارہ ازیں کوچہ باں کو ، کب تک ؟
حاصل تو ہے یہ اس سے کہ تا دنیا ہو (۲)
بالفرض اگر یہ بھی ہوا، تو کب تک ؟

دوم از طبقۂ اولی ، متکلم سحرکار ، شاعر جادو کردار ، سلطان اقلیم فصاحت ، فرمان فرمای کشور بلاغت، مونس و غمخوار جماعۂ عشاق نام برآوردہ باوستادی در تمام آفاق، سلطان الظرفا. سیدالشعرا، مملکت سخن را امیر، سید محمد تقی المتخلص بہ میر، (۳) نَوَّرَ اللہُ مَضْجَعَهٗ، شاعری

(۱) اصل ‹‹بسیں›› ۔ (۲) درین مصرع الفاظ دیگر ہم مرویست
(۳) نکات ۲۶ الف ؛ گردیزی ، ۲۴ الف ؛ فصن ۲۲۴ب؛ مخزن ۴۰؛ چمنستان ۲۶۱؛ حسن ۱۱۳ الف؛ طبقا ، ۳۲؛ گلز ، ۱۷۰ب؛ لطف ، ۱۵۲؛ عقد ، ۸۷ب؛ تذکرہ ، ۲۸ب؛ (باقی)

بود پر قوت؛ بر جمیع اقسام سخن (۱۹۰ الف) قادر؛ بهمه دقایق سخن وری

(بقیه) نغز، ۲، ۲۲۹؛ شیفته، ۱۷۷ب؛ نتایج، ۴۱۳؛ گلدسته ۳۶؛ طبقات، ۱۱۵؛ جد و لیه، ۱۳۹؛ مختصر، ۹۲؛ شمیم، ۲۶؛ سخن، ۹۷۴؛ بوستان اوده، ۹۶؛ آبحیات، ۲۰۳، ۲۴۱؛ گ.ل، ۱۵۰؛ انتخاب، ۲۰؛ قاموس، ۲، ۲۴۴؛ عسکری، ۱۶۹؛ مقدمهٔ مثنویات میر از سید محمد؛ بیاض، ۲۵؛ جواهر، ۲، ل؛ مقدمه کلیات میر، مرتبه آسی؛ اشپرنگر، ۱۷۵؛ بلوم هارث، ۳۲ —

خان آرزو، در مجمع النفایس (۴۰۴ الف) می فرماید، «میرمحمد تقی المتخلص بمیر، مولدش مستقر الخلافهٔ اکبرآباد است. در اول مشق اشعار ریخته، که بزبان اردو شعریست بطرز شعر فارسی، توغل بسیار نموده؛ چنانچه شهرهٔ آفاقست. و بعد آن بگفتن اشعار فارسی بطرز خاص گرویده، قبول خاطر ارباب سخن و دانایان این فن گشت. طبعش بمضامین تازه و غیرمبتذل معنی پرداز است، و اشعار او بلطافت ادا و انداز. از بسکه ذهن مناسب و طبع ثاقب یافته، در ابتدای مشق شعر رتبهٔ سخن را بپایهٔ انتها رسانید. از چند سال بجناب معالی القاب ..عمدة الملك مهاراجه بهادر ...کامیاب فراوان فیوضات و بهره اندوز انواع احسان و پرداخت و احوال بفراغبال می گزراند... هر چند میر دیوان مختصر دارد، اما غزلهای دردمندانه و عاشقانه می گوید».

و قیام الدین حیرت، در مقالات الشعرا (۲۷ب) می گوید، «میر محمدتقی میر تخلص، همشیره زادهٔ خان آرزو مغفور است. اکثر اشعار ریخته می گوید. و تذکره متضمن احوال شعرای ریخته گو نیز تالیف نموده. و هر هفته روزی بخانه اش اجتماع ریخته گویان و مشاعرات در ایشان می شود. در شعر فارسی هم مهارتی پیدا کرده. چند شعر خود را بخط خود نگاشته برایصاحب خداوند داده بود که داخل تذکره نمایند».

و میر علاء الدوله اشرف علیخان، در تذکرة الشعرا (۳۶۶ب) می نویسد، «میر تقی میر از ریخته گویان مشهور و همشیر زادهٔ سراج الدین علیخان آرزو است».

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۸۸ب) فرموده، «میر محمدتقی نام، میر تخلص، همشیره‌زادهٔ سراج الدین علیخان آرزو است. در فنون شاعری و قواعد دانیء فارسی یگانهٔ آفاق، خوصا در ریخته گوئی وحید زمانه و نهایت طاقست. از اشهر شعرای هندوستانست از چند سال در بلدهٔ لکهنؤ بطلب وزیر الممالك آصف الدوله رفته است، و نواب موصوف با او برعایت پیش آمد. تاحال کرس سخنوری در لکهنؤ می نوازد. پنج دیوان ریخته و مثنویهای متعدده دارد در زبان هندی. گاهی در فارسی هم تلاش معنیء تازه میکند».

و مبتلا در گلشن سخن (۷۸ب) نوشته، «میر محمد تقی متخلص بمیر، شاگرد سراج الدین علیخان آرزو است»

و مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روز نامچهٔ خود (۷۳ب و ۷۴ الف) می نویسد، «تقی میر، الفاظ زبان دیگر، چه فارسی وچه عربی، غلط نمی آرد. حرکت هر جا که بنظم اوست، بحرکت دوم (؟) است. و تعقید هم در کلامش کم است. و در نشست کلمات بموقع وچستیء ترکیب بزمرهٔ معاصران ممتاز بود؛ لیکن مضمون تازه بدیوانش (باقی)

عالم و ماهر - غزل را بطرزی گفته که هیچکس نمی تواند؛ بلکه درین باب بملك الشعرا هم حرف است - چون کلامش، بسبب وسعت، جامع

(بقیه) کم توان یافت؛ وبعینه ترجمهٔ اشعار فارسی در ابیاتش بسیار - غالبا عمدا برای تعلیم ترجمهٔ نظم بنظم بدیگران گفته باشد - میفرماید،

تیرے قدم کا ہوگا جس جانشاں زمیں پر رکھیں گے سر کو اوس جا صاحبدلاں زمیں پر

حافظ گوید،

بر زمینی که نشان کف پای تو بود سالها سجدهٔ صاحب نظران خواهد بود

ونیز میر حروف صله بموقع آرد، مانند، سے و پر و کو و میدانم که در ریخته برای شهرت استاد همچنان باید؛ که در استعمال مفردات هندی هردو برابر اند، مگر الفاظ زبان دیگر - وترکیب چست و سست و مواقع حروف روابط چه در گفتار عامه و خاصهٔ یك شهر، که مفردات کلام همه یکی باشند، بدین چیزها تفاوت در مراتب حسن و قبح کلام بسیار باشد - و الفاظ مفردهٔ جناب میرمطبوع نی؛ چه گاهی یکسر هندیٔ دیهه می آرد وگاهی لغت قاموس»

و عنایت حسین خان مهجور، در مدایح الشعرا (۳٦ الف) می گوید، «اسم سامی و نام نامیٔ آن شاعر یگانه، وحید زمانه، کشاف اسرار مالا ینجلی، میر محمد تقی، علیه الرحمه مولد و موطن آن صاحب سخن اولا شهر اکبرآباد، و بعده در شاهجهان آباد دهلی است» -

و از خط محمدمحسن المخاطب بزین الدین احمد، که برنسخهٔ دیوان چهارم میر، (محفوظ بکتابخانهٔ ریاست محمودآباد) ثبت افتاده، بدریافت میرسد که میر «بروز جمعه بستم شعبان المکرم وقت شام سنه یکهزار و دوصدوبست و پنج هجری (۱۸۱۰ع)، در شهر لکهنؤ در محلهٔ ستهٹی، بعد طی نه عشرهٔ عمر، بجوار رحمت ایزدی پیوستند، وبروز شنبه بست و یکم ماه مذکور وقت دوپهر، در اکهاڑهٔ بهیم، که قبرستان مشهور است، نزدقبور اقربای خویش مدفون شدند» - (مقدمهٔ کلیات میر، آسی، ۸) -

- و بر همین تاریخ اتفاق ارباب تذکره است، باستثنای انتخاب که درو غالبا از راه سهو ۱۲۲۲ھ (۱۸۱۰ء) نوشته شده -

درکتابخانهٔ عالیهٔ رامپور، ۵ نسخهای خطیهٔ دیوان و کلیات میر یافته می شود - یکی از ینها، که مشتمل بر هفت دیوان و فیض میر و ذکر میر می باشد، شیخ لطف علی حیدری بین ۲۷ رمضان ۱۲۴۵ھ (۱۸۳۰ء) و سلخ رمضان ۱۲۴٦ھ (۱۸۳۱ء) برای مرزا قنبرعلی صاحب، نوشته بود - از الواح زرین وجد اول رنگینش بوضوح می پیوندد که کاتب درنقل این نسخه اهتمامی بکار برده است - و از اول کتاب تا آخر ردیف اللام از دیوان سوم، دربین السطور و برحواشی مطالب اشعار را در زبان فارسی شرح کرده شده است - کاتب این حواشی، که بالجزم غیر کاتب نسخه است، هیچ جا اسم خود را نشان نمی دهد - اما بعید نیست که همان مرزا قنبرعلی صاحب باشد که برای او این نسخه نوشته شده -

اکثر کلمات محاوره افتاده، افادۀ سند ازان نسبت بکلام مرزا زیاده تر است؛ اما تقلید و پیرویء او نهایت دشوار - اگرچه کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاهر آسان نظر می آید، ولی ممتنع است - بیشتر شعرا مقلد او هستند و مطلق طرزش نمی یابند، بخلاف مرزا محمد رفیع که باوجود کمال پختگی، که دارد، تقلیدش هر صاحب فهمی را ممکن - و برشتگیء کلام و نزاکت معانیء میر راچه گویم ؟ یا استادی و معلومات این مسلم الثبوت را چه نویسم ؟ سلمای اعتبار میر درین فن با لیلای شهرت مرزا دریك محمل سوار، و آفتاب شهرۀ این هر دو بی‌عدیل، بچرخ علو در یك درجه گرم اشتهار - لهذا نواب آصف‌الدولۀ مغفور و مرحوم، هم بعد رحلت مرزا، میر را از شاهجهان‌آباد فخریه طلب داشته، بمنصب عالی ملازم ساخت (۱)، و از خاطرداری و پاس مشارالیه، هیچ دقیقه فرو نمی گذاشت؛ حالانکه جناب میر، بغرور کمال و استغنای تصوف که مضمر بخاطرش بوده، اکثر کم التفاتی و بی اعتنائی بحال مردم می نمود ؛ بلکه گاه گاه با امرا هم، چناچه باید، راه التفات و مبالغت نمی پیمود - چنانچه نقل است که روزی میر صاحب قصیدۀ تازه گفته، بدربار آوردند - نواب وزیر، که از چاشت فراغت کرده، متوجه شنیدن شد - میر صاحب (۱۹۰ب) شروع بخواندن کردند و طول دادند - اتفاقا آن روز ملامحمد، مغلی را که تازه از ولایت آمده و شاعر هم بوده، برای ملازمت(۲) آورده ، می خواست که آنهم چیزی در مدح (۳) حضور بخواند، وتطویل قصیدۀ میر وقت نگذاشت - ملامحمد تنگ آمده گفت که ,, میر صاحب، قصیده خوب است ، اما طولانی - اگر دماغ نواب صاحب وفا نمی کرد، که می شنید؟،، میر بمجرد استماع بیاض از دست انداخته

(۱) برحاشیه نوشته، «نسخه، سر فراز نمود،، (۲) اصل، «ملاذمت» (۳) اصل، «مدح در،، .

و منغض شده گفت که «اگر دماغ نواب وفا نمی کرد، دماغ من بکجا وفامی نماید؟» مطلق پاس حضور نه نمود- نواب، که خود خلق مجسم بوده، استمالۂ مزاج میر بکمال مہربانی و منتہا نموده، بقیۂ قصیده هم تمام شنید، و خاطر ملا هیچ نکرد، باوصف اینکه او با نواب صیغۂ اخوت داشت - غرضکه شرح صفات و بیان کمالات آن سیدالشعرا از قدرت قلم و زبان زاید است - بعد نواب هم زندگانیء بسیار کرد- سه چهار سال شده که در لکھنؤ وفات یافت - شش «دیوان» ویك «دیوانچه» و چند مثنوی، « شکار نامۂ » و «طیاریٔ هولی » وغیره، که باشارۂ وزیر مرحوم نوشته بود، همه در زبان ریختہ، و چند جزونثر ونظم فارسی، در دهر یاد گار گزاشته است- چنانچه تاریخ آن یگانۂ زمانه، مرزا مغل فرزانه، که هضما لنفسه، غافل تخلص درکلام میگزارد، درین قطعه نظم فرموده، تاریخ،

جب دل احباب پر ، موجب رنج و الم
(۱۹۱ الف) واقعۂ جاں گداز میر تقی کا ہوا

مادہ تاریخ کا ، پیر خرد نے وہیں
درد کے رو سے کہا، «آج نظیری موا»
(۱۲۲۵ھ)

این چند شعر از کلام آن جادو کردار درین جا نو شته می شوند،

پڑتی ہے آنکھ جاکر، ہر دم، صفای تن پر
سو جی کیے تھے قرباں، اوس شوخ کے بدن پر

نام خدا ، نکالے کیا پاؤں رفتہ رفتہ !
تلوار یں چلتیاں ہیں اوسکے تو اب چلن پر

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

کبھی میر اس طرف آکر، جو چھاتی کوٹ جاتا ھے
خدا شاھد ھے، اپنا تو کلیجه ٹوٹ جاتا ھے

جو یهه دل ھے، تو کیا سر انجام ھوگا ؟
ته‌خاك بھی خاك آرام ھوگا !

جفا و جور سہے ، کج ادائیاں دیکھیں
بھلا ھوا که تری سب برائیاں دیکھیں
تری گلی سے سدا ، اے کشندۂ عالم !
ھزاروں آتی ھوئیں چار پائیاں دیکھیں

گرم مجھه سوخته کے پاس سے جانا کیا تھا؟
آگ لینے مگر آئے تھے ، یه آنا کیا تھا ؟
دیکھنے آئے دم نزع، لیے منه په نقاب
آخر وقت مرے، منه کا چھپانا کیا تھا ؟

آزار دیکھے کیا کیا، اون پلکوں سے اٹك کر
جی لیگئے یه کانٹے، دل میں کھٹك کھٹك کر

ھم خسته دل ھیں تجھه سے بھی (۱) نازك مزاج تر
تیوری چڑھائی تونے که یہاں جی نکل گیا

چھیڑا ھے کس نے، سو تم غصے ھوے کھڑے ھو؟
یهه بات ایسی کیا تھی، جس پر اولجھه پڑے ھو (۲)
ھوتے ھیں خاك ره بھی، لیکن نه میر ایسے
رستے میں آدھے دھڑ تك مٹی میں تم گڑے ھو

---

(۲) مابین القوسین از اصل ساقط شده است (۲) اصل، «الجھه رھے ھو» و در نسخۂ نولکشور (۱۹۴۰ء) مصرع اول باین طور واقع شده، «زلفوں کو میں چھوا، سو غصے ھوے کھڑے ھو» -

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں ؟

(۱۹۱ب) کہتا ہے کون، میر، کہ بی اختیار رو؟
ایسا تو روکہ رونے پہ تیرے هنسی نہو

اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر یہاں مسیح علیہ السلام کا ؟

ناز چمن وهی ہے بلبل سے، گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بهی ہے، سو شاخ زعفران ہے

عشق کو بیچ میں، یارب، تو نہ لایا ہوتا
یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا

کم اٹھانا (تها)(۱) نقاب، آہ! کہ طاقت رهتی
کاش یکبار همیں منہ نہ دکهایا ہوتا

کهلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اوسکی، میر
سمند ناز پہ ایك اور تازیانہ هوا

جم گیا خون کف قاتل پہ، زبس، تیرا میر
اون نے رو رو دیا کل، هاتهہ کو دهوتے دهوتے

دل ہے مجروح، ماجرا ہے یہ
وہ نمك چهڑکے ہے، مزا ہے یہ

آگے تهے ابتدای عشق میں هم
اب جو هیں خاك، انتہا ہے یہ

بس هوا ناز، هوچکا اغماض

---

(۱) اصل، «اونے»، بنون مشدد ۔

ہر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ ؟
ہے رے ! بیگانگی ، کبھو اوس نے
نہ کہا یہ کہ «آشنا ہے یہ»
ذبح کر مجکو ، یار ہنستا ہے
بسملو ! (۱) لوٹنے کی جا ہے یہ
میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

یہاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آپھرا
دیکھا نہ ، بد گمان ہمارا بھلا پھرا ؟
طالع پھرے، سپہر (۲) پھرا، قلب پھر گئے
چندے وہ رشک ماہ جو ہم سے جدا پھرا
خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا ؟
مرتے موا پر اوسکے کبھو گھر نہ جا پھرا

(۱۹۲ الف) پھرتے کب تک شہر میں اب سوی صحرا رو کیا
کام اپنا اس جنوں میں ہمنے بھی یکسو کیا

کیا چال نکالی ہے کہ جو دیکھے سو مرجائے
بہچک کوئی رہ جائے ، کوئی جی سے گزر جائے

لے رنگ بے ثباتی ، یہ گلستاں بنایا
بلبل نے کیا سمجھہ کر ، یہاں آشیاں بنایا ؟
اوڑتی ہے خاک، یارب، شام و سحر جہاں میں
کسکے غبار دل سے یہ خاکداں بنایا ؟

---

(۱) اصل؛ «بسملو»۔ (۲) اصل؛ «سپہری»۔

سرگشته ایسی کس کی هاتهه آگئی تهی مٹی؟
جو چرخ‌زن قضا نے یه آسماں بنایا

اس صحن پر یه وسعت، الله رے، تیری قدرت!
معمار نے قضا کے، دل کیا مکاں بنایا!

بہار آئی هے، غنچے گل کے نکلے هیں گلابی سے
نہال(۱) سبز جهو میں(۲) هیں گلستان مین شرابی سے

هر بات پر خشونت، طرز جفا تو دیکهو
هر لمحه بے ادائی، اوس کی ادا تو دیکهو

گل برگ سے هے نازك، خوبیء پا تو دیکهو
کیا هے چمك کفك کی، رنگ حنا (۳) تو دیکهو

سایه میں هر پلك کے خوابیده هے (۴) قیامت
اوس فتنهٔ زماں کو کوئی جگا تو دیکهو

باغ گو سبز هوا، پر سر گلزار کہاں؟
دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یار کہاں؟

یك جہاں مہر و وفا کی جنس تهی میرے کنے
لیکن اوسکو پهیر هی لایا، جہاں میں لے گیا

ریخته کا هے کو تها اس رتبهٔ عالی میں، میر
جو زمیں نکلی، اوسے تا آسماں میں لے گیا

بولا، جو مو پریشاں آنکلے میر صاحب
«آنا هوا کدهر سے، کہیے فقیر صاحب!»

شیون میں شب کے، ٹوٹی زنجیر، میر صاحب

---

(۱) اصل، «نہالی» (۲) اصل، «جهو نمین» (۳) اصل، «خفا» ـ و در نسخهٔ نولکشور (۱۹۴۰ء) «جهمك کفك کی» (۴) اصل، «خوابیاده قیامت» ـ

اب کیا مرے جنوں کی تدبیر، میر صاحب؟

(۱۹۲ب) کھچتی نہیں کماں اب ہم سے ہوای گل کی

باد سحر لگے ہے جوں تیر، میر صاحب!

سیر دلی سے کی میں تا صورت

نہ ملا کوئی آشنا صورت

حلقے آنکھوں میں پڑگئے، منه زرد

ہوگئی، میر، تیری کیا صورت؟

کل لیگئے تھے یار ہمیں بھی چمن کے بیچ

اوسکی سی بو نه پائی گل و یاسمن کے بیچ

کشته ہوں میں تو شیرین زبانیء یار کا

ہوتی زباں وہ، کاش! ہمارے دہن کے بیچ

گر، دل جلا یہی، ہم ساتھه لے گئے

تو آگ لگ اوٹھے گی ہمارے کفن کے بیچ

ہے قہر، وہ جو دیکھے نظر بھر کے، جس نے، میر

برہم کیا جہاں مژہ برہم زدن کے بیچ

فرہاد و قیس جس سے مجھے چاہو پوچھه لو

مشہور ہے فقیر بھی اہل وفا کے بیچ

ہجر میں خون ہوگیا غم سے

دل نے پہلو تہی کیا ہم سے

دھوتے ہو اشك خونی سے دست و دہن کو، میر

طور نماز کیا ہے، جو ہے یه وضو کی طرح؟

سحر گوش گل میں کہا میں نے جا کر

«کھلے بند، مرغ چمن سے ملاکر،،
لگا کہنے، «فرصت ھے یہاں ایک تبسم
تو وہ بھی گریباں میں منہ کو چھپاکر»

تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر!
بگاڑا تجھے، خوبصورت بنا کر

امیروں تک رسائی ہوچکی بس
مری بخت آزمائی ہوچکی بس
شرر کی سی چمک ھے، فرصت عمر
جہاں دی ٹک دکھائی، ہوچکی بس
(۱۹۳ الف) دنی کے پاس کچھہ رھتی ھے دولت،
ھمارے پاس آئی، ھوچکی بس

فکر میں مرگ کے ھوں سر در پیش
ھے عجب طرح کا سفر درپیش!
کیا پتنگے کو شمع روئے، میر؟
اوسکی بھی شب کو ھے سحر در پیش

دل جلا، آنکھیں جلیں، جی جل گیا
عشق نے کیا کیا ھمیں دکھلائے داغ!
صحبت کسی سے رکھنے کا اوسکو نہ تھا دماغ
تھا میر بیدماغ کو بھی کیا بلا دماغ!

میر، آج وہ بدمست ھے، ھشیار رھو تم
ھے بیخبری اوس کو، خبردار رھو تم

اوسکے کاکل کی پہیلی کو بھی تم بوجھے، میر؟

کیا ہے ؟ زنجیر نہیں ، دام نہیں، مار نہیں
چمکنا برق کا کرتا ہے کار تیغ ہجراں میں
برسنا مینه کا داخل ہے اوس بن تیرباراں میں
سو بار مست کعبے میں ، پکڑے گئے ہیں ہم
رسوائی کے طریق کے کچھه نا بلد نہیں
(۱) نه دماغ ہے ، که کسو سے جا کریں گفتگو، غم یار میں
نه فراغ ہے ، که فقیروں سے ملیں جا کے دلی دیار میں
کوئی شعله ہے، که شرارا ہے ،که ہوائی ہے ، که ستارا ہے ؟
یہی دل جو لیکے گڑیں گے ہم ، تو لگے گی آگ مزار میں
جھکیں ٹك که جی میں چبھی سہی ، ھلیں ٹك که دل میں کھبی سہی
یه جو لاگ پلکوں میں اوسکی ہے، نه چھری میں ہے نه کٹار میں
بہار آئی، کھلے گل پھول شاید باغ رضواں میں
جھلك سی مارتی ہے کچھه سیاھی، داغ سوزاں میں
بہت تھا شور وحشت سر میں میرے، سو مصور نے
لکھی تصویر، تو زنجیر پہلے کھینچ لی پا میں
سر کاٹ کے ڈلوادیے ، انداز تو دیکھو
پامال ہے سب خلق خدا، ناز تو دیکھو
(۱۹۳ب) ضعف بہت ہے، میر ، تمھیں اب اوسکی گلی (میں) مت جاوو
صبر کرو ٹك اور بھی، صاحب، طاقت جی میں آنے دو
بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن پھٹے، تو ٹانك دو گل کے گریباں سے

---

(۱) این غزل در نسخۀ نو لکشور یافت نمی شود .

خدا جانے، کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے؟
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ(۱) حیران سے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی ؟
سب مزے، میر، در کنار رہے

غربت پہ مہرباں ہوئے، تو میر (۲) یہ کہا
«ان کو غریب کوئی نہ سمجھو، غضب ہیں یہ»

فرہاد و قیس کے گئے، کہتے ہیں مجھکو لوگ
«رکھے خدا سلامت انہوں کو، کہ اب ہیں یہ!»

خوش طرح مکاں دل کے ڈھانے میں شتابی کی
اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی

سکتا ہے ادھر کو دل، بہتا ہے جگر اودھر
چھاتی ہوئی ہے میری، دکان کبابی کی

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجر و ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے، قیامت ہے!

زنہار! نہ جا پرورش دور زماں پر
مرنے کیلیے لوگوں کو طیار کرے ہے

کیونکر نہ ہو تم میر کے آزار کے درپے؟
یہ جرم ہے اوسکا کہ تمھیں پیار کرے ہے

رکھتا تھا ہاتھہ میں سر رشتہ بہت سینے کا
رہگیا، دیکھہ رفوچاک، مرے سینے کا

کٹی زخم کھاکر، تڑپتا رہا دل

(۱) اصل: «پر» (۲) اصل: «میر تو».

تسلی هے موقوف زخم دگر پر

دل جلتے کچهه بن نهیں آتی، حال بگڑتے جاتے هیں
جیسے چراغ آخر شب، هم لوگ نبڑتے جاتے هیں
راه عجب در پیش هے آئی همکو یهانسے جانیکی
یار و همدم، همراهی، هر گام بچهڑتے جاتے هیں
(۱۹۴ الف)ضعف دماغ سے، افتاں خیزاں، چلتے هیں هم راه عشق
دیکهیے کیا پیش آئے، ابتو گرتے پڑتے جاتے هیں
میر، بلا ناساز طبیعت لڑکے، هیں خوش ظاهر بهی(۱)
ساتهه همارے جاتے هیں، پر همسے لڑتے جاتے هیں

نالہ جب گرم کار هوتا هے
دل، کلیجے کے پار هوتا هے

آنکهوں کی طرف گوش کی درپرده نظر هے
کچهه یار کے آنے کی، مگر، گرم خبر هے
وه ناوك دل دوز هے لاگو مرے جی کا
تو سامنے هو، همدم، اگر تجهه میں جگر هے
کر کام کسو دل میں، گئی عرش پہ، تو کیا؟
ای آه سحر گاه! اگر تجهه میں اثر هے
اس عاشق دل خستہ کی مت پوچهه معیشت
دنداں بجگر، دست بدل، داغ بسر هے

طرفه، خوش رو دم خوں ریز ادا کرتے هیں
وار جب کرتے هیں، منه پهیر لیا کرتے هیں

(۱) این مصرع در اصل مصحف شده است ۔

سیوم از طبقهٔ اولی، امیر قشون سخنوران، سردار لشکر شاعران، عارف انواع معانی، واقف رموز سخن سنجی ونکته دانی، خواجه میر المتخلص بدرد (۱) عفی الله عنه، که کمیت فصاحت در میدان

(۱) نکات: ۷ ب؛ گردیزی: ۱۲ الف؛ قص: ۴۱۹ الف؛ مخزن: ۳۸؛ چمنستان: ۵۷؛ حسن: ۵۰ب، طبقا: ۳۰؛ گلز: ۵۶ الف؛ لطف: ۹۸؛ عقد: ۴۰ الف؛ تذکره: ۳۲ الف؛ نغز: ۱، ۲۴۰؛ شیفته: ۶۳ الف: نتایج: ۱۶۸؛ گلدسته: ۱۵؛ طبقات: ۹۷؛ سراپای: ۱۰۲، ۲۴۷، ۲۶۹؛ جدولیه: ۱۳۹؛ شمیم: ۲۸؛ سخن: ۱۵۸؛ شمع: ۱۵۰؛ تقصار: ۱۹۲؛ آب حیات: ۱۸۴؛ طور: ۳۵؛ خمخانه: ۱۶۸،۳؛ گل: ۱۷۰؛ انتخاب: ۱۱، قاموس: ۱، ۲۳۷؛ عسکری: ۱۱۷؛ جواهر: ۳۵۵،۲؛ اشپرنگر: ۲۱۸ -

خان آرزو، در مجمع النفایس (۱۵۰ الف) می فرماید: «خواجه میر' درد' تخلص، پسر جناب عرفان مآب حضرت خواجه محمد ناصر، سلمه ربه - سلسلهٔ آبای او بلا شبهه بحضرت خواجه بهاءالدین محمد نقشبند میرسد - از بزرگی وکمال خانوادهء او چه توان نوشت؟ علی‌الخصوص والد بزرگوار او، خواجه محمد ناصر که امروز فلک شمس هدایت است. الغرض خواجه میر جوانیست خیلی صاحب فهم وذکا، و باشعر بسیار ربط دارد' سیما ریخته که الحال درهندوستان رواج دارد - فارسی هم خوب می گوید، چه بسیار بمذاق آشنا است - بالقوه اش آنچه دریافت می شود، اگر بفعل می‌آید، انشاء الله تعالی، ازجملهٔ آنها می شود که درفن تصوف صاحب نامند - بزبان فارسی رباعی اکثر می‌گوید، وبااین عاجز ربط خاصی دارد' وخیلی شفقت براحوال این می نماید -»

و حیرت، در مقالات الشعرا (۳۷ الف) می‌نویسد: «خواجه میردرد، ولد خواجه ناصر عندلیب' از متوطنین شاهجهان آباد، برسائیء فهم وعلوی استعداد موصوف است - اکثر شعر ریخته می گوید، وگاهی بطرف فارسی هم مایل -»

و شوق رامپوری، درجام جهان نما (۳۵۶ الف) می گوید: «خواجه میردرد نقشبندی، جامع علوم وتصوف بود - نسبت ارادت و خرقهٔ باطنی از پدر بزرگوار خود، خواجه ناصر داشت - واو نسبت مریدی از قدوة السالکین شاه گلشن' که در عهد اورنگ زیب عالمگیراز مقتدای زمانه بود، داشت - و خواجه میر درویش صاحب نسبت واهل دل بوده، و بجمیع اوصاف واخلاق حمیده اتصاف داشت؛ و در ترك و تجرید و استغنا مستثنیء وقت خود بود؛ و در نظم و نثر مهارت تمام داشت - شعر هندی و فارسی متصوفانه خوب می گفت - اکثر رباعیات درتصوف موزون کرده' که ازان چاشنیء درویشی واضح و لایح می گردد - و رسالهٔ «نالهٔ درد» «و آه سرد» در سلوك خوب گفته - از مشاهیر مشایخ وقت بوده - دردویم هر ماه مجلس سماع بخانهٔ او شدی، و اکثر مشایخ کرام دهلی مجتمع می شدند، و حالات برایشان طاری می گشت - مردی وجیه' اهل درد، صاحب نسبت بود - درسنهٔ تسع و تسعین و مایة والف هجری ازین جهان بدار القرار رحلت کرد -» (باقی)

شاعری دوش بدوش مرزا رانده، و آیت بلاغت از مصحف شهرت

(بقیه) و در تکملة الشعرا (۱۱۳ الف) می نویسد: «خواجه میردرد متخلص بدرد، خلف الصدق خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است. سلسلهٔ ارادت ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد. و او بزرگ منش و درد مند پیشتر شعر ریخته می گفت. چنانچه دیوانش درزبان ریخته، که عبارت از زبان اردوی شاهجهان آباد است، مشهور. و از چند سال طبیعت آن اهل کمال متوجه بفارسی گوئی است. اکثر رباعیات منصوفانهٔ او بسمع رسیده؛ بلکه یك مرتبه جزوی از اشعار غزلیات ورباعیات خود از دستخط خاص بقید قلم در آورده عنایت فرموده بودند. الغرض او از مشایخ کرام ذوی الاحترام دهلی بوده، و بسیار بکروفر و تمکنت ظاهری بسر می برد. و اکثر سلاطین وقت و امرای عصر شاه عالم بادشاه در خدمت او آمده مستفید می شدند. و در ابتدای هر ماه مجلس نو بطریق عرس درخانهٔ آن بزرگوار ترتیب می یافت، و ازدحام خلایق از فقراو مشایخ وعلما و عوام الناس می شد. و اکثر مجلس سماع می کرد، و برفقرا حالات طاری شدی، وقوالان کامل فن دران مجلس جمع می شدند. و خود هم آن صاحب حالات منبعه درفن موسیقی درك کمال داشت، که اکثر موسیقی دانان ازو اخذ میکردند. اگرچه شاعری دون مرتبهٔ او بود، فاما سخنور صاحب کمال و خوش مقال و صاحب فضل و کال و اهل مقال و حال بود. چند سال شد که ازین دار ملال انتقال کرد.»

و مبتلا، در گلشن سخن (۴۳ب) گفته: «خواجه میردرد، خلف الصدق خواجه ناصر دهلوی ست. مرکزدایرهٔ اهل کال، سخن سنج، نکته رس، شیرین مقال. قطع نظر از مهارت فنون سخن، که دون مرتبهٔ آن والا مقام ست، در خدا پرستی و تحمل مصایب و تسلیم نوایب نظیر خود ندارد. سید عالی مرتبت، مقیم گوشهٔ عزلت، رهرو شهرستان تفرید، و سایر کوچهٔ تجرید. دیوان ریخته اش اگرچه از هزاربیت متجاوز نیست، لیکن همه یك دست، واحتیاج به انتخاب ندارد. در شاهجهان آباد تا این زمان که سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و چهار هجری ست، گوشهٔ انزوا اختیار نموده، بهره یاب فیوضات نامتناهی الهی است.»

و مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (٦٢ الف) نوشته: «و مزار خواجه میر درد است که رباعیاتش و غزلهای ریخته هم درد آمیز. رسالهٔ آه سرد و نالهٔ درد، و واردات، از مصنفات وی گواه بتبحر وی بعلم تصوف و دلیل موشگافی او در مسایل دقیق این فن اند.»

و حسین قلیخان عاشقی، در نشتر عشق (۲۵۴ب) مذکور ساخته: «درد تخلص المشتهر بخواجه میر درد شاهجهان آبادی، خلف الصدق و ولد ارشد خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است که از احفاد امجاد شیخ بهاءالدین نقشبند، رحمة الله علیه، بود. در تصوف و زهد و اتقا و آزاد وضعی یگانهٔ زمانه. کلامش همه پر درد (باقی)

و نام آوری رو برروی میر برخوانده- والحق که چنین بوده است، چه کلام صفانظام او، اگرچه کم است، لیکن درمتانت و چستیء تالیف زیاده از مرزا است؛ و دیوان اشعارش، اگرچه بضخامت (۱) کمتر، اما در روانی و مزه با همه دواوین(۲) میر همپاست - در تعریف آن وحید عصر، قلم هرچه نگارد، رواست؛ و دروصف (۱۹۴ ب) و محامد

(بقیه) رگداز است، ومضامینش پر ناز و نیاز - بعد میرزا محمدرفیع السودا در عصر خویش سرآمد ریخته گویان هند است - و درفارسی هم دیوانی ترتیب داده - کلامش همه تصوف است. دربست و سویم هر ماه مجلس سرود و مشاعره درکاشانهٔ فیض نشانه اش مرتب می گشت و تمامیٔ شعرای دارالخلافه و نغمه سنجان حاضر می آمدند؛ و خود هم در علم موسیقی مهارتی کلی داشت - چنانچه تاهنوز بمعمول قدیم مجلس سرود بخانهٔ او آراسته می شود- نحویکه میرزا محمد رفیع متخلص بسودا در مدح و قدح استاد وقت بود؛ ذات میر در رباعی گوئی بی بدل و یکتا - بتاریخ بست و چهارم صفر روز جمعه سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و نه بروضهٔ رضوان خرامید- چنانچه میر محمد مرحوم متخلص باثر؛ برادر ایشان، می فرماید:

وصل باشد چون وصال اولیا «وصل خواجه میردرد» آمد ندا

و در شاهجهان آباد بیرون ترکمان دروازه بمقبرهٔ آبای خویش، که الحال بباغچهٔ خواجه میردرد اشتهار دارد، مدفون گشت - اکثر رسایل در تصوف، مثل « نالهٔ درد، و آه سرد » وغیرهما تصنیف ساخته، و دیوان غزل فارسی مختصری ترتیب داده که درحین تحریر مجموعهٔ هذا مؤلف از شاهجهان آباد عاریت طلبیده بود - »

و مهجور، در مدایح الشعرا (۲۲ب) براسم و تخلص و ذکر والدش اکتفا نموده.

لطف، وفات میردرد را در ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) و فصیح الکلمات، در ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) و شمیم، در ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) و جدولیه در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) معرفی کرده - اما اصح و نیز متفق علیه اکثر ارباب تذکره اینست که در ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء) رحلت کرده است - چنانچه «وصل خواجه میردرد» مادهء تاریخ وفات اوست - و بیدار (خاتمهٔ دیوان درد، محمدی، لکهنؤ، ۱۲۷۱ھ) می فرماید:

بندهء بیدار، کان هست از غلامانش یکی جست از وقت وصال و روز و ماهش چون خبر
یک پهر شب مانده، هاتف کرده واویلا و گفت « های ء بود آدینه و بست و چهارم از صفر»

در خصوص شمیم می توان گفت که از سهو کاتب بجای عدد ۹ عدد ۵ مندرج شده است -

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور، یک نسخهٔ مطبوعه را، که در لکهنؤ در سنه ۱۲۷۱ھ چاپ شده، و پنج نسخهای خطیه از دیوان درد را داراست

(۱) اصل: «بزخامت» (۲) اصل: «دوانین»

آن یگانهٔ دوران، زبان مهدت بنیان هرچه پیش آرد، بجاست۔ گویند که دیوان او هم مثل دیگران ضخیم (۱) بوده؛ روزی خود متوجه شده، قریب یکهزار وپانصد شعر مع رباعیات انتخاب کرده، باقی راپاره نموده، بآب شست۔ حالا هرچه رواج دارد، همان منتخب دیوان اوست۔ واقعی که کلام آن عارف معانی عجب مزه و کیفیتی دارد۔ و اشعار فارسیء این وحید عصر هم به نسبت میرو مرزا ممتاز است، علی الخصوص رباعیات۔ و بیان دیگر کمالات او از تصنیفات کتب تصوف و ارشاد خلق و تهذیب اخلاق وتالیف قلوب و استغنا، که آن شهرهٔ آفاق داشت، از تحریر مستغنی است؛ چرا که در عصر خود، یکی از مشاهیر صوفیهٔ شاهجهان آباد بوده۔ ذره ذرهٔ هندوستان، مثل آفتاب، اورامی شناسد۔ چند شعر از دیوان هم درینجاثبت شده۔ و آن اینست :

کہیں ہوا ہے سوال و جواب آنکھوں میں ؟
یہ بے سبب نہیں، ہم سے حجاب آنکھوں میں

مژگان تر ہوں، یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں، سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام، مثل شام، رہوں ہوں سیاہ پوش
ہر صبح، مثل صبح، گریباں دریدہ ہوں

ای درد، جاچکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو، قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

جاؤں میں کدھر ؟ جوں گل بازی، مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے، ادھر سے نہ اودھر سے

---

(۱) اصل: «زخیم» ۔

نزع میں تو ہوں، ولیے تیرا گلا کرتا نہیں
دل میں ھے وہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں

(۱۹۵ الف) عشوۂ و ناز وکرشمہ، ہیں سبھی جاں بخش، لیک
درد مرتا ھے، کوئی اوسکی دوا کرتا نہیں

نزع میں ہوں، پہ وہی نالہ کیسے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی، ترے غم کو لیسے جاتا ہوں

ھر طرح زمانے کے ھاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ، خاطر ہوں تو رنجیدہ

ای شور قیامت! رہ اودھر ھی، میں کہتا ہوں
چونکے ھے ابھی یہاں سے کوئی دل شوریدہ

بدخواہ سبھی عالم گوھووے تو ھو، لیکن
یارب! نہ کسی کے ہوں دشمن یہ(۱) دل و دیدہ

کرتا ھے جگہ دل میں جوں ابروی پیوستہ
ای درد! ترا یہ تو ھر مصرع(۲) چسپیدہ

روندے ھے نقش پاکی طرح، خلق یہاں مجھے
ای عمر رفتہ! چھوڑگئی توکہاں مجھے؟

ای گل، تو رخت باندھ، اوٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں، تجھے ندیکھہ سکے، باغباں مجھے

ای ھموطناں، اب کے یہ وحشت زدہ ھرگز
پھرنے کا نہیں، عمر کی مانند، سفر سے

گر باغ میں خنداں، وہ مرا لب شکر آوے

(۱) اصل: «مہو» - (۲) اصل: "مصرعۂ"

گل سامنے داماں سے منه ڈھانپ کر آوے
قاصد سے کہو: «پھر خبر اودھر هی کو لے جاوے
یہاں بیخبری آگئی ، جب تك خبر آوے»
کہتے هیں که یکدست تری تیغ چلے هے
تب جانیے، جب یك دو قدم چل ادھر آوے

تجھی کو جو یہاں جلوہ‌فرما ندیکھا
برابر هے ، دنیا کو دیکھا ، ندیکھا
تغافل نے تیرے یه کچھه دن دکھائے
ادھر تونے ، لیکن ، ندیکھا ، ندیکھا

گر هیں یہی (۱) ڈھنگ تیرے ظالم
دیکھیں گے ، کوئی وفا کریگا

هے بعد مرگ بھی وهی آہ وفغاں هنوز
لگتی نہیں هے تالو سے میری زباں هنوز

(۱۹۵ب) موت، کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا هے؟
مرنے سے آگے هی، یه لوگ تو مرجاتے هیں
آه! معلوم نہیں ساتھه سے اپنے، شب و روز
لوگ جاتے هیں چلے، سو یه کدھر جاتے هیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے
درد، هم اپنے عوض چھوڑ «اثر» جاتے هیں

هر دم بتوں کی صورت، رکھتا هے دل نظر میں
هوتی هے بت پرستی، اب تو خدا کے گھر میں

اگر میں نکته‌رسی سے ترا دهاں پاؤں (۲)

(۱) اصل: «کہتے هیں یه» - (۲) اصل: «پائوں» -

کر کو چاھوں، تو اوس کے تئیں کہاں پاؤں؟
یہ رات شمع سے کہتا تھا، درد، پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی امان پاؤں

دنیا میں کون کون نہ یکبار ہوگیا ؟
پر منہ پھر اس طرف نکیا اون نے جو گیا

ایك تو ہوں شکستہ دل، تسپہ یہ جور، یہ جفا
سختیء عشق، واہ وا! جی نہوا، ستم ہوا

اوسکو سکھلائی یہ جفا تونے
کیا کیا، اے مری وفا، تونے ؟

بیکسی کو کیا عبث بیکس
قتل (۱) کر مجکو، کیا لیا تونے ؟

درد کوئی بلا ھے شوخ مزاج
اوس کو چھیڑا، برا کیا تونے

فرصت زندگی بہت کم ھے
مغتنم ھے یہ دید، جو دم ھے

درد کا حال کچھہ نپوچھو تم
ووھی رونا ھے اور وھی غم ھے

نہیں کچھہ محتسب سے جان کا مجکو تو اندیشہ
کہیں ایسا نہووے، ھاتھہ سے وہ چھین لے شیشہ

صورتیں کیا کیا ملی ھیں خاك میں
ھے دفینہ حسن کا زیر زمیں

---

(۱) اصل، «مول» و تصحیح از دیوان مطبوعہ ۱۲۷۱ھ۔

انداز وہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو، کسی کی نگاہ کا
زاہد کو ہمنے دیکھہ لیا، جوں نگیں، بعکس
روشن ہوا ہے نام تو اوس روسیاہ کا (۱)

ہم نے کس رات نالہ سر نکیا ؟
پر تجھے، آہ! کچھہ اثر نکیا
درد کے حال پر ذرا، ظالم
نکیا تونے رحم، پر نکیا

چہارم از طبقهٔ اولی، رستم میدان شاعری، سهراب معرکهٔ سخنوری، افراسیاب مملکت سخن طرازی، دارای سلطنت نکته پردازی، مقدم گروه شعرا، ثانیء میر و مرزا، شیخ قیام‌الدین علی، المتخلص بقایم، که عرفش نیز «محمد قایم» بوده (۲) شاعری گزشته باقوت و تمکین، کلامش

(۱) اصل «دیکھہ کیا» در مصرع اول و «تب» در مصرع ثانی - و تصحیح از دیوان مطبوعه و مخطوطهٔ ۱۲۱۵ھ و ۱۲۴۱ھ -

(۲) نکات: ۲۰ب؛ گردیزی: ۲۱ب؛ مخزن: ۷۷؛ چمنستان: ۵۰۱؛ حسن: ۹۶ب؛ طبقا: ۳۰؛ گلشن سخن: ۸۶ الف (و درو بر ذکر اسم و تخلص اکتفا کرده)؛ گلزار: ۱۶۲ الف؛ لطف: ۱۳۳؛ عقد: ۶۶ب؛ تذکره: ۶۱ب؛ نغز: ۲،۸۲؛ شیفته: ۱۲۷ب؛ نتایج: ۳۵۱؛ طبقات: ۱۶۰؛ سراپا: ۱۰۴ و ۱۷۲؛ شمیم: ۲۸؛ سخن: ۳۸۱؛ انتخاب یادگار: ۳۰۱؛ خزینه: ۲۰۶؛ شمع، ۳۸۶؛ آب حیات: ۱۵۶ حاشیه؛ طور: ۷۹؛ گل: ۱۸۲؛ انتخاب: ۱۷؛ تذکرهء کاملان رامپور: ۳۲۶؛ قاموس: ۲،۱۳۸؛ عسکری، ۲۴۵؛ جواهر: ۲،۳۰۷؛ رسالهٔ زمانه، کانپور، بابت جولائی ۱۹۲۹ء، ۳۷ - بیاض: ۲۴-
شاه محمد‌حمزه، در فص الکلمات (۴۲۰ الف و ۴۲۳ الف) نوشته که «الحال رفیق نصراللّه‌خان نبیرهء محمدعلی‌خان است، و همراهش در رامپور بسر می‌برد» -
و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۴۴۲ الف) گفته: محمد قایم، قایم تخلص، متوطن قصبهٔ چاندپور، آدم خلیق و دردمند، بجمیع خوبیها موصوف و در ریخته گوئی در تمام هندوستان مشهور و معروف بود- دیوان هندیء او شهرت دارد- از سخنوران کامل در زبان ریخته بود - گاهی فکر شعر فارسی هم می‌کرد- چند غزلیات بزبانیء او بسمع (باقی)

پرمزه ونهایت متین، دیوانش سراسر انتخاب، و اشعار دلپزیرش ،

(بقیه) رسیده ۔ »

مولوی عنبر شاه‌خان آشفته رامپوری ، دردیباچهٔ دیوان ریختهٔ خود (ورق۳ الف) که در سنه ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) نوشته، می گوید: «عرض کرتا ہے ... عنبر شاه‌خان آشفته که عنفوان شباب میں ... خصوصا مصاحبت سردفتر شعرای هندوستان، بهتر شعرای زمان، دقیقه گزین ممهد دایم ، قیام‌الدین محمد قایم کی خاطر خواه تهی، اور منادمت اوس برگزیدهٔ اساتذهٔ بے نظیر قراو امصار اور پسندیدهٔ تلامذهٔ دلپزیر دیار ودیار کی مختار شام و پگاه تهی ۔ جو بزم لطافت انگیز اوس رئیس شاعران بیمثل میں شب و روز سوای شعر و شاعری کے اور مذکور نه تها ، اور اوس طوطئ گلزار فصاحت کو غیر اس تذکرهٔ رغبت خیز کے کچهه منظور نه تها، اور هر دم بوساطت تقریر سلاست تصویر اوس شگرف بیان کے در ریزی غزلخوانی .... میرزاجان جان‌مظهر... اور خواجه میردرد، اور ... سراج الدین علیخان آرزو ، اور.... میر محمدتقی، اور ... مرزا رفیع السودا، اور دیگر احیاواموات رونق مجالس تسدید مقالات دلچسپ مواضع و بلاد، لاسیما حضره و غیبهٔ جلسای محافل تزئین خیالات دلکش شاهجهان‌آباد کی سے تحریك سلاسل ازدیاد اشواق ریخته گوئی هوتی ... چنانچه بحسب اتفاق ایك دن اوقات خلوت میں زبان ژولیده تبیان اس یاوه‌گو کی نے براجهه اوس مخدوم ممدوح و معلوم کے گزارش کیا که اگر اجازت شریف صاحب کی مجوز سخنگوئی هوئے ، بنده بهی گاه گاه دو چار بیت مبتذل مضمون قلمبند کر کے سامعه خراش ملازمون کا هو۔ فرمایا که هم نے مشق چهل سالهٔ بلند پروازی طایر تفکر مین کیا آسمان کے تارے توڑے که آپ توڑیں گے، اور صلهٔ مالا مال کله اس شغل لایعنی میں کون سے ذخیرے زر و سیم کے جوڑے که آپ جوڑیں گے ۔ اولی وانسب یه هے که تحصیل ضوابط انشا و تکمیل روابط طب کا اراده صبح و مسا پیش نظر رهے، که منشی واثق و طبیب حاذق جهان رهے، مشیر و ندیم تونگر رهے» ۔

اسم پدر قایم، محمدهاشم و اسم جدش محمد اکرم بوده‌است ۔ بنابرین می توان گفت که اسم قایم، محمد قایم بوده، و قیام الدین لقب اوست . وکسانی که او را قیام‌الدین‌علی نوشته اند، غالبا از وضع اسمای خاندان او بیخبر بوده اند ۔

اکثرارباب تذکره، رحلت قایم رادر ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) معرفی کرده‌اند ۔ وهمین تاریخ درخاندانش مشهور است ۔ اما در انتخاب و قاموس ، غالبا بنا برقول د تاسی و بیل، گفته که قایم در ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ء) فوت شد ۔ آرزو جلیلی ، در مقالهٔ که در مجلهٔ ادبی دنیا (لاهور ، ماه دسمبر ۱۹۴۰ء) نشر کرده، می فرماید که «بعض مرگش رادر ۱۲۰۲ھ (۸۸–۱۷۸۷ء) و بعض در ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ء)، هم نشان داده اند ۔ لاکن بنابر مادهٔ تاریخ مستخرجهٔ میان جرات، اغلب و ارجح این است که در ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ء) ازین جهان رفت ۔» و همین سال را در مقدمهٔ نکات الشعرا (مطبوعهٔ انجمن ترقی اردو) (باقی)

مثل لآلئ آبدار، همه با آب وتاب ـ تالیف کلمات و بندش الفاظ او، اگر نگاه کنند، قدم بقدم مرزا است؛ و از برشتگی و شکستگئ آن، اگر گفته آید، بی شبه بامیر هم اداست ـ حق اینست که پایهٔ کلام لطافت انجام این سخن طراز بهیچ وجه از کسی فروتر نیست ـ عجب طرز لطیف و وضع نظیف اختیار کرده، که لطف و کیفیت هردو اوستاد را شامل، بلکه به بعض مقام ترجیح طلب است ـ و فرق همین قدر است که آن بزرگ شاگرد مرزا ست وبس؛ لهذا مانند اوستاد خود جمیع اقسام سخن را گفته، و داد شاعری، در هر قسم، نوعی که حق آن بوده، داده ـ (۱۹۶ ب) کلام این محقق نیز، مثل اوستادان مسطور الصدر، در موزونان بی تامل سند است، و خود هم نزد همه سخن سنجان مسلم الثبوت و مستند ـ فرق بندش قصیده از غزل، و غزل از رباعی، و رباعی از دیگر اقسام، در کلیات همین صاحب انداز از هم متمیز؛ چه هر قسمی که گفته، آنرا از حدش هرگز متجاوزشدن نداده؛ بر همان انداز که وی را می بایست، نگاهداشته است؛ بخلاف کلام دیگر اوستادان، که غزل بعضی ازان ترقی نموده، بمنزلت قصیده رسیده، و قصیدهٔ بعضی فروتر شده مساوئ غزل گردیده؛ و برین قیاس است حال دیگر اقسام در دواوین(۱) آنها ـ بالجمله شخصی کامل بود ـ ظاهر حال خود را بلباس درویشی آراسته میداشت؛ و بهر مجمع و محفل که پامیگزاشت بکمال عزت واحترام استقبالش می‌نمودند ـ بیشتر اوقات شریف خود را برفاقت نواب محمدیارخان وپسرش نواب احمدیارخان افغان گزرانیده، چند سال شده که بربیوفائئ دنیا نظر نموده، ترك این جهان فانی کرد،

(بقیه) اختیار کرده ـ

یك نسخهٔ خطیه از دیوان قایم در کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست ـ

(۱) اصل: "دوانین" ـ

و در رام‌پور فیض‌الله‌خان واله که از مدت مسکن او همان بلده بود ، مدفون گشت ۔ این چند شعر از کلام فصاحت نظام اوست :

جو ، کوهکن ، تجهسے قوت هی آزمانا تها
عوض پہاڑ کے، شیریں سے دل اوٹهانا تها

معامله هے یه دل کا، اسے کهیگا وه کیا
پیام‌بر کے ، همیں، ساتهه آپ جانا تها

کهو که گورغریباں میں رکهیں قایم کو
که اوس کا جیتے بهی اکثر وهی ٹهکانا تها

(۱۹۷ الف) عیش و طرب کهاں هے؟ غم دل کدهر گیا؟
صدقے میں اس گزشت کے! سب کچهه گزر گیا

کیا کهیے ناتوانیء غم کی خرابیاں ؟
گر شب میں دل کو جمع کیا ، جی بکهر گیا

اك ڈهب په کبهو وه بت گلفام نپایا
دیکها میں جو کچهه صبح، اوسے شام نپایا

فهرست ، میں، خوبان وفادار کی ، پیارے
دیکهی، تو کهیں اوس میں ترا نام نپایا

پڑه کے، قاصد، خط مرا، اوس بدزباں نے کیا کہا؟
کیا کہا، پهر که، بت نامهرباں نے کیا کہا ؟

غیر سے ملنا تمهارا سنکے، هم تو چپ رهے
پر سنا هوگا که تمکو اك جهاں نے کیا کہا

جلوه، چاهے هے اسے،(۱) اوس بت هرجائی کا
نه پریشاں نظری جرم هے بینائی کا

(۱) اصل: «اوسے» تصحیح از خطیه و مطبوعه ۔

چھوڑ تنہا مجھے، یارب، اونہیں کیونکر گزری
غم ، جنہیں آٹھ پہر تھا ، مری تنہائی کا
عار ہے ننگ کو مجھه نام سے، سبحان اللہ!
کام پہنچا ہے کہاں تك مری رسوائی کا!
صحن صحرا کو سدا اشك سے رکھا چھڑ کاؤ
بس دیوانا ہوں میں قایم تری مرزائی کا
ہو گر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو! بندے کے خریدار بہت
ہمدگر جب خفگی آئی، تو جھگڑا کیا ہے؟
تمکو خواہندہ بہت، ہم کو طرحدار بہت
سچ(۱) کہو، قتل پہ کسکے یہ کمر باندھی ہے؟
ان دنوں ہاتھه میں تم رکھتے ہو تلوار بہت
قایم، آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مرچکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت
زلف دیکھی تھی کسکی خواب میں رات؟
ہم سحر تك تھے پیچ و تاب میں رات
(۱۹۷ ب) خوب نکلے ہم اوس کے کوچے سے!
ورنہ آئے تھے اك عذاب میں رات
بس کہ خالی سی کچھه لگے ہے بغل
دل گرا شاید اضطراب میں رات
چاہے ہیں یہ ہم بھی کہ رہے پاك محبت
پر جس میں یہ دوری ہو، وہ کیا خاك محبت!

---

(۱) اصل، «سچھه» -

گو کرے ہمکو کسی طرح تو در سے باھر
جیتے جی جائیں کوئی ہم ترے گھر سے باھر
تمکو کیا قدر ھے، اے دیدہ، مرے رونے کی
ایك بوند آتی ھے سو خون جگر سے باھر
تھی تو اك بات، پہ کیا کہیے کہ یہاں تو، پیارے
نکلی ھی پڑتی ھے تلوار، کمر سے باھر
بہتے دیکھا نہیں یاروں نے لہو کا سیلاب
رکھہ ٹك، ای اشك، قدم دیدۂ تر سے باھر
ایك سودا کی تو، قایم، نکہوں میں، ورنہ
ھے ترا طور سخن حد بشر سے باھر
پی کے مے، غیر کے رھو شب باش
واہ‌وا ! رحمت ! آفریں ! شاباش !
سینہ کاوی ھے کام ھی کچھہ اور
کوہ کن بود مرد سنگ تراش
آج آپ مرے حال پہ کرتے ھیں تاسف
اشفاق، عنایات، کرم، مہر، تلطف !
خاموشی بھی کچھہ طرفہ لطیفہ ھے کہ، قایم
کرنا پڑے جس میں (۱)نہ تصنع، نہ تکلف
شرمندہ نہو، نکل جگر سے
اے نالۂ نارسای عاشق !
صحبت کے مزے ھوں سب (۲) برافتاد
اك بات ھے ناز، پر نہ (۳) یہاں تك

(۱) اصل: «جسمی» - (۲) دیوان مخطوط: «یوں برافتاد» - (۳) اصل: «یہ» -

قایم، ہے جو شمع بزم معنی
میں رات گیا تھا اوس جواں تک
پایا، تو ہے ڈھیر آنسوؤں کا
دیکھا، تو گداز استخواں تک

(۱۹۸ الف) ہم ہیں، جنھوں نے نام چمن بو نہیں کیا
آئی صبا جدھر سے، اودھر رو نہیں کیا
ہم ہیں، ہوای وصل میں اوس گل کی، دربدر
جس کا صبا نے طوف سرکو نہیں کیا
قایم کو اس طرح سے تو دیتا ہے گالیاں!
جس کو کسی نے آج تلک تو نہیں کیا

تھا بدونیك جہاں سے میں عدم میں آزاد
آہ! کس خواب سے ہستی نے جگایا مجکو!
کچھہ تو تھی بات خلل کی، کہ شب اوس نے، محرم
غیر کے آتے ہی، مجلس سے اوٹھایا مجکو
میں تو اس بات پہ مرتا ہوں کہ اوس نے، قایم
کس طرح پردے سے کل بول سنایا مجکو!

کیجیے گا صلح پھر، دل بیمدعا کے ساتھہ
ان بن ہے کچھہ قبول کو، اپنی دعا کے ساتھہ
خوناب دل سے ہاتھہ ملاوو، تو جانیے(۱)
پنجے کیے ہیں آپ نے اکثر حنا کے ساتھہ
اوس نیمرنگ یار کے صدقے! کہ جس کے بیچ
ہلکی سی ایك شوخی کی تہ ہو حیا کے ساتھہ

(۱) اصل: «ملادو، تو جان ہے»

موتی صدف سے نکلے ہے، قایم، کب اس طرح؟
ڈھلتی (۱) ہے بات منه سے ترے جس صفا کے ساتھه

ھنوز شوق دل بیقرار ہے باقی
بجھی ہے آگ تو ، لیکن شرار ہے باقی
گیا (تھا) آج میں قایم کے دیکھنے کے لیے
کوئی دم اور نفس کی شمار ہے باقی

یارب، کوئی اوس چشم کا بیمار نہووے !
دشمن کے بھی دشمن کو یه آزار نہووے !

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم نہونگے !
چرچے یہی رہینگے اور، ہاے! ہم نہونگے

وه بھی کیا دن تھے که جی کو لاگ اوس کیساتھه تھی!
میں تھا اور کوچه تھا اوسکا اور اندھیری رات تھی

۱۹۸ ب)شاید وه بھول کر، کبھی یہاں بھی(۲) قدم رکھے
یکساں کرو زمین ہمارے مزار کی

دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
اك ڈھیر ہے یہاں راکھه کا اور آگ دبی ہے

پنجم از طبقهٔ اولی شیفتهٔ انداز محبوبهٔ سخن‌رانی ، محو آئینهٔ جمال معانی، ادابند بی‌نظیر، شاعر دلپزیر، محرم درد عاشقان غم‌اندوز ، شاه میر محمد المتخلص به سوز (۳) بوده است. عالم شیرین کلام صاحب

(۱) اصل: «دیتی .» تصحیح از دیوان مخطوطه - (۲) اصل: «بھی کبھی یہاں» - و تصحیح از دیوان مطبوعه -

(۳) گردیزی : ۱۳۸ (بتخلص میر ، واز خلاصه ساقط شده است)؛ فصیح: ۴۲۵ الف؛ مخزن: ۴۸؛ حسن: ٦٦ب ؛ گلزار: ۱۳۳ الف؛ لطف: ۱۱۳؛ تذکره: ۳۸ب ؛ نغز: ۱، ۳۲۰؛ شیفته: ۸۸ الف؛ طبقات: ۱۴۵ ؛ سراپا: ۹۸؛ جعفر لیه: ۱۴۱؛ شمیم: ۲۹؛ سخن: ۲۲۰؛ (باقی)

شهرت و نام، فرید زمانه، اوستاد یگانه، که طرزش از کلام همه شعرا جدا، و دیوانش، با وصف متانت وصفا، بالتمام مشحون ومملو از انداز و اداست. فی‌الحقیقت طرزی نفیس ایجاد نموده که تتبع آن بسیار دشوار می‌نماید. چه اگر کسی پیروی‌ء او در پختگی و متانت میکند، تقریرش بطور میر و مرزا مشتبه میگردد؛ و اگر صرف در ادا بندی وصفائی‌ء آن راه اطاعت می پوید، گفتارش بتقریر نسوان و مخنثان و بازاریان می‌پیوندد. غرضکه این طور خاص مخصوص و ختم برهمان غواص بحر معانی بوده، که خود اختراع نمود و خود خاتم آن شد، و

(بقیه) روز روشن: ۳۰۵؛ آبحیات: ۱۹۳؛ طور: ۴۵؛ خمخانه: ۴، ۲۷۶؛ گل: ۹۷۱؛ انتخاب: ۱۹؛ قاموس: ۱، ۳۱۲؛ عسکری: ۱۲۴؛ جواهر: ۲، ۳۵۴؛ اشپرنگر: ۲۶۷ و ۲۹۲؛ بلوم هارث: ۳۴.

مبتلا، در گلشن سخن (۶۲ب) گفته: «میر سید محمد، سوز "تخلص" دهلوی از سادات عظیم‌الشان و مشاهیرنکته رسانیست. درادابندی و پختگی و برشتگیء کلام وفن کمانداری و خوشنویسی یدبیضا دارد. در اوایل حال بسیار بکام دل زندگی بسر کرد، و دراواخر برهنمائیء خاطر وارسته، ترك علایق دنیوی نمود و لباس فقر پوشید. تا این زمان، که سنهٔ یکهزار و یکصد و نود وچار هجریست، در لکهنئو می‌گزراند. دیوانش از هزار بیت متجاوز دیده شد».

و میر ولی‌الله، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۵۱ ب) نوشته: «میرسوز سیدی بود از شاهجهان‌آباد، واز مریدان سیدمحمد زاهد دهلوی. در عهد نواب احمدخان، در سرکار مهربان خان دیوان، بعزت تمام اوقات می گزرانید، و شعربلطافت و بداهت می گفت»

در انتخاب، رحلتش را در ۱۲۰۹ه (۱۷۹۷ع) معرفی کرده، لکن در تطبیق سنین هجریه وعیسویه صحت را بکار نبرده؛ زیرا که ۱۲۰۹ه با ۱۷۹۴ع تطابق دارد. و نزد اطف، بعد ۱۲۱۲ه (۱۷۹۷ع) فوت شده. اما در قاموس و جواهر گفته که در ۱۲۱۳ه (۱۷۹۸ع) درگزشت. و همین قول اصح است؛ چه علاوه برمادهٔ که در متن مندرج شده است، از مادهٔ دیگر: «وای داغی مانده از سوز» که برآوردهٔ منولال لکهنوی متخلص بزاری است، همین سال برمی آید. رجوع شود بدیوان زاری، مخطوط، شعبهٔ نظم فارسی، کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور: ورق ۲۲۹ ب.

یك مخطوطهٔ از دیوان میرسوز، که در ۱۲۲۷ه (۱۸۱۲ع) قلمی گردیده، در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظ است.

چنان اعتدال و دوام در کلام خود گزاشت که کسی او، را نیافت - لهذا شاگردانش بسیار شده‌اند و باندازش نرسیده اند ، الاشخصی چند که سلیقهٔ کامل وفهم رسا داشتند ، مثل حکیم‌انشاءالله‌خان‌انشا و حکیم رضاقلی آشفته و نوازش حسین‌خان نوازش که بمرزاخانی شهرت دارد - (۱۹۹ الف) غزلهای این صاحبان البته از نمونهٔ طرز (۱) اوستاد خود خالی نمی مانند ، و مقرر یك دو شعر بهمان انداز از ایشان سرمی‌زنند - و بیان دیگر محامد و مکارم آن نیکواخلاق از حصر تحریر قلم و احاطهٔ تقریر زبان بیرون و افزونست - نوشتن خط نستعلیق وشفیعاو تیراندازی و سواریء اسپ وآداب دانیء صحبت ملوك و سلاطین و خوش تقریری و خوش طبعی و ظرافت وسعی و سفارش غربا بخدمت امرا، که درین امور نظیر خود نداشت ، مثل آفتاب بر همه‌ها روشن وظاهراست نواب آصف‌الدولهٔ مغفور از دل عاشق صحبت تمکین ایشان بود، و کمال عزت واحترام می‌نمود - و نواب سرفرازالدولهٔ مرحوم که نایب وزیر بوده ، او هم بسیار معتقد بلکه مرید وعلی هذا القیاس جمیع اعزه وعمایدِ لکهنئوخدمت میر را شرف و برکت خود میدانستند، وصحبت اوغنیمت می شمردند - مدت شد که آن بزرگوار هم از دنیا، که دار رنج ومحن است، اعراض کرده، روبآن جهان آورد، وکلیات خویش را بجای‌خود یادگار گزاشت - وتاریخ آن اوستاد بینظیر ، میان جرات قلندربخش چنین نوشته است- قطعه :

سوز ماتم نے میر سوز کے ، آہ !
شمع ساں ، بس جلا دیا دل کو
میر صاحب سا شخص یوں مرجائے !

---

(۱) اصل: «صرز»

غم ہوا، ہاے! یہ بڑا دل کو
مٹ گیا لطف ریختہ گوئی
خاک، پھر، دے سخن مزا دل کو!
خاک میں مل گئی ادابندی
(۱۹۹ب)گفتگو اب خوش آوے کیا دل کو!
کہی جرات نے روکے یہ تاریخ:
« داغ اب سوز کا لگا دل کو »
(۱۲۱۳ھ)

تم کلامه - این چند شعر از وست:

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہووے گا!
ہاے! آسودہ جہان میں کونسا دل ہووے گا!

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا
عالم کا جگر کباب ہوگا
ڈھونڈے گا سحاب، چھپنے کو، مہر
جس روز وہ بے نقاب ہوگا

رات آنکھیں تھیں موندیں، پر بخت ٹک بیدار تھا
تا سحر، دل محو دیدار جمال یار تھا
سوز، کیوں آیا، عدم کو چھوڑ کر، دنیا میں تو؟
وہاں تجھے کیا تھی کمی؟ یہاں تجکو کیا درکار تھا؟

اگر کچھہ سوز نے پایا، تو میخانے کی خدمت سے
حرم کے در پہ، ورنہ، بارہا سرمارمار آیا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں: « کافر ہوگیا »

آہ ! یارب، راز دل اون پر بھی ظاہر ہو گیا

سنے ہے، سوز، تو؟ ملنے کا قصد مت کر، یار
اوٹھا سکیگا تو کب ناز بیدماغوں کا ؟

مروت دشمنا ، غفلت پناھا !
ادھر ٹک دیکھہ لیجو مڑ کے ، آھا !

کٹے اوقات سب غفلت میں میرے
خداوندا ، کریما ، بادشاھا !

صرفت العمر فی لہو و لعب
فآھا، ثم آھا ، ثم آھا !

ہوے تھے آشنا تیرے بہت سے
و لیکن سوز نے اچھا نباھا

مجھے گر حق تعالی عشق میں کچھہ دست رس دیتا
تو دل ان بیوفاؤں کو کوئی میں اپنے بس دیتا

(۲۰۰ الف) قسم ہے، سوز، گروہ قتل کرتا اپنے ھاتھوں سے
تو جی دیتے ہوے بھی، صورت اوسکی دیکھہ، ہنس دیتا

غم ہے یا انتظار ہے ، کیا ہے ؟
دل جو اب بیقرار ہے ، کیا ہے ؟

واے ! غفلت ، نسمجھے دنیا کو
یہ خزاں یا بہار ہے ، کیا ہے ؟

کچھہ تو پہلو (۱) میں ہے خلش، دیکھو
دل ہے یا نوک خار ہے، کیا ہے ؟

(۱) اصل: «پہلون»

کھینچ کر تیر مار بیٹھے ، بس

سوز ھے یا شکار ھے ، کیا ھے ؟

بستیاں بستی ھیں، اور اجڑے نگر آباد ھیں

وہ کہاں، جنکے جدا ہونے سے ہم ناشاد ھیں!

منه لگانے سے مرے کیوں تو خفا ہوتا ھے ؟

جانمن، بوسے کے لینے سے تو کیا ہوتا ھے؟

رونا بھی تھم گیا، ترے غصے کے خوف سے

تھی چشم ڈبڈبائی ، پر آنسو نڈھل سکے

منه دیکھو آینه کا ، تری تاب لاسکے !

خورشید پہلے آنکھه تو تجھسے ملاسکے

امیدیں دلکی ساری (تو) بھر پائیں ہمنے، آہ!

اے سوز، بعد مرگ تو اب مدعا ھے یه

دامن کشاں وہ لاش پر آکر، مجھے کہے

«ھے، ھے! کسی کے پیچھے ترستا، موا ھے یه»

یوں تو نکلی نه مرے دل کی اما ھے گا ھے(۱)

اے فلك، پھر خدا ! رخصت آھے گا ھے

ایك نے سوزسے پوچھا که «صنم سے اپنے

اب بھی ملتے ہو بدستور، که گا ھے گا ھے ؟»

دیکھکر مونهه (۲) ، گھڑی ایك میں بھر کر دم سرد

---

۱) دردیوان مطبوعه نیز همین طور واقع شده اما در آب حیات نوشته: «نہیں نکسے ھے ہسے دل کی اپا ھے گا ھے» - «اماهو» در هندی بمعنیء امنگ، و «اپا ھے» بمعنیء تدبیر و کر وغیره می آید -

۲) اصل: «منه» ودر دیوان مخطوط: «دیکھه مونهه اوس کا .... یوں اشارت سے بتایا»

یوں اشاروں سے جتایا: «سر را ھے گا ھے»

رات بزم شراب تھی ، اور یار
جام لیتا تھا ھاتھ سے سب کے
(۲۰۰ب) کہیں منه سے نکل گیا اپنے:
« جام لے ھاتھ سے مرے اب کے »
وو ھیں تیوری چڑھا ، لگا کہنے:
« کچھ نظر آے تم عجب ڈھب کے !
میں جو پیاله تمھارا ھاتھ سے لوں
ایسے تم میرے آشنا کب کے ؟»

نتھ کے موتی پکارتے ھیں پڑے:
«میرے عاشق کا ناك میں دم ھے»

یه چال (۱) یاقیامت، یه حسن یا شرارا!
چلتا ھے کس ٹھسك(۲) سے،ٹك دیکھیو، خدا را!
جوڑا لپیٹے جب تك، روز حساب آخر
بلبسے! تری بناوٹ، اے خود نما، خود آرا!
کسکا یه نرگسستاں ؟ تیرے شہید، پیارے
زیر زمیں سے اوٹھ کر، کرتے ھیں پھر نظارا
پوچھے(ھے)مجھ سے، سنیو:«عاشق ھے کیا تو میرا؟»
کچھ جانتا نہیں ھے ، بھولا بہت بچارا !
اتنی جراحتوں پر جیتا ھے سوز ابتك
سینه ھے یا که ترکش، دل ھے که سنگ خارا؟

(۱) اصل: «خال» و تصحیح از دیوان مخطوط ۔ (۲) اصل: «جھمك»

تو جو پوچھے ھے که «تیرا دل، بتا، کسنے لیا»؟
بس حیا آتی ھے، مجکو مت بکا، کسنے لیا

سرشك شمع، آخر، شمع محفل ایکدن هوگا
یه آنسو رفته رفته جمع هو، دل ایکدن هوگا

تجھے اے دل، بغل میں محنتوں سے میں نے پالا تھا
نجانا تھا که تو هی میرا قاتل ایکدن هوگا

کہوں کس سے حکایت آشنا کی؟
سنو، صاحب، یه باتیں هیں خدا کی
کہا میں نے که «کچھه خاطر میں هوگا
تمہارے ساتھه جو میں نے وفا کی»
تو کہتا کیا ھے: «بس بس، چونچ کر بند
وفا لایا ھے، دت! تیری وفا کی»
(۲۰۱ الف) عدم سے زندگی لائی تھی پھسلا
که دنیا جاے ھے اچھی فضا کی
جنازه دیکھه (کر) سن هوگا دل
که ھے! ظالم، دغا کی رے، دغا کی

او میاں، او جانیوالے! کہیو اوس میخوار سے
کوئی دیوانه کھڑا پٹکے ھے سر دیوار سے

ادھر، دیکھو تو، کس ناز و ادا سے یار آتا ھے!
مسیحا کی موئی امت کو، ٹھوکر سے جلا تا ھے

اشعار ادائیهٔ میرسوز بسیار اند - چون پیش فقیر نبودند، ناچار نوشته نشدند -

ششم از طبقهٔ اولی، برادر کوچك خواجه میر درد، که محمد میر نام دارد و اثر تخلص میگزارد (۱)، صاحب کمال آگاه فن وعالم شیرین سخن است که در عذوبت و صفائی کم از برادر خود نیست، بلکه در شوخی و مزه زیاده تر ازو- علی الخصوص مثنوی، که در تعریف و بیان صحت کدام معشوقه، از قلم نازرقم او بر صفحهٔ هستی نقش وجود گرفته، بکمال پاکیزگی و گرمیء محاوره واقع شده - بیان فضل و کمال او مستغنی از شرح است - چون مرید خاص برادر خود بود، بعد رحلت او بر مسندش نشسته، بهدایت مریدان و معتقدان مدتی مشغول مانده، آخر شربت اجل چشید - دیوانش مشهورست و کلام اونهایت مقبول- چند شعر ازوست :

رقیبوں نے، حماقت سے تو یہاں تك پاسبانی کی
که اوس نامہربان نےضد سے آخر مہربانی کی

---

(۱) حسن : ۸ الف ؛ طبقا: ۳۴؛ گاز : ۸ب ؛ ابلف : ۳۰؛ تذکره: ۵ب؛ نغز : ۴۳،۱؛ شیفته: ۱٦ ب ؛ طبقات : ۲۲۰ ؛ شمیم : ۲ے ؛ سخن : ۱۰؛ آبحیات : ۱۸۵ ؛ طور : ۹؛ خمخانه : ۱۲٦،۱ ؛ گل: ۲۰۸؛ جواهر : ۲، ۲٦ے۴ - بیاض: ۲۲ -

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۳۰ب) می فرماید: «میر محمدی، اثر تخلص، برادر حقایق و معارف آگاه خواجه میردرد، جوانیست موصوف باوصاف حمیده و اخلاق پسندیده - از مشرب صوفیه حظی وافر دارد - طرز سخنش بطرز برادر است - دیوان مختصر فارسی و هندی هردو دارد - کلامش خالی از درد و اثر نیست» -

و مبتلا، درگلشن سخن (۹ب) می گوید: «اثر، نامش خواجه محمدمیر، برادر خورد میردرد، از نجبای دهلی است - میر در حلقهٔ اهل دلان نهاد اوقات بکسب ریاضت بسر می برد، و بیشتر در یاد الهی مشغول می باشد - صاحب علم و عمل، و شورش و برشتگی از سخنهایش هویدا» -

اثر تا سال اختتام تذکرهٔ هندی گویان مصحفی (که ۱۲۰۹ھ مطابق ۹۴ے۱ع می باشد) بقید حیات بوده ، و قبل از سال اتمام مجموعهٔ نغز (که ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰٦ع است) وفات یافته بود - بنابرین قول گل و جواهر، که اثر قبل سنه ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ع) رحلت کرده، زمانی را نشان میدهد که از سنهٔ وفاتش بعید تر است نسبت به سنه ۱۲۲۱ھ-

تیرے کوچے میں دوبارا خوب ہم ہوکر چلے
ڈھونڈنے آئے تھے دلکو، جان بھی کھوکر چلے

کب کب آوے ہے اثر، کیوں تجھے تنگ آتا ہے؟
آنکلتا ہے کبھی، جی سے جو تنگ آتا ہے

ھوا کیا وہ ترا، اے شرمگیں، چپ ہوکے رہ جانا
کبھی جو بات، کھابدنا، ہوئی جو بات، سمجھانا

کوئی کھاتا تھا دغا، جھوٹھی مدارات سے میں
پھنسا دام میں، کیا جانیے، کس بات سے میں!

سخت ناچار ہے تقدیر کے ہاتھوں بندہ
ورنہ یوں باز رہوں تیری ملاقات سے میں!

جی میں ہے، از سرنو جور ترے یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے، نالہ و فریاد کریں

ان بتوں کی ہے بڑی دوڑ، یہی دل شکنی
یہ کہاں، جو یہ کسی دل کے تئیں شاد کریں؟

ہم اسیروں کی اوسے چاہیے خاطر داری
اور اولٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

جو سزا دیجیے، ہے بجا مجھکو
تجھہ سے کرنی نہ تھی وفا مجھکو

آہ! لیجاؤں اب کہاں دل کو؟
چین اوس بن ہو اب جہاں دل کو (۱)
آہ! لیجائیے کہاں دل کو؟

(۱) این مطلع در دیوان مطبوعہ (انجمن ترقیء اردو) یافتہ نمی شود۔ و در مطلع دیگر قدم و تاخر است۔

نہ لگا ، لے گئے جہاں دل کو

تو بھی جی میں اوسے جگہ دیجو

منزلت تھی اثر کے ھاں دل کو

بیگناھوں سے دل کو صاف کرو

نہیں تقصیر ، پر معاف کرو

اثر ، کیجیے کیا ، کدھر جائیے ؟

مگر آپ ھی سے گزر جائیے

کبھو دوستی ھے ، کبھو دشمنی

تری کونسی بات پر جائیے ؟

کیدھر کی خوشی ، کہاں کی شادی ؟

جب دل سے ھوس ھی سب اوڑادی

تا ھاتھہ لگے نہ کھوج دل کا

عیار نے زلف ھی اوٹھا دی

(۲۰۲ الف) یا رب ! سوا لقاء وجہك

لا مقصودی و لا مرادی

احوال تباہ کو دکھاؤں میں کسے

افسانۂ درد و غم سناؤں میں کسے

تو دیکھہ نہ دیکھہ ، سن نسن ، جان بجان

رکھتا ھوں تجھی کو ، اور لاؤں میں کسے

هفتم از طبقۂ اولی تابان (۱) کہ میر عبدالحی نام داشت ـ

---

(۱) گلشن گفتار : ۴۱؛ نکات: ۷ا ب ؛ گردیزی: ٦ب؛ فصیح: ۴۱۸ الف؛ مخزن : ۵؛ چمنستان: ۵۳۳؛ حسن : ۷۲ الف؛ طبقا: ۷۲ ؛ گلزار : ۷۲ الف؛ الف: ۷٦؛ تذکرہ: ١٦ب؛ نغز: ۱، ۱۳۱؛ شیفتہ: ۳٦ الف ؛ طبقات: ١٦٦ ، شمیم: ۲۴ ، سخن: ۸۰ ، آبحیات: (باقی)

از دورهٔ سابقین بوده - قامت دلفریب او بلباس حسن آراسته، وضمیر طبیعتش بآب عشق و محبت پیراسته. افصح شاعران عصر خود بوده - نسبت شاگردیش، باعتقاد بعض، بشاه حاتم میرسد، و بتحقیق بعضی به‌محمد علی حشمت منتهی می‌شود - کلام او بسیار بامزه وپرصفا است - از هرجا که بوده، غنیمت بوده است - در عین شباب وفات یافت؛ و دیوانش در همه شهر هندوستان مشهور - این چند شعر ازوست:

رهتا ہے خاك و خون میں سدا لوٹتا هوا
میرے غریب دل کو، الهی! یه کیسا هوا؟

تو مجکو دیکهه نزع میں، مت کڑهه که میرے یار
مجهه سے بهت هیں، ایك نه هوگا تو کیا هوا

تاباں کے دیکهنے سے برا مانتے تهے تم
کهودی بهار حق نے تمهاری، بهلا هوا

جفا سے اپنی پشیماں نهو، هوا سو هوا
تری بلا سے، مرے دل په جو هوا، سو هوا

(بقیه) ۱۳۷؛ طور: ۲۰؛ خمخانه: ۲، ۱۴؛ گل: ۱۲۴؛ قاموس: ۱، ۱۵۴؛ عسکری: ۱۰۹؛ جواهر: ۱، ۳۰۰؛ بیاض: ۱۳؛ اشپرنگر: ۲۹۳؛ بلوم هارٹ: ۳۱ -

مبتلا، در گلشن سخن (۲۱ الف) می گوید: «میر عبدالحی تابان دهلوی درشرافت و نجابت طاق، و در حسن و دلبری شهرهٔ آفاق بوده میر مسطور را فقیر هم در عهد محمدشاه مغفور دیده بود - کلامش تازگی و اداها دارد - صاحب دیوانست» -

حسب تصریح اهل تذکره، تابان در عهد محمدشاه بادشاه دهلی، (که در ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ع رحلت کرده) وفات یافته است - اما بلوم هارٹ، بنابر غلط فهمیٔ عبارت لطف، گمان برده که تابان تا سال ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ع) در لکهنؤ میزیست - و همین غلطی از دتاسی سرزده - کریم‌الدین قول دتاسی را تغلیط کرده است، و سبب تغلیط نزد بنده اینست که لطف در تذکرهٔ خود گفته که او در ۱۲۰۲ھ سلیمان را، که محبوب تابان بود، بحالت پیری در لکهنؤ دید، نه که خود تابان را - و این هردو علمای یوروپ گمان برده اند که لطف تابان را دیده بود -

گلی میں اپنی روتا دیکھہ مجکو، وہ لگا کہنے
کہ «کچھہ حاصل نہیں ہونیکا، ساری عمر رو بیٹھا»

میں خواب میں دیکھا ہے لگاتے اوسے منہدی(۱)
کیا جانیے، کس کسکا لہو آج بہے گا؟

آئی بہار، شورش طفلاں کو کیا ہوا؟
اہل جنون کدھر گئے؟ یاراں کو کیا ہوا؟

(۲۰۲ب) اوس جامہ زیب غنچہ دہن کو چمن میں دیکھہ
حیران ہوں کہ گل کے گریباں کو کیا ہوا؟

آنے سے تیرے خط کے، یہ کیوں ہے گرفتہ دل؟
بتلا کہ تیری زلف پریشاں کو کیا ہوا؟

روتے ہی تیرے غم میں گزرتی ہے اوسکی عمر
پوچھا کبھی نہ تونے کہ «تاباں کو کیا ہوا؟»

هشتم از طبقهٔ اولی، صاحب حال و قال، مجمع فضل و کمال، شاہ گهسٹیا المتخلص بعشق است(۲) کہ بکسوت درویشی در عظیم‌آباد با نہایت اعزاز و احترام بسر بردہ - آوازهٔ شیرینیء کلامش بازار قند و نبات شکستہ، و طنطنهٔ ملاحت تقریرش شور ملیحان را چون ماهی بر تابهٔ حسد برشتہ - سوختگیء عشق و برشتگیء تصوف هردو باهم دارد- دیوان صفا بنیانش، از اول تا آخر، بریك حالت واقع شدہ است این چند شعر ازوست:

(۱) اصل: «مہدی»

(۲) حسن: ۸۳ب؛ طبقا: ۳۴؛ گلز: ۱۴۸الف؛ لطف: ۱۲۶؛ تذکرہ: ۵۳الف؛ نغز: ۱،۳۸۴؛ شیفتہ: ۱۱۲الف؛ طبقات: ۱۸۴؛ شمیم: ۱۷۲؛ سخن: ۳۳۰؛ طور: ۱۷؛ قاموس: ۲،۸۵؛ جواهر: ۱،۱۱۳؛ اشپرنگر: ۲۴۱- (باقی)

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا ندیکھا !
ندیکھا ، سو دیکھا ، جو دیکھا ، ندیکھا

وہ آیا نظر بارہا، پر کسی نے
یہ حیرت ہے ، اوسکا سراپا ندیکھا

ترا چین ابرو ، مرا غنچۂ دل
وہ عقدے ہیں یہ ، جنکو کھلتا ندیکھا

خدا کی خدائی ہے قایم، پہ تجھہ سا
ندیکھا ، ندیکھا ، ندیکھا ، ندیکھا

سبھی دعوئ عشق رکھتے ہیں ، یارو !
پہ کوئی عشق سا ہم نے رسوا ندیکھا

کہنے کو ادھر اودھر گئے ہم
نہے تیری طرف، جدھر گئے ہم

تا ، جان ! نہو عدول حکمی
تو نے کہا : « مر » ، تو مرگئے ہم

(۲۰۳ الف)ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر رونے میں!
عمر کیوں کھوتے ہو، اے دیدۂ تر! رونے میں

رات کب آئے تم اور کب گئے معلوم نہیں

(بقیہ) مبتلا' درگلشن سخن (۶۷ب) می گوید : « شاہ رکن الدین متخلص بہ عشق' مشہور بشاہ گھسیٹا' نوادہ شاہ فرہاد نقشبندیست ـ از دہلی بمرشدآباد رسیدہ، در لباس دنیا چندی با خواجہ محمد یخان روزگار بعزت و حرمت گزرانید - و بعدازان بطریق آبای خود لباس درویشی دربر نمودہ، رحل اقامت در عظیم آباد انداخت ـ تا این زمان' کہ سال یکہزار و یکصد و نود و چار ہجریست، در بلدہ مذکور بشغل وجد وحال اکثر می باشد ـ دیوان ریختہ اش ہزار و پانصدبیت دیدہ» ـ

در نغز ، از شاہ رکن الدین عشق بالفاظی ذکر رفتہ است کہ برای اموات مستعمل می باشند ـ و اشپرنگر تصریح کردہ کہ وفاتش در ۱۲۰۳ھ (۱۷۸۸ع) واقع شد -

جان ، اپنی نرهی هم کو خبر رونے میں

جب تلك اشك تهمے بیٹهه ، اگر آیا هے

تیری صورت نہیں آتی هے نظر رونے میں

تجکو ، ای دیدۂ تر، شغل هے رونا، لیکن

ڈوبا جاتا هے یہاں دل کا نگر رونے میں

عالم عشق میں مجنوں بهی بڑا گاڑها تها

یار،مجنوں سے بهی هم گاڑهے هیں پر رونے میں

لے آسمان اپنا اور یه زمین دونوں

عاشق تو چهوڑ بیٹهے دنیا و دین دونوں

کوئی بت کہتے هیں اور کوئی خدا کہتے هیں

هم سے جو پوچهو، تو دونوں سے جدا کہتے هیں

نهم از طبقۂ اولی، مونس دل زدگان، غمخوار عاشقان، اشرف‌علی خان فغان (۱) بوده ، که مشهور «بکوکه‌خان» است، یعنی؛ کوکۂ

---

(۱) نکات: ۱۰ الف؛ گردیزی: ۲۰ ب؛ مخزن: ۴۲؛ چمنستان: ۳۸۲؛ حسن: ۸۷ الف؛ گلزار: ۱۵۱ ب؛ لطف: ۱۳۰؛ عقد۶۲ الف: نغز: ۲،۲۷؛ شیفته: ۱۲۶ الف؛ طبقات: ۹۱؛ سراپا: ۹۸؛ شمیم: ۲۳؛ سخن: ۳۶۹؛ صبح: ۳۱۸؛ آب‌حیات: ۱۲۳؛ طور: ۷۷؛ محبوب الزمن: ۲،۸۰۹؛ گل: ۱۱۷؛ قاموس: ۲،۱۲۸؛ جواهر: ۱،۲۶۳؛ بیاض: ۱۰؛ اشپرنگر: ۲۲۶-

میرعلاءالدوله، در تذکرة الشعرا (۱۳۸ب حاشیه) می فرماید: «اشرف‌علی‌خان' فغان تخلص' جوان خوش طبع و لطیفه گو است' و در ریخته گوئی دستگاهی دارد' وصاحب دیوانست - در عهد احمدشاه بخطاب ''ککه خان'' و بمنصب پنج هزاری معززگشته ' و بامولف تذکره' فقیر اشرف‌علی خان' رشتهٔ قرابت دور درازی دارد» -

و شاه محمد حمزه' در فص الکلمات (۴۲۳ الف) نوشته که «از عمده منصبداران عهد محمدشاه است - وضع ظریفانه داشت» -

وحیرت' در مقالات الشعرا (۵۴ الف) می‌گوید : «میرزا اشرف‌علی‌خان از کوکه‌های میرزا احمد است؛ و بگرم جوشی و خوش اختلاطی و حاضر جوابی موصوف - اکثر ریخته و گاهی شعر فارسی می‌گوید - بعد محبوس شدن بادشاه مذکور، پیش نواب شجاع الدوله پسر ابو المنصور خان رفت» -

(باقی)

(بقیه) و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۳٦ الف) باین الفاظ مختصر معرفی کرده:
" مرزا اشرف‌علی‌خان ، فغان تخلص، کوکهٔ احمدشاه بادشاه بود - شاعر فارسی و هندیست - سخن او خالی از دردنیست،،

و مبتلا، در گلشن سخن (۹۶ب) می فرماید: «اشرف علی‌خان متخلص به فغان، برادر رضاعیء احمدشاه ابن محمدشاه سلطان دهلی بوده، لهذا بخطاب کوکه‌خانی سرافرازی داشت - دراواخر عهد سلطنت احمدشاه از دهلی برآمده بصوبهٔ اوده رسید ، و چندی درآن دیار توقف ورزیده ، در اوایل عشره‌ء سابعه بعد مائة و الف بعظیم‌آباد وارد شد - روسای آن شهر اورا گرامی داشتند؛ و خان مذکور جاگیر بالتمغا حاصل نموده، بفراغت می گزرانید؛ و در مزاج راجه شتاب رای ناظم عظیم‌آباد دخل تام داشت ؛ و بوساطت راجهٔ مسطور خطاب ظریف الملك بنام خود گرفت ؛ و درسنهٔ هزار و یکصد و هشتاد وشش رحلت نمود؛ و درعظیم‌آباد مدفون گردید - کلیات ریختهاش دو هزار بیت دیده شد - اکثر سخنهایش تازه مضمون ست و سراپالطافت، و نسبت شاگردیء مرزا ندیم درست داشت» -

و عاشقی، در نشتر عشق (۵۲۱ ب) می گوید: «فغان، اشرف‌علی خان شاهجهان‌آبادی مشهور بکوکه - چون مادر آن مرحوم، احمد شاه بن فردوس‌آرامگاه حضرت محمدشاه را شیر داده بود، لهذا باین لقب شهرت داشت - در اوایل عهد احمدشاه بادشاه مرحوم، از دهلی متوجه دیار مشرق شد؛ و اول بصوبهٔ اوده رسیده، بنواب شجاع الدوله بهادر پیوست، و چندی دران جابسر ساخت ؛ و من بعد درسنهٔ یکهزار و یکصد و هفتاد بشهر عظیم آباد رفته، براجه شتاب رای ناظم صوبهٔ بهار توسل جست - وراجهٔ قدردان بخوبترین وجه باوی پیش آمده، برفاقت خودکشید، و متکفل معاش او گردید - و بوساطت وی خطاب ظریف الملك از حضور شاه عالم بادشاه مغفور ، که دران هنگام در بلدهء اله‌آباد رونق پزیر بودند، یافت، و دوسه دیه بطریق آلتمغا حصول ساخته، بفارغ البال و خوشحال اوقات بسر می‌نمود - سوای آن دیگرامراواعزای آن شهر، سلوك و مراعات باوی میکردند، وعزت و خاطرش می نمودند - چنانچه اولاد آن مرحوم تاتحریر مجموعهٔ هذا در شهر عظیم‌آباد موجود اند، و از همان معاش مذکوره زندگانی می نمایند -

گویند: خان مذکور بکمال شگفته مزاج بود - و ازبس ظرافت و مزاح برخاطر داشت - نوبتی مکان پخته برای سکونت خود بنا نهاد، و بعد تیاریء آن احباب را ضیافت کرد - و دران مجلس عندالاذکار بر زبان آورد که می خواهم کدام نشانی برمکان درست سازم، تاازان دریافت شود که مکان فلانی است - خدمتگارخان مذکور ایستاده بود - دست بسته عرض کرد که نشان مکان بخاطر فدوی خوب رسیده است - چون خان استفسار کرد، گفت که بالای دروازه دو پستان بسازند، تامردمان دریافت کنند که این مکان اشرف‌علی‌خان کوکه است - خان و حاضرین بخنده در آمدند ، و وی را انعام نمودند - اکثر تلاش نظم (باقی)

سبقت زمانه، صفای تمام دارد؛ ونسبت شاگردیش بمرزا علی قلی ندیم، که شاعر ایهام‌گو گزشته، میرسد - بسیار خوش تقریر و بذله‌سنج و لطیفه‌گو بود - باوجود مصاحبت پیشگی، بعزت تمام بسر برده - گویند که روزگار نواب شجاع‌الدوله مغفور را بهمین قدر حرکت، که در عالم اختلاط دستش بفاس سوخته بودند، به بیمزگی گزاشته رفت، و در عظیم‌آباد پیش راجه شتاب رای یکی از مقربان او شده، همانجا باجل طبعی در گزشت - این چند شعر ازوست :

(۲۰۳ب) رفته رفته، بت خوش قد مرا آفت هوگا
جو قدم آگے رکھیگا، سو قیامت هوگا

ایسی نگاه کی که مرا جی نکل گیا
قضیا مٹا، عذاب سے چھوٹے خلل گیا

آئی بہار پھر، تو سن لیجیو، فغاں
زنجیر کو توڑ آکے دوانا نکل گیا

آنا همارے گھر میں تجھے عار هوگیا
ایسا فغاں کے نام سے بیزار هوگیا!

آنکھوں نے، لے سفینۂ الفت، ڈبودیا
کچھ بس نه چل سکا، تو، مری جان، رودیا

کیا پوچھتے هو حال فغاں؟ کیا سنا نہیں؟
خانه خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

(بقیه) بزبان ریخته می‌کرد - وگاه گاهی فکر فارسی هم می نمود » -
درگلشن، و گلز، و شمیم، و سخن، و جواهر، رحلت فغان در ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) ثبت افاده است اما صاحب محبوب الزمن گوید که تاسنه ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) بقید حیات بود - و شیفته و طبقات، و فاتش رادر ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) معرفی کرده - اما اصح همان ۱۱۸۶ھ است -

اوس کی وصال و ھجر میں یونہی گزر گئی

دیکھا تو ھنس دیا، جو ندیکھا تو رودیا

تجھکو روزی ھو، مری جان، دعائیں لینا!

مجکو ھر شب تری زلفوں کی بلائیں لینا!

ترے فراق میں کیونکر یہ درد ناك جیسے؟

مرے تو مر نہیں سکتا، جیسے تو خاك جیسے!

مرجائیسے، کسی کو نہ دنیا میں چاھیسے

کیا کیا ستم سہسے! مری چھاتی سرا ھیسے(۱)

کہتے ھیں: «فصل گل تو چمن سے گزر گئی»

اے عندلیب، تو نہ قفس بیچ مر گئی

شکوہ تو کیوں کرے ھے مرے اشك سرخ کا؟

تیری کب آستیں مرے لوھو سے بھر گئی؟

تنہا اگر میں یار کو پاؤں، تو یوں کہوں

«انصاف تو نہ چھوڑ، محبت اگر گئی

آخر فغاں وھی ھے، اوسے کیوں بھلا دیا؟

وہ کیا ھوا تپاك؟ وہ الفت کدھر گئی؟

مجھہ سے جو پوچھتے ھو، بہر حال شکر ھے

یوں بھی گزر گئی مری، ووں بھی گزر گئی»

(۲۰۴ الف) ڈرتا ھوں، محبت میں مرا نام نہووے

دنیا میں، الٰہی، کوئی بدنام نہووے!

شمشیر کوئی تیز سی لانا، مرے قاتل

ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہووے

(۱) اصل: ''سرھائیسے''

دهم از طبقهٔ اولی، شاعر رنگین، که کلامش همه شیرین و متین است، انعام‌الله‌خان یقین (۱) بوده - «از دورهٔ ایهام(۲) گویان اول کسیکه ریخته را بر وضع فارسی‌گویان شسته و رفته گفته، این بزرگ بود» - شاگرد مرزا جان جان (۳) مظهر است - و بعضی گویند که دیوان

(۱) ذیل تاریخ محمدی، تحت وفیات سنه ۱۱۵۹ھ؛ گلشن گفتار: ۴۴؛ نکات: ۱۱ب؛ گردیزی: ۲۶ب؛ قص: ۷۲۴ الف؛ مخزن: ۴۹؛ چمنستان: ۱۶۱؛ حسن: ۱۵۴ ب؛ طبقا: ۲۶؛ گاز: ۳۰۸ب؛ لطف: ۱۸۴؛ تذکره: ۹۰ الف؛ نغز: ۲، ۳۵۵؛ شیفته: ۲۰۷ب؛ طبقات: ۱۹۳؛ سراپا، ۱۸۷؛ شمیم: ۲۵۹؛ سخن: ۵۶۸؛ طور: ۱۲۸؛ گل: ۱۸۷؛ جواهر: ۱۰، ۲۸۴؛ دیباچهٔ دیوان یقین، مرزا فرحت الله بیگ صاحب، طبع انجمن ترقی اردو. اشپرنگر، ۳۰۵؛

مبتلا، در گلشن سخن (۱۱۵ الف) نوشته: «یقین دهلوی، نامش انعام‌الله‌خان، خلف اظهرالدین‌خان، منظور نظر و محبوب دل مرزا مظهر بود. راقم وی را در دهلی بارها دیده. استعداد سخن سنجی چندان نداشت. مرزا مظهر از فرط الفت اشعار خود را بنام او کرده، اشتهار داد. گویند: "او اخر عهد احمدشاه، پدر یقین وی را بجهت امر ناشایسته که درین زمان او .... گشت» - و بعضی گویند: "او مانع پدر می‌شد که افعال شنیعه بعمل نیارد - لهذا از دست پدر بقتل رسید» - العهدة علی الراوی - بهر تقدیر، من اسماء فعلیها (؟) - دیوانش که از پانصدبیت قدری زیاده باشد، همه مرغوب طبع است» -

و مهجور، در مدایح الشعرا (۷۴ب) گفته: «نام آن شاعر بلند مقام، انعام الله‌خان خلف الصدق اظهرالدین‌خان، بخانوادهٔ شیخ مجدد الف ثانی مشهور - منظور نظر میرزا مظهر جان جانان شاعر مذکور سوادی نداشت - مرزا مظهر اشعار خود نامزد او می فرمود» -

مصنف گلشن گفتار گفته است که یقین برادرزادهٔ میرزا مظهر بود. لاکن بندهٔ عرشی رادرین تامل است؛ چه حسب تصریح گردیزی وغیره، یقین از خانوادهٔ مجدد الف ثانی فاروقی است، و میرزا مظهر علوی النسب بوده.

درخصوص وفاتش گفته‌اند که بعمر بست و پنج سال، و علی الاصح سی سال تقریباً، در سنه ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ء) بردست پدر شهادت یافت.

یك نسخهٔ خطیهٔ دیوانش، در کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظ است.

(۲) اصل: ابهام - و تصحیح از تذکرهٔ هندی گویان مصحفی، که عبارت هذا ازو اقتباس شده.

(۳) در اصل «جان جان» بود - اما کسی حرف «نا» افزوده، جان جانان ساخته است.

او، من اوله الی آخره، همه گفتۂ مرزاست - بہر کیف ، درین وضع همه‌ها متبع او هستند - در اول شباب مفقودالخبر گشت - حالش معلوم نشد که چه شد - مصحفی درتذکرۂ خود آورده که پدرش او را کشته، دردیگ مدفون ساخت، و این سر را کسی نمیداند - خدایش بیامرزد ! شاعری لطیف بوده - این چند شعر از دیوان فصاحت بنیان اوست :

نہیں معلوم، اب کے سال میخانے پہ کیا گزرا؟
ہمارے توبہ کے کرنے سے، پیمانے پہ کیا گزرا؟
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے
خدا جانے، تری صورت سے بت خانے پہ کیا گزرا؟
یقین، کب یار میرے سوز دل کی داد کو پہنچے؟
کہاں ہے شمع کو پروا کہ پروانے پہ کیا گزرا؟

سریر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
مجھے ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں؟
کہ گل ہاتھوں میں اور پانوؤں میں میرے خار بہتر تھا

کیا بدن مہکا کہ جسکے کھولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا
(۲۰۴ب) آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ ، یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا ، سو ابتر ہو گیا

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
برا برا نہیں یہ شغل ، کچھ بھلا بھی ہے
یقین کا شور جنوں سنکے، یار نے پوچھا

«کوئی قبیلے میں مجنون کے اب رہا بھی ہے؟»

یازدهم از طبقهٔ اولی، شیخ ظهورالدین بود که بشاه حاتم (۱) شهرت دارد. مصحفی در تذکرهٔ خود، زبانیء شاه موصوف، می نگارد که « در سال دوم فردوس آرامگاه، دیوان ولی درشاهجهان آباد آمده، و

(۱) گلشن گفتار: ۲۵؛ نکات: ۱۰ ب؛ گردیزی: ۱۰ ب؛ فص: ۴۱۸ ب؛ مخزن: ۲۴؛ چمنستان: ۱۳۵؛ حسن: ۳۶ الف؛ طبقا: ۱۹؛ گاز: ۴۱ ب؛ ابلف: ۸۱؛ عقد: ۳۵ ب؛ تذکره: ۳۸ الف؛ نغز: ۱،۱۹۶؛ شیفته: ۵۰ ب؛ گلدسته: ۳۰۶؛ طبقات: ۱۳۱؛ سراپا: ۲۶۶؛ سخن: ۱۲۰؛ روز روشن: ۱۶۱؛ آبحیات: ۱۱۲؛ خمخانه: ۲، ۳۴۲؛ گل: ۱۱۵؛ قاموس: ۱،۱۹۲؛ عسکری: ۱۰۲؛ جواهر: ۱،۲۳۴؛ اشپرنگر: ۲۳۵.

مبتلا، درگلشن سخن (۳۴ ب) می گوید: «شیخ محمدحاتم، موطنش دهلی، و معاصر نجم‌الدین آبرو بوده. زبانش با زبان ولی دکهنی مناسبت دارد. میرعبدالحی تابان از تلامذهء اوست. شاعر فصیح بیان و سرآمد ریخته گویان (بود). دیوانش دوهزار بیت، بلکه زیاده».

آزاد و کریم الدین و صاحب خمخانه و صاحب قاموس و عسکری گمان برده اند که وفاتش در ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۱ و ۱۷۹۲ع) واقع شده بود. نزد بنده عرشی، منشاو مبنای این قول را در تذکرهء هندی گویان مصحفی توان یافت، بجائیکه می گوید که عمرش قریب بصد سال رسیده، و دوسه سال شده که ازین دارفنا انتقال کرد. چون بنابر خاتمه اتمام تذکرهء هندی گویان در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) بوده، این بزرگان دوسال را از سنه اتمام تذکره تفریق کرده، قایل بمرگ حاتم در ۱۲۰۷ھ شدند. اما این رای درست نیست، زیرا که مصحفی تذکرهء مذکوره را در ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) آغاز نموده، لهذا باید که «دوسه سال» را ازین سنین خارج کنیم، تا ۱۱۹۷ھ باقی ماند که مختار اوست درعقد؛ چنانچه درو می گوید: «دریکهزار و یکصد و نودوهفت رحلت کرد. فقیر تاریخ رحلتش چنین یافته ... آه، صدحیف شاه حاتم مرد»

و در خمخانه و عسکری از خود مصحفی نقل شده که حاتم بعمر ۸۳ سال در ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) ازین جهان درگذشت. بنده هر چند تفحص کردم، امادر تذکرهای مصحفی این تاریخ رانتوانستم که بیابم. اما مستبعدنیست که این بزرگان هم در فهم عبارت عقد غلطی کرده باشند و در «آه» یك الف اختیار کرده، یك عدد کم کرده باشند.

یك نسخهٔ خطیه از دیوان زاده‌اش، که بحسب ظاهر نسخهٔ منقول از نسخهٔ مولف بنظر می‌آید، در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست. این دیوان مختصر باوجود صغر حجم، در خصوص تدوین تاریخیء کلام شعرای عصر مولف خیلی باقیمت و مهمست، چه تقریبا درعنوان هر غزل تاریخ و طرح و اسم صاحب طرح را داراست.

اشعارش برزبان خورد و بزرگ جاری گشته ؛ مادوسه کس ، که مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد، بنای شعر هندی بر ایهام گوئی نهاده ، داد معنی یابی و تلاش مضامین تازه میدادیم، و باخودها محظوظ بودیم » - غرضکه اوستاد قدیم است - بیشتر اوستادان شاگرد او بودند - سلطان الشعرا نیز شاگرد اوست - مشار الیه زندگانیء بسیار نمود، و آخر آخر ، وضع مرزا پسند نموده، دیوان خودرا که قدیم بود از طاق نظر افگنده، برطرز حال دیوانی دیگر گفته، دیوان زاده اش نام نهاده بود - این چند شعر ازوست :

تم تو بیٹھے ہوے پہ آفت ہو
اوٹھہ کھڑے ہو ، تو کیا قیامت ہو !

دل تو چاہ ذقن میں ڈوب موا
آشنا تھا ، غریق رحمت ہو !

مفلسی اور دماغ ، اے حاتم
تو قیامت کرے ، جو دولت ہو

(۲۰۵ الف) مجھے تو دیکھہ کر، کیا تك رہا ھے ؟
ترے ہاتھوں کلیجہ پك رہا ھے

خدا کے واسطے ! اوس سے نبولو
نشے کی لہر میں کچھہ بك رہا ھے

تو اذیت پیشہ دشمن ھے بغل میں، دل نہیں
دور ہو پہلو سے، صحبت کے مری قابل نہیں

تو صبحدم نہ نہاے حجاب دریا میں
پڑے گا شور کہ ھے آفتاب دریا میں

طبقهٔ ثانی

اول سرحلقه فصحای طبقهٔ ثانی، چمن آرای گلزار سخندانی، مالك فصاحت و بلاغت، جعفر علی حسرت، (۱) که از شعرای نامدار لکهنئو بوده ـ شاعر پخته‌گو ومتین، کلامش نهایت مربوط و رنگین ـ همه اقسام سخن بخوبی گفته ـ بنابر طنطنهٔ شاعری و معلومات فن که داشت، باسلطان‌الشعرا هم مقابله می خواست ـ اما چون رتبه اش بحسب و نسب هر دو درنظر مرزا اعتبار نمیگرفت، مطلق باو ملتفت نشد، وهیچ در حساب نیاورد ـ و حالانکه حسرت بزعم خود هجو مرزا هم گفته بود، آنهم شهرت نگرفت ـ و طرفه‌تر اینست که مرزا باوجود بی اعتنائی و اغماض دوچار شعر برعایت پیشهٔ او که عطاری، یعنی دوافروشی بود، بگفتهٔ دیگر مردمان در قدحش گفته، آن اشعار تاحال برزبان خلق جاری هستند ـ بالجمله پایهٔ کلام مشارالیه ارفع و رتبهٔ شاعریش منیع ـ

---

(۱) حسن: ۴۰ الف؛ طبقا: ۷۳؛ گلز: ۴۴ ب؛ لطف: ۸۴؛ تذکره: ۲۶ الف؛ نغز: ۱،۷۰۲؛ شیفته: ۵۲ ب؛ سراپا: ۳۸۰،۲۱۲؛ شمیم: ۳۶؛ سخن: ۱۲۷؛ آبحیات: ۲۳۷؛ طور: ۲۸؛ روز روشن: ۱۷۱؛ خمخانه: ۴۰۸،۲؛ گل: ۲۱۵؛ قاموس: ۲۰۱،۱؛ عسکری: ۲۴۷؛ جواهر: ۳۶۱،۱؛ اشپرنگر: ۲۳۴ ـ

مبتلا، درگلشن سخن (۴۰ ب) گفته: «مرزا جعفر علی حسرت، ولد مرزا ابوالخیر از مشاهیر ریخته گویان لکهنئو است ـ اکثر تازه گویان آن شهر شاگرد اویند ـ صاحب قصاید وغزلیات ـ و تا حال، که سنه ۱۱۹۴ هجری نبویست، در قید حیات».

وفات حسرت، بقول خمخانه و عسکری و جواهر در ۱۲۱۷ه (۱۸۰۲ء) و بقول لطف و گل در ۱۲۱۰ه (۱۷۹۵ء) و بقول شمیم و سخن و طور در ۱۲۰۰ه (۱۷۸۶ء) واقع شده ـ و فاضل محترم جناب قاضی عبدالودود صاحب (پٹنه) برحاشیهٔ تذکرهٔ سخن شعرا نوشته اند که از مادهٔ تاریخ گفتهٔ جرات، که «سوی جنت رفت» می باشد، ۱۲۰۹ه (۱۷۹۴ء) مستخرج می شود ـ بندهٔ عرشی در دیوان جرات (۳۹۵ الف، شماره ۴۰، فن دواوین اردو) این قطعهٔ تاریخیه یافته‌ام:

خلاق مضامین جو رحلت فرماے   هر اهل سخن کو کیون نه حسرت رهجاے؟ (باقی)

نزد اکثر اوستادان پایۂ اوستادیء او مسلم - در آخر عمر ترك (روزگار) گفته، لباس درویشی اختیار کرد، و بعد چندی در لکھنئو رحلت یافت - این اشعار ازوست:

(۲۰۵ب) کسکی نگہ کا تیر لگا، آہ، کیا ہوا؟
تڑپے ہے دل مرا، اسے الله کیا ہوا؟
کوئی دم کی بات ہے کہ نہ تھا بیقرار دل
کیا آفت اس پہ آگئی ناگاہ، کیا ہوا؟

بیاں کیا کیجے اوس سرو رواں کے قدو قامت کا
بلاہے، آفت جاں ہے، نمونہ ہے قیامت کا
ترے لب کے ہلانے میں جو، پیارے، جی نہ اوٹھتا میں
نہوتا معتقد ہرگز مسیحا کی کرامت کا

خدا حافظ ہے، کیوں محفل میں اوسکا نام آیا تھا؟
تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا
فلك، اك دم بھی تونے وصل کی شب کو نہ ٹھہرایا
یہ ساری عمر میں تجھہ تك ہمارا کام آیا تھا

آشیاں چھوڑ چلے، اے چمن آرا، ہم تو
توھی لیجائیو سر پر یہ گلستان اوٹھا

(بقیه)
جرات نے کہی یہ روکے تاریخ وفات «یوں جاوے جہاں سے حسرت، ارماں ہے، ہاے!» ازین ماده ۱۲۰۶ھ (۹۱-۱۷۹۱ء) مستفاد میشود، اگر در لفظ «جاوے» حرف «و» را جزو مادهء تاریخ شمار بکنیم - و اگر برطبق الفاظ دیگر: «فرماے، رهجاے» که در بیت اول واقع شده، و در تمام نسخ خطیۂ کتابخانۂ عالیۂ رامپور، بدون «و» نوشته شده، «جاے» بخوانیم (و نزد بنده همین ارجح است) ۱۲۰۰ھ، که مختار شمیم وغیره است، برمی آید.

در کتابخانۂ عالیۂ رامپور یك نسخۂ خطیه از کلیاتش محفوظ است.

کل روتے ہوے جو اتفاقا
حسرت کے مزار پر گئے ہم
پڑھتا تھا یہ شعر وہ، تہ خاك
بس سنتے ہی جس کے مرگئے ہم
«واما ندو(ن) پہ دیکھیے کہ کیا ہو ؟
اپنا تو نباہ کر گئے ہم »

کس کا ہے جگر ؟ جس پہ یہ بیداد کروگے
لو، دل تمھیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کروگے !

کوڑیون کے مول بیچا مصر میں تونے، فلك
ہاے اوس یوسف کو، جو تھا سارے کنعاں کی بساط

دوم از طبقۂ ثانی، شاہ محمدی بیدار است کہ میر محمدعلی نام و بیدار تخلص او بود (۱)۔ شاعری گزشتہ کہنہ مشق؛ کلامش شستہ و رفتہ، و خود در زی درویشی میزیست - از مریدان مولوی فخرالدین شمردہ میشد - فارسی ہم کم کم میگفت، بلکہ چند (۲۰۶ الف) غزل ورباعی و قصیدۂ فارسی، کہ گفتہ، آنہم پشت سر ورق دیوان خود نوشتہ میداشت - این چند شعر انتخاب از دیوان ریختۂ اوست :

---

(۱) نکات: ۲۱ب؛ گردیزی: ۲۵ (مطبوعہ)؛ مخزن: ۶۳؛ چمنستان: ۵۰؛ حسن: ۲۲ب؛ گلز: ۲۲ب؛ لطف: ۵۹؛ عقد: ۷اب؛ تذکرہ: ۱۲ الف؛ نغز: ۱،۱۱۷؛ شیفتہ: ۳۴ الف؛ طبقات: ۱۵۶؛ سراپا: ۲۶۷، ۲۶۹؛ شمیم: ۱۰۲؛ سخن: ۷۴؛ روز روشن: ۱۱۴؛ طور: ۱۸؛ خمخانہ: ۶۶۳،۱؛ گل: ۲۰۰؛ عسکری: ۲۵۱؛ جواہر: ۶۸۶،۲؛ بیاض: ۲۵؛ اشپرنگر: ۲۱۲ -

مبتلا، در گلشن سخن(۷اب)می گوید: «بیدار از روسای دہلی است - سخنور کامل مشہور - ہمعصر خواجہ میر درد - دیوانش یکہزار (و) پانصد بیت بنظر آمدہ - کلامش دلچسپ و اسمش میر محمدی» -

مصحفی در تذکرہ گفتہ کہ «حالا در اکبرآباد است» - و بنام علیہ در طبقات (باقی)

اب تك مرے احوال سے وهاں بیخبری هے
اے نالۂ جانسوز، یه کیا بے اثری هے ؟

فولاد دلاں ، چهیڑیو زنہار نه مجهکو
چهاتی مری، جوں سنگ، شراروں سے بهری هے

اوٹهکے، لوگوں سے کنارے آئیے
کچهه همیں کہنا هے، پیارے، آئیے

جو کچهه چاهیے آپ فرمائیے
په غیروں کی باتیں نه سنوائیے

نصیحت سے، بیدار، کیا فائده ؟
جو هو آپ میں، اوسکو سمجهائیے

دانت تو کیا هیں، اگر کاٹو چهری سے، پیارے
هاتهه سے میرے تو ممکن نہیں دامان چهٹے

صورت اوسکی سما گئی جی میں
آه، کیا آن بها گئی جی میں

تو جو، بیدار، یوں هوا تارك
ایسی کیا بات آ گئی جی میں ؟

یه وهی فتنه و آشوب جہاں هے، بیدار
دیکهکر پیر و جوان جسکو، حذر کرتے هیں
بس نہیں خوب که ایسے کو دل اپنا دیجے

(بقیه) می نویسد که در ۱۷۹۳ء در اکبرآباد بوده ۔ و در گل و خمخانه نوشته شده که در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) رحلت کرد ۔ و اشپرنگر و فاتش را در ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) معرفی کرده ۔

دیوان غزلیاتش، که در ۱۲۳٦ھ (۱۸۲۰ع) نوشته شده، در کتابخانۂ عالیۂ رامپور یافت می شود ۔

آگے تو جان، میاں، ہم تو خبر کرتے ہیں

سیوم از طبقۂ ثانی، فدوی (۱) لاہوری است، کہ بقوت شاعری و معلومات فن کہ بزعم خود زیادہ ترداشت، بمرزا مقابل شدہ مہاجات نمود، و بسبب صفای بندش و ایراد قطعہ ها در بیشتر غزلہا، شہرت بسیار گرفت، و یکی از نامداران عصر (۲۰۶ب) خود گردید۔ اگرچہ از اصل بقال پسری بود؛ اما مزاجش عاشق پیشہ افتادہ۔ شعر بسیار بامزہ میگفت۔ این چند شعر ازوست:

ابرو کی تیغ تیز سے، سورج ڈرے(۲) ہوے
پھرتا ہے اپنے منہ پہ سپر کو دھرے ہوے

آنسو نہیں یہ دیدۂ تر میں بھرے ہوے
موتی ہیں آبدار صدف میں دھرے ہوے

یہ سرو نہیں باغ میں، ہے آہ کسی کی
نرگس نہیں، تکتا ہے چمن راہ کسی کی

سر پر تو دھر کے نعش ہماری کو تا مزار
ہر یك قدم پہ روتے ہوے خونفشاں چلے

---

(۱) حسن: ۹۰ب؛ طبقا: ۳۶؛ گلزار: ۱۶۱الف؛ تذکرہ: ۵۸ب؛ نغز: ۲، ۳۹؛ شیفتہ: ۱۹۸؛ طبقات: ۹۰؛ سراپا: ۹۷؛ شمیم: ۱۷۹؛ سخن: ۳۵۹؛ آب حیات: ۱۵۵ حاشیہ؛ اشپرنگر: ۲۲۶۔

مبتلا، در گلشن سخن(۸۴ب) می گوید: «فدوی لاہوری مرد خود پسند بر خود غلط بود۔» و میر ولی اللہ، در تاریخ فرخ آباد (۱۶۱ الف) می نویسد: «فدوی شاعر مشہور، درعہد نواب احمد خان بہ فرخ آباد آمدہ، با میرزا رفیع السودا در مہاجات مطارحات نمودہ۔»

در شمیم نوشتہ کہ اسم فدوی مکند لال بودہ، و بہ صابر علی صابر تلمذداشتہ۔ آخرکار مذہب ہنود ترك کردہ مشرف باسلام شد و در دہلی سکونت ورزید۔ و درطبقات گفتہ کہ بعد قبول اسلام بمحمد حسن موسوم شد و بعمر پنجاہ سال وفات یافت۔

(۲) اصل: «بھرے ہوے» و تصحیح از نغز: ۲، ۴۰۔

لائے تھے سر پہ دھر کے، کس اخلاص سے ہمیں
بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی، اے دوستاں، چلے؟
یاروں نے اپنی راہ لی، فدوی، ہمیں رہے
وہ چیز اب کہاں ہے، جو پوچھے: «کہاں چلے»؟

چہارم از طبقۂ ثانی، میر حسن علی تجلی (۱) است که عرفش «میاں حاجی» بود. بقول مصحفی (۲) «در فن ریختہ بی نظیر، و ہمشیرہ زادۂ میر محمد تقی میر۔ دیوان ضخیم ترتیب دادہ»۔ و بزعم راقم رویۂ میر، رحمہ اللہ تعالے، سوائے مشار الیہ در کلام ہیچکس یافتہ نمی شود۔ حق اینست کہ ہر چہ گفتہ، خوب گفتہ؛ و از تشبیہ و استعارہ و کنایہ و مجاز ہرچہ می بایست، دران مطلق کمی نہ نمودہ۔ مثنوی «لیلی مجنون» را بنائے خوبی نہادہ۔ غزلہائے بحر کامل، ہیچ شاعری بہتر و خوشتر ازو نگفتہ۔ اشعارش بسیار مشہور۔ اگرچہ کلام دلپذیرش ہمہ (۲۰۷ الف) انتخاب و مستثنی؛ اما چند شعر درین رسالہ ہم یادگار اونوشتہ شدہ اند:

نہ تھا نازک اتنا، خبر نہیں دل پا شکستہ کو کیا ہوا
کہ گھر نمط، سر راہ میں چلا سر سے ابلہ پا ہوا
تو کہیں رہے، پہ ترا الم مرے دل پہ رکھے ہے نت کرم

---

(۱) تذکرہ: ۷۱ ب؛ نغز: ۱، ۱۳۴؛ شیفتہ: ۳۸ الف؛ طبقات: ۱۳۹؛ سراپا: ۲۱۵؛ شمیم: ۳۶، سخن: ۸۲؛ طور: ۲۱؛ خمخانہ: ۲، ۳۶۔

اسم تجلی، در نغز و طبقات، میر محمد محسن و در شیفتہ، میر محمد حسین و در خمخانہ، میر حسین و در سراپا و شمیم، میر حسن و در طور، میر محمد حسن ثبت افتادہ۔ و اسم پدرش در نغز و طبقات و سراپا و شمیم و طور، میر محمد حسین کلیم و در شیفتہ، میر محمد حسن کلیم و در خمخانہ، میر حسن کلیم نوشتہ شدہ است۔

مثنوی «لیلی مجنون»، کہ در متن ازو ذکر رفتہ، باہتمام مولوی کریم الدین در بلبلی خانہ در ۱۸۴۴ع بچاپ رسیدہ بود۔

(۲) اصل: «کہ در فن»۔

میں اسے بھی جانوں ھوں مغتنم، کہ رھے ھے گھر تو بسا ھوا
نہ کسو نے جب سہی یہاں جفا، مجھے یاد کر کہا ھو خفا
کہ «کبھی تجلی ذی وفا، نہ مری جفا سے خفا ھوا»
اب ایسی منہدی(۱)لگی تیرے پاے نازک میں
کہ خواب میں بھی کبھی تو نہ، اے نگار، آیا
گر یونہی جنوں دست و گریباں رھے گا
دامن ھی رھے گا، نہ گریباں رھے گا
تا کوچۂ دلدار پہنچ لینے دے، طاقت
آخر تو تو جاتی ھے، یہ ارمان رھے گا
دل تو بھلا گیا ھی تھا، طاقت کو کیا ھوا؟
یارون کی، اس زمانے کے، الفت کو کیا ھوا؟
میں تو یہ سمجھا، یارو، کہ سمجھایا خوب اونہیں
پر یہ کہو کہ «بارے، نہایت کو کیا ھوا؟»

کلام این وحید زمانہ بسیار است۔ تا کجا نوشتہ شود۔

پنجم از طبقۂ ثانی، میر حیدرعلی حیران (۲) کہ مولدش شاھجہان آباد و خود بلکھنئو و فیض آباد نشو و نما یافت۔ بسبب روزگار سپہ گری و رسالہ داری، کہ پیشۂ او بود، فرصت نداشت۔ تاھم بجہت معلومات فن و موزونیء طبیعت، کہ خلقی اورا حاصل بودہ، ھرچہ میگفت خوب میگفت۔ و معہذا شاگردان ھم بہم رسانیدہ۔ میر شیر علی افسوس ھم از شاگردان اوست۔ و خود در ابتدای حال مشورہ بہ سرپ سکھہ دیوانہ نمودہ۔ (۲۰۷ ب) آخر ازو برگشت

(۱) اصل : «مہدی» (۲) حسن : ۳۹ الف ؛ گلزار : ۴۵ الف ؛ لطف : ۸۵؛ تذکرہ: ۲۵ الف؛ نغز : ۱، ۲۲۳؛ شیفتہ : ۵۸ ب ؛ طبقات : ۲۳۷ ؛ شمیم: ۳۴؛ (باقی)

و بشاگردیء کسی مقر نبود. فکرش صاف، کلامش با مزه، بایراد معنیء بیگانه هم آشنا. چندی بخاطر، بلکه بحکم مہاراجه ٹکیت رای بہادر، شادان نیز تخلص نموده بود. این چند شعر ازوست:

کل جو حیراں کو میں روتے دیکھا
بن گئی دوکھنے کی گھات مری
اون کی خدمت میں ادب سے، میں نے
عرض کی: «دیکھی کرامات مری؟
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ ندیں
بندگی، قبلۂ حاجات! مری»

کیا اک خلق کو ابرو نے اوس کے قتل، اے حیراں،
کہاں جاتا ہے؟ وہاں تلوار پر تلوار پڑتی ہے

صف مژگاں سے اوس کی، جب نہ تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں، ہر چند حیراں سر پٹکتا ہے

جلا جاتا ہے حیراں آتش عشق نہانی سے
بھنا جاتا ہے دل، اور جی سپند آسا چٹکتا ہے

جی نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھ جا، کچھ نہیں رہا ہم میں

(بقیه)سخن: ۱۴۳؛ طور: ۳۰؛ روز روشن: ۱۸۹؛ قاموس: ۱، ۲۱۶؛ بیاض: ۳۶؛ اشپرنگر: ۲۳۷؛ مبتلا، در گلشن سخن (۳۸ ب) نوشته که «میر حیدر علی حیران، شاگرد لاله سرپ سکهه دیوانه، در زمرهء نکته سنجان پسندیده محسوبست. اصلش از دهلی، و اکنون در لکهنئو بسر میبرد.»

در خصوص وفات وی معلوم میشود که در عهد نواب آصف الدوله (۱۱۸۸ — ۱۲۱۲ ھ مطابق ۱۷۷۵ — ۱۷۹۷ ع) در صوبۂ بہار بقتل رسید. و لطف نوشته که تا ۱۲۱۵ ھ (۱۸۰۰ ع) بقید حیات بوده.

ششم از طبقهٔ ثانی، تهمتن میدان سخنوری، اسفندیار معرکهٔ شاعری، بقاء الله خان بقا (۱) است، که بقوت صفائی و فصاحت الفاظ، حضیض ریخته را باوج فارسی رسانده؛ و بتوانائیء بلاغت و متانت کلام، ادهم هندی را باشهب عربی دوانده - شاعر قصیده گو گذشته؛ لهذا بمقابلهٔ مرزا محمد رفیع، در قصاید جوابش داد معنی یابی و تشابیه غریبه داده - از متاخرین کسی همترازوی او نبود - آخر آخر، دماغش مختل گردیده، دیوان خود را، مع(۲) همه مسودهای کلام خود، پاره نموده (۲۰۸ الف)، بآب تر کرده، در سبوچهٔ کلان میداشت - هرکسی که طالب شعرش می آمد، همان سبوچه نشان داده، میگفت که «درین همه کلیات من است - هرچه منظور باشد، بنویسید - اما هجوهای بعض کسان که کرده ام، برای خدا ننویسید که من توبه کرده ام» - و چون آخر، شوق زیارت حضرت ابا عبدالله الحسین علیه السلام دامنگیر شد، و از فرط غیرت، که مخمر طینتش بوده، نمیخواست که دست سوال پیش کسی دراز کند یا اعانت زادراه جوید، اراده نموده که دو سه حرفه خود بیاموزد؛ تادران بقعهٔ مبارکه روزیء حلال بکسب دست حاصل نموده خورده باشد - چنانچه کندن

---

(۱) حسن: ۱۲۳الف؛ طبقا: ۳۷؛ گلز: ۲۲ب؛ لطف: ۵۸؛ تذکره: ۱۵ب؛ نغز: ۱، ۱۰۷؛ شیفته: ۳۱ب؛ طبقات: ۲۰۰؛ سراپا: ۱۶۸ و ۲۲۷؛ شمیم: ۳۱؛ سخن: ۶۸؛ روز روشن: ۱۰۰؛ آبحیات: ۱۶۶ و ۲۲۲؛ طور: ۱۸؛ خمخانه: ۱، ۶۰۳؛ عسکری: ۲۵۳؛ بیاض: ۱۳ اشپرنگر، ۲۱۲ -

مبتلا، در گلشن سخن (۱۲الف) گفته: «بقا، اسمعش بقاء الله، خلف حافظ لطف الله ...... در لکهنؤ مقیم و شاگرد مرزا محمد فاخر مکین، فارسی گو است» -
باتفاق اهل تذکره، بقا در ۱۲۰۶ھ (۹۱-۱۷۹۱ع) تقریبا ازین جهان رحلت کرده است - اما در روز روشن نوشته که «تا سال بستم، از مایهٔ سیزدهم در قید حیات بود» -

(۲) اصل: «معه» -

عقیق و نوشتن خط نستعلیق و نسخ و علم‌طب در همان حالت حاصل نموده، از راه بنگاله عازم (۱) منزل مقصود گردید. گویند که در همان ضلع بکدام مکان اجلش دررسید، و از سودای دنیا او را خلاصی داد. با راقم بسیار آشنا بود، و کمال انس داشت. حالا قریب دو هزار شعر ازوجسته جسته پیش مردمان مشهور است. و این چند شعر ازوست:

ترے جو خال سیه لب په آشکارا هے
کسی کے بخت سیه کا مگر ستارا هے

چمن میں لاله نهیں، تجهکو دیکهکر، قاتل
زمیں سے خون شهیداں نے جوش مارا هے

بقا کی آه نے اوس میں کبهی نکی تاثیر
بتاں، یه دل هے تمهارا که سنگ خارا هے؟

تو نے اس طرح کا، اے چرخ، گرایا همکو
که موے پر بهی کسی نے نه اوٹها یا همکو

(۲۰۸ب) رهرواں کہتے هیں جسکو «جرس محمل هے»
محنت راه سے نالاں، وه همارا دل هے

موج سے بیش نهیں، هستیء وهمی کی نمود
صفحهٔ دهر په، گویا، یه خط باطل هے

کچهه تعین نهیں، اس راه میں، جوں ریگ رواں
جس جگه بیٹهه گئے، اپنی وهی منزل هے

آستیں حشر کے دن خون سے تر هو جسکی
یه یقیں جانیو اوسکو که مرا قاتل هے

---

(۱) اصل: «عالم».

کھول دو عقدۂ کونین بقا کے پل میں
یا علی، تمکو یہ آسان، اوسے مشکل ہے

دست ناصح جو مرے جیب کو اس بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اوس میں نہ رہے تار لگا

یار کو پہنچی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا؟

وہ جو دیکھہ آئنہ کہتا ہے کہ «اللہ رے میں!»
اوس کا میں دیکھنے والا ہوں، بقا، واہ رے میں!

رخ اوسکا، صفائی ترے تلوے کی نپاوے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھاوے

غیرت گل ہے تو، اور چاك گریباں ہم ہیں
رشك سنبل ہے تری زلف، پریشاں ہم ہیں

ناتواں چشم تری، ہم ہیں عصا کے محتاج
نت کی بیمار وہ، اور طالب درماں ہم ہیں

ترکی اوس چشم کی ہے ابروے خمدار کے زور
چھین لیتی ہے دل خلق وہ(۱)تلوار کے زور

هفتم از طبقۂ ثانی، شاعر متین و مربوط، که کلامش نہایت مقبول و مضبوط، خواجه احسن الدین خان بیان(۲)است. هر شعرش گویا آئینهء آبست

(۱) اصل: «وو».

(۲) گردیزی: ۴ب؛ مخزن: ۷۴؛ چمنستان: ۵۲؛ حسن: ۱۹ الف؛ طبقا: ۳۳؛ گلز: ۲۰ الف؛ لطف: ۵۵؛ تذکرہ: ۱۳ ب؛ نغز: ۱، ۱۲۳؛ شیفته: ۳۵ ب؛ طبقات: ۱۵۴؛ نسیم: ۲۴؛ سخن: ۷۰؛ خزینه: ۱۵۲؛ صبح: ۷۰؛ طور: ۱۹؛ خمخانه: ۱، ۶۱۷؛ محبوب: ۱، ۳۰۸؛ گل: ۱۹۱؛ قاموس: ۱، ۱۴۵؛ عسکری: ۲۵۵؛ جواهر: ۱، ۲۹۳؛ بیاض: ۱۸۰؛ اشپر نگر: ۲۱۲— (باقی)

با آب و تاب، و دیوانش از اول تا آخر همه انتخاب۔اگر بتامل نگاه کرده آید، بندش و تالیف اوکم از هیچ اوستادی نیست۔میگویند که تاحال زنده است۔بطرف دکهن در سرکار نظام علیخان عزواعتباری دارد (۱)۔(۲۰۹ الف) این چند شعر از وست:

(بقیه) شاه محمد حمزه، در فص الکلمات (۱۸۴الف) گفته که « خواجه احسن الله بیان درسنهٔ یکهزار و یکصد و هشتاد و چار هجری، همراه نواب وزیر غازی الدین خان بفقیر خانه (در مارهره) رسیده بود۔ بحسن صورت و سیرت محلی، و بفهم و فراست محلی۔ زاد گاهش اکبر آباد است، و طبعش معنی ایجاد۔ مشق سخن از میرزا مظهر می کرد۔ چند شعر بدست خود برحاشیهٔ کتاب نوشته»۔

و حیرت، در مقالات الشعرا (۴۱ب) نوشته: « خواجه احسن الدین خان بیان، مجمع خوبیهای بیشمار است، و معدن مکارم هزاران هزار۔ اگرچه مولدش اکبر آباد است، اما از مدتی در شاهجهان آباد توطن گزیده، برایصاحب خداوند خیلی اتحاد وارتباط دارد۔ هنگامی که این زله ربای مایدهء ارباب سخن، بمقتضای قسمت آب و دانه وارد شاهجهان آباد بود، تفقدآن بزرگ منشر زیاده از آنچه که متصور شود، بحال خود مشاهده می نمود۔ حسن خلق و وفور مروت با علوی ادراك و رسائیء طبیعت درطینت اوجمع است » ۔

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۶۳ب) فرموده: « احسن الدین خان بیان تخلص، صاحب ذهن سلیم و طبع مستقیم۔ تا عهد عالمگیر ثانی در شاهجهان آباد اقامت داشت ۔ باز معلوم نه شد که کجارفت »۔

و مبتلا، در گلشن سخن (۱۳الف) ذکر کرده: « بیان، اسمش احسن الله، شاگرد مرزا مظهر، مولدش اکبرآباد، سکنش دهلی است۔ مرد عاشق پیشه، و کلامش پرشور »۔

و عاشقی، در نشتر عشق (۱۰۶الف) آورده: « بیان، نام وی احسن الله بود۔ این ابیات ازوست۔

بخون آلوده مژگانم چه نسبت شاخ مرجان را؟
که دل خون کرد اشك سرخ من لعل بدخشان را

زضعف ناتوانی رفت دامانش زدست من
پیء دفع خجالت چاك می سازم گریبان را

بیان، حسب تصریح خمخانه و گل رعنا و جواهر وبیاض، در ۱۲۱۳ھ (۹۸-۱۷۹۷ع) رحلت کرد۔ چنانچه از مادهء تاریخ « استاد از جهان رفت » که گفتهٔ یکی از تلامذه اش می باشد، همین سال برمی آید۔ وصاحب تذکرهء محبوب الزمن و قاموس ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) نوشته که بحسب ظاهر مستبعد و نادرست معلوم می شود۔

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا
شب مرا شور گو یہ سن کے، کہا:
«اسکے ہاتھوں میں سو نہیں. سکتا»
مصلحت ترک عشق ہے، ناصح
لیک یہ ہمسے ہو نہیں سکتا
جو مسلسل بیان کہتا ہے
کوئی موتی پرو نہیں سکتا

وامق تو کیا ہے؟ قیس بھی جاتا ہے مجھکو بھول
جب دیکھتا ہوں حسرت فرہاد کی طرف
ہوویگا ذوق حسرت دیدار میں خلل
شیریں، گذر نکیجیو فرہاد کی طرف

بھلا سن تو، اے دین و ایمان عاشق
ہوا ہے تو کیوں دشمن جان عاشق؟
مقابل ہی رہتا ہے ہر وقت تیرے
ہے آئینہ، یا چشم حیران عاشق

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھہ دراز ہے
آنکھیں جو کھل گئیں، تو در صبح باز ہے

جلو میں پھرے ہیں پریزاد لڑکے
دو انے، ترے اس تجمل کے صدقے

رسوا نکر، خدا سے ڈر، اے چشم تر، مجھے
آنا ہے اوسکے کوچے میں بار دگر مجھے

هشتم از طبقهٔ ثانی، منتخب فصحای زمن، بلبل شیرین سخن، سید حسن المتخلص بحسن (۱)، غفر الله ذنوبه، صاحب مثنوی «سحر البیان» است، که شهرهٔ خوش گوئیء او عالم رافرا گرفته، و نور صفای بیان آن جهان را منور ساخته. شاعر خوش بیان و شیرین زبان بود. دیوان ضخیم ترتیب داده. در مثنوی و غزل نظیر خود نداشت. طرزش صاف و بسیار با مزه و مقبول خاص و عام هر دو. (۲۰۹ب) مدتی شده که جهان فانی را وداع گفته. تاریخ وفاتش مصحفی چنان نظم نموده. تاریخ:

---

(۱) حسن: ۴۲ الف؛ طبقا: ۳۹؛ گلزر: ۵۲ الف؛ لطف: ۹۲؛ تذکره: ۲۴ الف؛ نغز: ۱، ۲۰۲؛ شیفته: ۵۳؛ طبقات: ۲۱۳؛ سراپا: ۷۰ و ۹۸ و ۱۴۲ و ۱۹۸ و ۲۱۱ و ۲۴۹ و ۳۷۹؛ جدولیه: ۱۴۳؛ شمیم: ۳۷؛ سخن: ۱۳۰؛ آب حیات: ۲۵۳؛ طور: ۲۹؛ خمخانه: ۲، ۴۲۹؛ گل: ۲۳۴؛ انتخاب: ۱۴؛ قاموس: ۱، ۲۰۲؛ عسکری: ۱۴۳؛ جواهر: ۲، ۳۹۷؛ بیاض: ۴۰؛ اشپر نگر: ۲۳۳؛ بلوم هارث: ۳۶ــ

مبتلا، در گلشن سخن (۴۲ الف) می گوید: «میر غلام حسن، حسن تخلص دهلوی، ابن میر غلام حسین ضاحک. در شهر کهنهٔ دهلی مسکن داشت، و شاگرد میر ضیابود. از دهلی سفر گزیده وارد لکهنئو گشته، با نواب سالار جنگ و خلف ایشان نوازش علی خان میگذراند. مضامین سخنهایش تازگی دارد»ــ

و مهجور، در مدایح الشعرا (۲۱ الف) می نویسد: «اسم شریف آن سید والا تبار، و آن شاعر نغز گفتار، و آن سخنور نادره اشعار، میر غلام حسن، خلف الرشید سید غلام حسین ضاحک تخلص از اولاد امجاد میر امامی هروی رضوی است. اللهم اغفرهما»ــ

لطف و اشپرنگر و انتخاب، رحلت حسن را در ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ع) و قاموس در ۱۲۰۴ھ معرفی کرده. اما باتفاق دیگر اهل تذکره سال رحلتش همان ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ع) است که در متن مذکور شده ــ

در خصوص اسم میر حسن باید تصریح کرده بشود که او موسوم به غلام حسن است و بنابرین بعید نیست که لفظ غلام از متن ساقط شده باشد ــ

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهٔ خطیهٔ کلیات حسن را داراست، که یکی ازانها در رامپور بردست محمد رحیم، خطاط نستعلیق، بموجب حکم نواب سید احمد علی خان بهادر، در ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) با تمام رسیده و پنج نسخهای خطیهٔ سحرالبیان هم محفوظ است ــ

چون حسن، آن بلبل خوش داستان
رو ازین گلزار رنگ و بو بتافت
بسکه شیرین بود نطقش، مصحفی
«شاعر شیرین زبان،» تاریخ یافت
(۱۲۰۱ھ)

این چند شعر از دیوان اوست:

جاتا تھا اوس کے کوچے میں، میں بے خبر چلا
بارے، اوسی نے ٹوک کے پوچھا: «کدھر چلا؟»

دل اب تو بات بات پہ پستا ھے، اے حسن
کیا جانے،اس میں کس کی نزاکت سما گئی؟

ھے دھیان جو اپنا کہیں، اے ماہ جبیں، اور
جانا تھا کہیں اور، تو جاتا ھوں کہیں اور

آخر تو، کہاں کوچہ ترا اور کہاں ہم؟
کر لیویں یہاں بیٹھ کے اک آہ حزیں اور

میں حشر کو کیا روؤں؟ کہ اٹھ جاتے ھی تیرے
برپا ھوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

تھا روے زمیں تنگ، زبس ہم نے نکالی
رہنے کے لئے شعر کے عالم میں، زمیں اور

نکلے، تو اسی کوچے (۱) سے یہ گم شدہ نکلے
ڈھونڈھے ھے حسن دل کو، تو پھر ڈھونڈھ یہیں اور

تم تو لڑ بھڑ کے، حسن، یار سے بس ایک ہوے
مفت میں میں نے یہ باتیں جو سہیں، مجھکو کیا؟

---

(۱) اصل: «کونچہ» —

کل صبا کس کی باس لائی تھی؟
جان میں میری، جان آئی تھی
دل کو روؤں و یا جگر کو، حسن
مجھکو دونوں سے آشنائی تھی

اے گرد باد، طرف چمن ٹک گزار کر
بلبل کے پر پڑے ہیں، گلوں کے نثار کر

نہم از طبقۂ ثانی، شاعر شیرین گفتار، محمد امان خان نثار- (۱) و شیخ گفته می شد- (۲۱۰ الف) بزرگانش صنعت معماری داشتند- کسیکه طرح جامع دهلی ریخته، جد او بود- مشارالیه هم در پیش امرا، یعنی مجدالدوله و ضابطه خان و راجه ٹکیت رائے و مهدی علی خان وغیره، با هتمام همین صیغه نوکری با متیاز نموده است- کلامش از تلاش معانی و جمعیت الفاظ گونا گون (۲) خالی نبوده- کمال پرگو بود- هفت دیوان ترتیب داده؛ اما سوائے غزل و چند رباعیء شمرده هیچ نگفته- آوردن الفاظ، که مخصوص بمردمان شاهجهان آباد اند، خاصۂ او بود- این چند شعر ازوست:

آج کیا ہے، جو ادهر رنجه قدم فرمایا
یه تو فرمائیے: «کسطرح کرم فرمایا؟»
مجنوں کا میرے، ہے دل دلگیر بے صدا

(۱) حسن: ۱۳۹؛ طبقا: ۴۱؛ تذکره: ۸۴ ب؛ نغز: ۲، ۲۶۶؛ شیفته: ۱۹۳ الف؛ طبقات: ۳۵۱؛ سراپا: ۴۷۲؛ شمیم: ۲۳۵؛ سخن: ۵۰۳؛ طور: ۱۱۵؛ آبحیات: ۲۱۸ حاشیه؛ جواهر: ۱، ۳۴۸؛ بیاض: ۳۱؛ اشپرنگر: ۴۷۲ —
در حسن و طبقا، اسمش امان الله، و در شمیم و بیاض محمد امان ولد سعادت الله معمار ثبت افتاده- و طبقا و شمیم معرفی کرده که نسبت تلمذ بشاه حاتم داشت —
(۲) اصل: «گونان گون» —

گویا کہ زنگ ناقۂ تصویر بے صدا

اس آہ بے صدا کا جگر سے یہ ربط ھے

کاغذ سے جیسے خامے کی تقریر بے صدا

گردش کا اوس نگاہ کی، اب طور اور ھے

اے ساکنان میکدہ، یہ دور اور ھے

نثار، اوس کی حقیقت سے کب تو ماھر ھے؟

برب کعبہ! بتوں میں وہ سخت کافر ھے

مر جائیں، کریں منہ سے نہ اظہار محبت

شرمندۂ عیسی نہیں، بیمار محبت

دل ضبط آہ سے مرے سینے میں جل گیا

جھگڑا چکا، عذاب سے چھوٹا، خلل گیا

کلبۂ احزاں میں روشن کردیا غم کا دیا

آتش داغ کہن کو کن نے پھر چمکا دیا؟

دل کو اول قتل کر، پھر مہربانی کی تو کیا؟

اسکی کیا شادی، ھمیں خلعت جو ماتم کا دیا؟

جب وصل تھا نصیب تو، اے یار، کچھہ نہ تھا

چنگے بھلے تھے، جان کو آزار کچھہ نہ تھا

(۲۱۰ب) اے جان، تم جو آگئے، بس جان آگئی

جینے کا، ورنہ، اپنے تو آثار کچھہ نہ تھا

ھم جاسکیں نہ وھاں، نہ وہ گھر سے نکل سکے

اٹکا ھے دل کہاں کہ جہاں کچھہ نہ چل سکے

عزم سفر کا اپنے مذکور مت کیا کر

دل کو مرے، دیا سا، تو مت بجھا دیا کر

گالی هو خواه جھڑکی، خون جگر هو یا غم

اے دل، جو کچھه که وه دے، خوش هو کے کھا لیا کر

مکتب میں بیٹھه کر یہی سیکھا هے گالیاں

ملا نے کیا کہا هے : « بکا کر تو لام کاف »؟

ابرو کو اوس کے هے مجھے سجده روا، نثار

کافر نہیں، کروں جو میں قبلے سے انحراف

مست، اوس لب میگوں کے میخانے سے کیا واقف؟

مخمور، اون آنکھوں کے پیمانے سے کیا واقف؟

مغرور هے، سرکش هے، بے فکر هے، بے غم هے

شعله هے وه بے پروا، پروانے سے کیا واقف؟

خورشید سے گرم اپنی صحبت هے بیاباں میں

هم، سایے سے کیا محرم، خس خانے سے کیا واقف؟

دهم از طبقهٔ ثانی، عالم عالی منزلت، شاعر والا مرتبت، میر قمرالدین منت (۱)، که در علم و فضل یگانهٔ روزگار بود.

---

(۱) حسن : ۱۹ الف ؛ گلز: ۱۹۶ ب ؛ لطف : ۱۷۱ ؛ عقد : ۸۰ ب ؛ تذکره : ۷۷ الف ؛ شیفته : ۱۶۲ ب ؛ نتایج : ۴۱۴ ؛ طبقات : ۱۷۸ ؛ شمیم : ۳۸ ؛ خزینه : ۲۰۰ ؛ سخن : ۴۵۷ ؛ شمع : ۴۱۵ ؛ روز روشن : ۶۵۲ ؛ آب حیات : ۲۱۷ ؛ طور : ۹۶ ؛ محبوب : ۲ ، ۱۰۰۵ ؛ گل : ۲۷۸ حاشیه ؛ قاموس : ۲ ، ۲۳۳ ؛ عسکری : ۲۴۶ ؛ بیاض : ۳۴ ؛ اشپر نگر : ۲۵۸ —

شوق رامپوری ، درتکملة الشعرا (۲۹۹ الف) می فرماید : « میر قمرالدین منت تخلص ، متوطن شاهجهان آباد ، از نجباء و شرفای آن بلده بود ، و از اولاد امام جعفر صادق ، و از خلفای مولوی فخرالدین ، صاحب ارشاد خداطلبان بوده. مصنف تصانیف متعدده مثنوی ، وسه دیوان وغیره است. شخصی اهل دل ، و سخنور کامل ، و قابل و فاضل ، و مورخ خوش مقال نازک خیال ، متلاشی مضامین نو و رنگین ، و متجسس الفاظ خوب و شیرین بوده. از چندی در بلدهٔ لکهنئو اقامت داشت. آوازهٔ سخنوریٔ او در (باقی)

در فارسی گویان، کسی قوت مقابلهٔ او نداشت، علی‌الخصوص در قصیده

(بقیه) افواه عوام و خواص است، محتاج تعریف نیست. مصنف دیوان فارسی و هندی».

و مبتلا، در گلشن سخن (۱۹۴ الف) می‌گوید: «منت دهلوی؛ نامش میر قمرالدین، سلسلهٔ نسب او از جانب اجداد مادری سید جلال بخاری»۔

میر علاء الدوله اشرف علی خان، در تذکرة الشعرا (۳۶۲ الف) می نویسد: «منت تخلص از جوانان موزون طبع است. با نواب وزیر عمادالملک ...... نظام "تخلص در فرخ آباد می باشد. راقم تذکره، فقیر علاء الدوله، را بارها اتفاق مشاعره بامنت مذکور دست داده».

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۱۶۲ الف و ب) گفته است:

«بتاریخ ۲۷ جمادی الآخره سنه ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۸ فروری سنه ۱۸۲۴ع، از ملاقات به میر نظام الدین ممنون مستفید شدم. این بزرگوار، فرزند میر قمرالدین منت است که وی از اقربای جناب شاه عبدالعزیز صاحب بود، و دست ارادت بجناب یگانهٔ آفاق، در کمال انسانیت و تهذیب اخلاق، مولوی فخر الدین اورنگ آبادی مولد و دهلوی مرقد، طاب ثراه، داده عالمی را مرشد گشت. و بعد چندی در لکهنؤ تقرب نواب حسن رضا خان و حیدر بیگ خان بهم رسانیده، خودرا اثنا عشری وا نمود، و ازان راه برگشت، و در رفاقت حیدر بیگ خان به کلکته آمد و درگزشت. شعر فارسی هم می گفت. مطلع او:

چو دید از دور آن زرین قبا را
گلستان گفت: «منت مر خدا را»

زبان زد که و مه است.

و این بزرگوار نیز از بند مذهب و مشرب آزاد است. آسایش زندگانی را نبود جاودانی می پندارد. مرد سنجیده، جهان دیده، فهمیده و گرم و سرد روزگار چشیده است. تحریر و تقریر وی مربوط و بکار تحصیل و تشخیص و وکالت و مصاحبت سزاوار. بزبان اردو از شعرای کهنه مشق لکهنؤ است. غزل وی:

لیتی ہے فیض گل سے صبا اور صبا سے ہم
لیسے عطر اوس کے تن سے قبا اور قبا سے ہم

بر زبانهاست. و باتنزامی که گفته، نیکو گفته. بسفارش جنرل سر ڈیوڈ اختر لونی صاحب، مدتی کار تحصیل کوٹ قاسم صرف خاص حضور والا می‌کرد. آخر بسعایت کسان ازان کار کناره کش گشته، پا کاریء پرگنهء مگره، که اهتمام آن به کپتان هال صاحب متعلق است، یافت.»

و عاشقی، در نشتر عشق (۶۵۹ الف) گفته: «منت، نام پاکش میر قمرالدین، سید مشهدی نژاد و از اولاد امام ناصرالدین بود که مزارش در قصبهٔ سونی پت مزار خلایق خاص و عام است. نسب شریفش بچهارده واسطه بسید جلال بن سید عضدیزدی، (باقی)

و مثنوی - مداحیء راجه ٹکیت رای بهادر، که دیوان آصف‌الدوله مرحوم

(بقیه) که احوالش مفصل در تذکرهء کاشی مرقوم است، میر سد - مولدش قصبهٔ سونی پت بوده، و در خطهٔ پاك دهلی نشو و نما یافته - بتقریب قرابت و پیوندها، تربیت در خاندان شاه ولی الله محدث گرفته، و تحصیل علوم و سند حدیث از خدمت مولوی شاه عبدالعزیز ولد ارشد شاه ولی الله مرحوم، که امروز بکمال مستعدی و تحقیقات کوس یکتائی می زند، ساخته و رسالهٔ اجازت حدیث از مولانا حاصل کرده، و دست ارادت در خدمت مولانا فخرالدین اورنگ آبادی ثم الشاهجهان آبادی بطریق قادریه داده، و مجاز طرایق دیگر هم، مثل چشتیه وغیره گشته - مشق سخن بخدمت میر شمس الدین فقیر نموده - تا که در شاهجهان آباد بود، بر طریقهٔ اهل تسنن پی سپر بود - هر گاه در سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و یك در لکهنؤ رفت، خلق و عادات مذهب تشیع ظاهر می نمود، و در انجا قصاید مدح بنظر نواب جنت آرامگاه، آصف الدوله مرحوم، ر دیگر اعزه، مثل حیدر بیگ خان و راجه ٹکیت رای، گزرانیده، صلات بر گرفت - و از انجا بطرف بنگاله رفت، و مدایح ناظم آنجا نموده بجایزه معزز گردید و قصاید غرا در مدح نواب گورنر مسٹر هشیٹن صاحب بهادر گزرانیده، بخطاب ملك الشعرائی سرفراز شد - و از آنجا به حیدرآباد رفته، قصیدهء در تعریف نواب آصف جاه نظام الملك انشا نموده، بده هزار روپیه صلهٔ نقد و جنس مباهی گشت - گویند: بایمای والیء حیدرآباد، شعرای آنجا بمکابره و مجادله با میر پیش آمدند - و چون وی را در هرفن مستعد و بدیهه گو یافتند، مخفی بوالیء مبرور معروض داشتند، و آن جوهر شناس نگین زمرد بخطاب ملك الشعرائی مرحمت کرد - میر باز از حیدرآباد عطف عنان به لکهنؤ نمود - و این بار راجه ٹکیت رای اورا بمشاهرهء دو صد روپیه برفاقت خود کشید - میر بعد چند سال در عمر چهل و نه سالگی بتقریبات بعضی امور وارد کلکته بود که درسنهٔ یکهزار و دوصد و هشت پیك اجل در رسید و در کربلای آنجا مدفون گشت - مولوی عبدالواسع که از فضلای لکهنؤ است، این قطعه بنظم کشیده که بکمیء یك عدد سال تاریخش بر می آید..... « میر قمرالدین منت های های » شخص دیگر بتعمیه گفته :

« خود گفت بمن زروی دانش « من سعدی آخرالزمانم »

دیگری تاریخش بنظم کشیده که ماده اش این است : « قمر دین بخسوف آمد آه »

از انجا که از ابتدای سن تمیز مشغولیء خاطر بشعر و شاعری داشت، دستگاه کمال پیدا ساخته بود - »

باتفاق اکثر اهل تذکره، منت در ۱۲۰۸ھ (۹۳-۱۷۹۲ع) در کلکته وفات یافته است - چنانچه علاوه بر ماده های مذکورهء صدر، زاری که یکی از شاگردان منت است، در تاریخ وفاتش می گوید (کلیات ۲۲۳ الف و ب): « مرد شمع بزم عرفان، آه، حیف - »

مولوی احسان الله ممتاز می فرماید : (باقی)

بود، بسیار نموده۔ گاه گاه زبان فصاحت بیان را بهندی هم آشنا می ساخت، بالتخصیص در وقت اصلاح؛ چراکه در هندی شاگردان بسیار بهم رسانیده بود۔ علی‌الخصوص خلف‌الصدق او، میر نظام الدین، ممنون تخلص مینماید۔ و آن هم صاحب (۲۱۱ الف) دیوان است، و مثل پدر بزرگوار، تلامذهٔ بسیار دارد۔ گویند که میر سعادت علی تسکین و سید مهرالله خان غیور نیز از تلامذهٔ ممنون اند۔ و بعضی گویند: «از شاگردان منت۔» بهرحال سلسله واحد است۔ این چند شعر ازوست:

هم سے وہ جوشش، وہ الفت دور کی
آپ کو سوجھی نہایت دور کی

شب کہ مجلس مین وہ بت محو خود آرائی تھا
آئنہ، پشت بدیوار، تماشائی تھا

مدعی اوس سے سخن ساز بسالوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے

میری ہی طرح، جگر خون ہے ترا مدت سے.
اے حنا، کس کی تجھے خواهش پابوسی ہے

تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھکو، منت
هاں یہ سچ، ملنے سے خوباں کے تو اك خوسی ہے

بس جفا زور آزمائی ہوچکی

(بقیه) منت، آن بادشاه ملك سخن که شدش منتظم بخوب اسلوب
قمرالدین بنام بود، ازان بودش سال انتقال «غروب»
اما مصحفی در تاریخ وفاتش «منت کجا و زمزمهٔ شاعری او» گفته که ازو ۱۲۰۷ه (۹۲-۱۷۹۲ع) مستخرج می شود۔ و لطف و بیاض درین خصوص ۱۲۰۶ه (۹۱-۱۷۹۱ع) را معرفی کرده۔

دلبروں سے هاتهاپائی هوچکی
تیغ سے وهاں ابتلك ٹپکے هے خوں
قتل یاں ساری خدائی هوچکی
رات تهوڑی، حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجیے، بس لڑائی هو چکی

یازدهم از طبقهٔ ثانی، شمع بزم سخندانی، آئینه دار محبوبهٔ معانی، شاعر پر زور و قوت، ادا بندبی دقت، شیخ غلام همدانی، متخلص به مصحفی (۱) است که در پختگی و متانت محی طرز مرزا، و در

(۱) حسن : ۱۲۵ ب ؛ طبقا : ۴۱ ؛ گلزر : ۱۹۰ الف ؛ لطف : ۱٦٥ ؛ عقد : ۸۵ ب ؛ ریاض : ۴۹ الف ؛ تذکره : ۸۲ ب ؛ شیفته : ۱۴۸ ب ؛ نتایج : ۴۲۰ ، گلدسته : ۲۵ ؛ طبقات : ۳۰۰ ؛ سراپا : ۵۴ ؛ جدولیه : ۱۴۱ ؛ شمیم : ۳۳ ؛ سخن : ۴۴۰ ؛ شمع : ۴۱٦ ؛ بوستان اوده : ۱۰۹، آبحیات: ۳۰۹ ؛ طور: ۹۱؛ گل: ۲۱۸؛ انتخاب : ۲۸ ؛ قاموس : ۲ ، ۲۱٦ ؛ عسکری : ۲۲۹ ؛ جواهر : ۲ ، ٥۷٥ ؛ بیاض : ۴٥ ؛ اشپرنگر : ۱۸۲ ؛ بلوم هارٹ : ۷ -

مبتلا ، در گلشن سخن (۹۱ ب) می گوید : « مصحفی از شرفای امروهه است در دهلی »

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری ، در روزنامچه (۴۰ الف) می نویسد : « روزی در محفل مشاعره ، که دران ایام بخانهٔ مرزا جعفر می بود ، رفتم - مرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده بشمار می آمدند - و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روزافزونی و ناموری درین کاربود - و بعد ازان یك روز ملاقات تفصیلی بمیان مصحفی شد ، که بخانهٔ آن بزرگوار رفتم - به بیشتر مردم درس « گل کشتی » میر نجات دادی ، و اصلاح اشعار اکثری هم میکرد - با این همه نیازمند بنان شبینه بود - می گفت که مولدش بلم گڈه است که متصل شاهجهان آباد است - »

و مهجور ، در مدایح الشعرا (۳٦ الف) گفته : " اسم شریف آن سر حلقهٔ شاعران سخن سنج ...... شیخ غلام همدانی ، مصحفی تخلص میفرمایند - این هیچمدان راچه یارا که زبان در توصیف آن شاعر نادر بیان کشاید - "

در وفات مصحفی اختلافی رو داده است . کریم الدین در گلدسته نوشته که "وفات ارسکی کو یه اکتیسواں سال هے - " چون سال تالیفش ۱۲٦۱ھ است، لهذا (باقی)

ادا بندی و ارسال المثل ثانیء سوز شیرین اداست۔ برهمه اقسام سخن بکمال خوبی قادر، و بطرز شاعری و سخنوری، کماحقه، رباهی (۱) خود ماهر۔ شاگردان بسار بهمرسانیده ۔ گویند که شش دیوان درسلك نظم کشیده؛ (۲۱۱ب) اما رطب و یابس بسیار دارد۔ و تمهٔ از قوت وجودت طبیعت او این است که در ایامیکه وارد لکهنئو گردیده، آنوقت دور دور مبان جرات بود، و مردم شهر همه مسخر طرز دلپسند او۔ مشارالیه چون دید که کسی ملتفت بحالش نمی شود، با جرات طرح خلاف انداخته، تنها با او ولشکر تلامذش مقابل شد، و در اندك عرصهٔ، خود هم شاگردان بسیار بهمرسانده، در مشاعره های لکهنئو شعر میخواند؛ و تا بست سال بهمین نزاع و مخاصمت بسر برده، آخر نام نامیء خود مثل او، بلکه زیاده تر ازو، برجریدهٔ شهرت و نام آوری ثبت نمود۔ غرضکه کمال پرگواست۔ اکنون از طبقهٔ شعرای (۲) هندی بقوت و معلومات وکهن سالی و اصلاح تلامذه بمقامات او هیچکس نمیرسد۔ خدا اورا بسیار زنده دارد! چه در

(بقیه)نزدش رحلت مصحفی در ۱۲۳۰ه (۱۸۱۴ع)واقع شده باشد اما در طبقات می گوید که "درمیان ۱۲۲۰ه (۱۸۰۵ع) کے اوس جا فوت هوا۔"

و در نتایج گفته که "در اواخر عشرهء رابعه بعد ماتین و الف قدم براه عدم نهاد۔" وهمین سال را شمع و گل و قاموس و عسکری و جواهر و بیاض و بلوم هارٹ وغیره معرفی کرده اند۔ و آنچه اشپرنگر گفته که بنابر شیفته رحلتش در ۱۲۴۳ه روداده' درست نیست۔ شیفته هم با نتایج موافقت دارد۔ نزد بندهء عرشی در گلدستهٔ کریم الدین بجای "اکیسوان" که مرادف بست و یکم است' اکتیسوان که مرادت سی و یکم است' و بدل اعداد ۱۲۴۰ اعداد ۱۲۲۰ه از سهو کاتب مندرج شده۔

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور نه نسخهای خطیهٔ دیوانش را داراست۔ و از انجمله چهار مجلد' که صدر الدین محمد در ۱۲۱۱ه (۱۷۹۶ع) نوشته' مهرشاه اوده و تحریر جائزه و فقرهء "پیش کردهء میان مصحفی" بر صفحهٔ اول دارد۔

(۱) کذا۔ و اغلب این که "زبانیء خود" بود.

(۲) اصل: "شعارای۔"

سر حلقهٔ ریختہ گویان لکھنئو همین خوش فکراست و بس - این چند شعر ازوست :

سمجھے وہ صید خستہ مرے اضطراب کو
سینے میں جسکے، ٹوٹ کے پیکان رهگیا
شوخی تو دیکھہ، تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے: «میرے تیر کا پیکان رهگیا»

ترا خدنگ نگه جس کے دل سے پار هوا
نشان تیر تغافل، وہ دلفگار هوا

قصد کرتا هوں جو اس در سے کہیں جانیکا
دل یہ کہتا ہے: «توجا، میں تو نہیں جانیکا»

کبھی اوس یار قاتل بن، جو رخت اپنا بدلتے هیں
ملے هیں عطر تو، لیکن کف افسوس ملتے هیں

باتوں میں آپ هنس هنس نت زهر گھولتے هیں
هم سے هی بیحیا هیں، جو تم سے بولتے هیں

(۲۱۲ الف) دامن اوٹھا کے چلتے هو، میرے مزار سے عبث
خاک میں میں تو ملگیا، کس سے اب احتراز ہے؟

همکو ترساتے هو کیا، تم یہ ادا دکھلا کر؟
منہ چھپایا نہ کرو، بہر خدا! دکھلا کر

پھر قیامت ہے، جو وہ شوخ چھپالے منہ کو
اپنا دیدار همیں روز جزا دکھلا کر

جو دیکھے ہے نقشے کو ترے، وہ یہ کہے ہے:
«سارا بدن انسان کا، چہرہ ہے پری کا»

منہدی ہے کہ قہر ہے خدا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا؟
تلوار کو کھینچ، ہنس پڑے، واہ!
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

بھیگے سے ترے، رنگ حنا اور بھی چمکا
پانی میں، نگاریں کف پا اور بھی چمکا
جوں جوں کہ ترے منہ پہ پڑیں مینہ کی بوندیں
جوں لالۂ تر، حسن ترا اور بھی چمکا
دھویا نگیا خون مرا تیغ سے تیری
کم بخت پہ پانی جو پڑا، اور بھی چمکا

کاغذ کا ورق یہ پائے صورت؟
نقاش ایسی بنائے صورت
چہرہ پہ نظر نہیں ٹھہرتی
اللہ رے، تری صفائے صورت!

دوازدهم از طبقۂ ثانی شہسوار عرصۂ سخندانی، سعادت یار خان، که پسر طہماسپ بیگ خان تورانی است، و رنگین (۱) تخلص

(۱) طبقا : ۴۴ ؛ تذکرہ : ۳۵ ب؛ نغز : ۱ ، ۲۷۸ ؛ شیفتہ : ۹۴ے الف ؛ طبقات : ۳۳۳ ؛ سراپا : ۸۵ ؛ جدولیہ : ۱۴۵ ؛ گلستان : ۲۶۰ ؛ شمیم : ۳۳ ؛ سخن : ۱۹۴ ؛ روز روشن : ۲۵۹ ؛ آبحیات : ۱۱۰ ، ۱۱۶ ، ۲۱۷ ، ۲۹۶ ؛ طور : ۴۷ ؛ خمخانہ : ۳ ، ۵۲۹ ؛ گل : ۲۶۴ ؛ قاموس : ۱ ، ۲۶۷ ؛ تذکرہء ریختی : ۴۰ ؛ عسکری : ۲۳۷ ؛ جواہر : ۱ ، ۳۴۰ ؛ اشپرنگر : ۲۸۰ ؛ بلوم ہارٹ : ۴۰۔

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری ، در روزنامچۂ خود (۶۹ الف) می فرماید : « و سعادت یار خان رنگین است۔ عمرش از هفتاد در گزشته ، لیکن بکلامش هنوز شوخیء نوجوانست ۔ در اقسام شعر معنیء بلند دارد ، و در ریختی از میر سوز و میر انشاء اللہ خان و در هزل از صاحب قران بالا دست است۔ این دو بیت او زبانزد که و مه است :
(باقی)

اوست - شعر را بکمال صفائی و شیرینی گفته - صاحب دیوان است - « ریختی » ، که بیای معروف حالا شهرت دارد، از اختراع مزاج نزاکت امتزاج اوست - و آن عبارت است از شعری که دران فقط زبان و محاورهٔ (۳۱۲ب) نساء بسته شود ، وهر معاملهٔ که زنان را با زنان یا با مردان روی دهد ، صرف بیان و تقریر او باشد و بس ؛ و هرگز هرگز لفظی و کلمهٔ که تعلق و خصوصیت بتقریر مردان و جوانان داشته باشد ، در نیاید - غرضکه طراح این طرز عجیب همین خوش سلیقه است ؛ و سوای او هر که گفته و یا بگوید ، متتبع اوست - و « رسالهٔ نثر » در محاورهٔ زبان نساء نیز خوب نوشته است - این چند شعر ازوست :

(بقیه) آه کیجیے، تو آن جاتی ہے اور نہ کیجیے، تو جان جاتی ہے
وہ نہ آوے، تو توہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے؟

و بزبان اردو « فرسنامه » دارد، که بهترین فرسنامهاست - اول مقامها را، که اسپ درانجا خوب باشد، نوشته و باز خال و خطش را که بدان قیمتش در سوداگران کم و بیش گردد، باز رنگهای پسندیده و ناپسندیده، باز طرز پرورش آن و قواعد حفظ صحت و افزایش قوت، باز طریق استدلال برمرض و تشخیص و تعین قسمی از اقسام آن مرض، باز معالجه - و سواری هم نیکومی داند؛ و خوی بد را بشایستگی آوردن تواند - با این همه قدرت تحریر ندارد -» در بیاض (ص ۳۹) هم ازو ذکر رفته است -

بندهء عرشی میگوید که خان آرزو در « غرایب اللغات » بعد هر ردیف فصلی مشتمل بر محاورات بیگمات نوشته است - چون این فصول در اکثر نسخ غرایب اللغات یافت نمی شود، ازین جهت عامهٔ ادبای هند باین حقیقت پی نبرده رسالهٔ رنگین را کتابی وحید درین موضوع شمرده اند - بنده خوشبختانه در کتابخانهٔ سرکار رامپور بر نسخهٔ خطیهٔ از غرایب اللغات آرزو، که دارای این فصول مهمه می باشد، مطلع شدم - و رسالهٔ رنگین را، که در عقیدهء بنده هم رسالهٔ وحیده درین موضوع بود، برو عرض کردم - بعد تفحص و تفتیش باین حقیقت پی بردم که رسالهٔ مذکوره ترجمهٔ لفظیهٔ فصول آرزو است، حتی که، باستثنای مواضع چند، ترتیب لغات هم برهمان ترتیب آرزو ست - رنگین زحمت و کلفت ناکشیده، قصد ناموری و شهرت کرده است. غفرالله له -

رنگین بنا بر اتفاق ارباب تذکره در ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ع) بعمر هشتاد سال فوت شد - در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهٔ خطیه از دیوان ریختی اش محفوظ است -

یک بیک چونک کے، کہنے لگے وہ رات: «نہیں
روک مت، جانے دے گھر ہمکو، یہ کچھ بات نہیں»
ہاتھ میں ہاتھ ہے، پر بوسہ نہیں لے سکتے
دست رس اتنی بھی ہرگز ہمیں، ہیہات! نہیں
قسمیں کروڑ جس نے ملنے کی کھائیاں ہوں
یہ سوچ ہے، اب اوس سے کیونکر صفائیاں ہوں؟
اوس ستمگر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا:
«کوئی رنگیں بھی ترے کوچے میں یہاں رہتا ہے؟»
تو کچھ اک تاؤ سا کھا، چیں بجبیں ہوکے وہیں
گالی دیکر، یہ کہا اوس نے کہ «ہاں رہتا ہے»
جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال خریدا
اوس جنس کو کھو، ہمنے ہے یہ مال خریدا
میں نے چاہا جو اوس کو، اے رنگیں
مجھ سے ہر ایک بدگمان ہوا
طوطئے جوڑتی (ہے) (۱) کیا کیا، خلق؟
جی لگانا بلائے جان ہوا!
جب میں نے کہا کہ «مجھ کو تم سے
ملنے کا ہے اشتیاق بیحد»
یکبار وہ کھل کھلا کے، رنگیں
بولے کہ «چہ خوش، چرا نبا شد؟»

طبقۂ ثالث

(۲۱۳ الف) اول سر دفتر سخنوران طبقۂ ثالث، شاعر فصاحت کردار،

---

(۱) اصل این کلمه را ندارد.

بلبل شیرین گفتار، ناظم خوش تقریر، مقبول هر برنا و پیر، میان قلندر بخش، که جرأت (۱) تخلص داشت. شیرینیء تقریر و صفائیء بندش، بمرتبهٔ که داشت، مثل آفتاب برهمه روشن است. غرض که صاحب طرز است. نهایت خلیق و عالم آشنا گذشته. مردم چشمش، بعارضهٔ نزول، مدت است که از حلیهٔ بصر عاری بودند. آنچه گفته بود همه یاد داشت، حالانکه کم از صد هزار شعر فصیح نگفته باشد. در هر مجلس و مجمع که رونق افزا می شد، بسبب خوش تقریریء او کسی بار سخن نمی یافت، و هرگز بر خاطرها بار نمی شد. مادام که زنده بود، مقبول دلها و عزیز امرا بوده. صاحب عالم مرزا سلیمان شکوه بهادر، دام ظله، اورا بسیار عزیز میداشتند. شاگردان بیشمار بهمرسانیده؛ در هر مشاعره که می آمد، نصف مشاعره بلکه زیاده از تلا مذهٔ او می شد. و در نجوم و ستار نوازی و علم مجلس

---

(۱) حسن : ۳۱ الف؛ طبقا : ۳ے؛ گلزر : ۳۰ ب؛ لطف : ۳ے؛ تذکره : ۲۲ الف؛ نغز : ۱، ۵۵؛ شیفته : ۴۳ ب؛ گلدسته : ۱۴ے؛ طبقات : ۲۰۵؛ سراپا : ۱ے؛ مختصر : ۸۵؛ بجدولیه : ۱۴۱؛ شمیم : ۳۲؛ سخن : ۱۰۲؛ روز روشن : ۱۴۳؛ آبحیات : ۲۳۶؛ طور : ۲۴؛ خمخانه : ۲، ۲۱۸؛ گل : ۲۴ے؛ انتخاب : ۲ے؛ قاموس : ۱، ۱۶ے؛ عسکری : ۲۲۵؛ جواهر: ۲، ۴۸۲؛ بیاض: ۳ے؛ اشپرنگر : ۲۴۴؛ بلوم هارٹ : ۳۵.

مبتلا، در گلشن سخن (۲۹ الف) می گوید : «جرات دهلوی، اسمش یحیی امان ابن حافظ امان، صاحب دیوان. در تلامذهٔ مرزا جعفر علی حسرتست. در علم موسیقی و ستار نوازی طرفه دستی دارد. و در نظم شعر ریخته طبعش ملایم. در لکهنئو و فیض آباد میگذراند.»

باتفاق اکثر اهل تذکره، جرات در ۱۲۲۵ه (۱۸۱۰ع) وفات یافته است. اما در طبقات ۱۲۲۴ه را معرفی کرده. و همین سال از مادهای مستخرجهٔ کمال، شاگرد قایم، و جسونت سنگهه پروانه برمی آید. چنانچه کمال می گوید (دیوان قلمی : ۲۹۵ ب و ۲۹۶ الف، حاشیه) :

جست تاریخش چو از هاتف کمال گفت «شاعر وهبی شیرین زبان»

و پروانه می گوید : «کهو، جنت نصیب جرات هے.» (خمخانه، ۲، ۷).

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور پنج نسخهای دیوانش را دارا ست.

یگانۂ عصر خود بود. با راقم حروف بسیار دوستی داشت. این چند شعر از وست:

میرے اور اوس کے، جو پوچھو، ربط کیا کیا کچھ نتھا؟
پر دل اوس کا پھرگیا ایسا که گویا کچھ نتھا

عزیزو، وصل مین بھی هم جو رو روکے نسوتے تھے
سو اندیشه تھا روز هجر کا، اس دن کو روتے تھے

بارے، کچھ جذبۂ دل نے تو اثر اوس کو کیا
اب جو آتا هے، سو مژده یه سناتا هے مجھے
منه ترے گھر کی طرف کرکے، یه کهتا تها وه شوخ:
« اسطرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا هے مجھے »

(۲۱۳ب) خواهش دیدار جسکو هو، تو ایك تصویر یار
وه بهرصورت کهچامنگواے اور دیکها کرے
لیك میں حیرت زده یه پوچهتا هوں، دوستو،
«جو فقط باتوں هی کا مشتاق هو، سو کیا کرے»؟

عجب انداز سے کل بزم خوبان مین وه آتا تها
که دل هی دل میں اوس پر هر کوئی قربان جاتا تها

یهاں پهونك دیا دل کو، وهاں یار کو بهڑکایا
ناله بهی قیامت هے، کچھ آگ لگانے کو

کیا کهوں، کیا خوبرو، نظرین ملاکر، لے گئے؟
دل سے مونس کو مرے مجھه سے جدا کر لے گئے

کیا بگڑ بیٹھے (۱) جو تم مجھه سے، تو بدنامی گئی؟
جا بجا لوگ اوس کے افسانے بنا کر لے گئے

(۱) اصل: « بگو بیٹھے »

سر پٹکتے رہ گئے ساحل سے ہم، مانند موج
اور اغیار اوس کو کشتی میں بٹھا کر لے گئے

کل تلک جسکی خبر سب لوگ آ کر لے گئے
آج اوس بیمار کو، پیارے، اوٹھا کر لے گئے

کیا غضب ہے؟ اوس نے جس جس کے تئیں لکھے تھے خط
نامہ بر وہ مجھ سے سر نامے پڑھا کر لے گئے

بوسہ پہ جو منہ پھیرو، تو پھیرو اپنا
ٹک پانؤ تو دابنے ہمیں دو اپنا

گر نام سے عاشقی کے ہے تنگ تو، جان
نوکر، چاکر، غلام، سمجھو اپنا

چاہ کی چتون مری، آنکھ اوس کی شرمائی ہوئی
تاڑلی مجلس میں سب نے، سخت رسوائی ہوئی

مخفی نماند که این شعر متنازع فیه است. جرأت میگفت که «از من است» و افسوس میگفت که «از من.» چون طرز هردو قریب، و وقوع شعر از هردو ممکن، ناچار با تباع شهرت در اشعار جرأت نوشته شده. و الله اعلم بالحق.

دوم (۲۱۴ الف) از طبقهٔ ثالث، که خاك طینتش بآب فصاحت سرشته (۱)، و عنصر لطیفش بمایهٔ بلاغت تالیف یافته، فصیح زمان، بلیغ دوران، میر شیرعلی افسوس (۲) بود، که در معلومات فن و بندش

(۱) اصل: «سررشته».

(۲) حسن: ۱۶ الف؛ گلزر: ۱۸ الف؛ لطف: ۴۷؛ تذکره: ۸ ب؛ نغز: ۱، ۶۵؛ شیفته: ۲۳ الف؛ طبقات: ۲۳۴؛ سراپا: ۲۱۰؛ جدولیه: ۱۴۰؛ شمیم: ۳۵؛ سخن: ۳۹؛ روز روشن: ۵۸؛ طور: ۱۲؛ خمخانه: ۱، ۳۵۳؛ سیر: ۱، ۹۷؛ قاموس: ۱، ۸۷؛ ارباب: ۸۲؛ جواهر: ۲، ۶۶۳؛ بیاض: ۳۶؛ اشپرنگر: ۱۹۸؛ بلوم هارٹ: ۳۸. (باقی)

سخن از همسران بهیچ وجه پایهٔ کمی نداشت. صاحب دیوان بوده است. اکثر اقسام سخن را بخوبی گفته. اول شاگرد میر سوز، و آخر رجوع بمیر حیدر علی حیران آورده، مشق کلام به پختگی رسانیده. با فقیر بسیار دوستی و یکجهتی داشت؛ چراکه در علم طب، بخدمت فیضدرجت، حضرت قبله و کعبهٔ دوجهان، زبدهٔ علمای هندوستان، مجتهد زمانه، محدث یگانه، مسیحای وقت، مخدومی و اوستادی، جناب حکیم آغا محمد باقر صاحب قبله، غفر الله ذنوبه، نسبت تلمذی داشت، و بنده و او مدتی همدرس بوده ایم. و آخر باعانت و سفارش خان رفیع الشان، مرزا فخر الدین احمد خان بهادر، مغفور و مرحوم (۱)، در سرکار فیض مدار کمپنیء انگریز بهادر، بصیغهٔ شاعری و اردودانی نوکر شده، مدتی در کلکته مانده، آخر همانجا باجل طبیعی در گذشت. و تاریخش اینست. تاریخ:

از جهان رفت میر شیر علی
کرد هر پیر و هر جوان افسوس
بود افسوس چون تخلص او

(بقیه) صاحب گلشن سخن (۱۲ ب) می گوید: «افسوس، اسمش میر شیر علی خلف مظفر علی خان، که داوغهٔ توپخانهٔ نواب عالیجاه بود. اصلش از نارنول است. بالفعل از هم صحبتیء میر حیدر علی حیران و میرحسن، مشق سخن بمرتبهٔ رسانیده که پسندیدهء نکته سنجانست.»

باتفاق اکثر اهل تذکره، افسوس در ۱۲۲۴ه (۱۸۰۹ع) بمقام کلکته وفات یافته است. اما بیل در کتاب خودش، که تذکرهء مشاهیر اهل شرق است بزبان انگلیسی، و در تتبع او در قاموس، که ترجمهٔ کتاب اوست، رحلتش را در ۱۸۰۶ع (۱۲۲۱ه) نشان داده. و در روز روشن گفته که «در اوایل مایهٔ ثالث عشر رحلتش ازین دار ناپایدار است.» و این قول مشعر برعدم اطلاع مولف است. و در بیاض هر دو تاریخ بدون ترجیح مذکور است.

(۱) در اصل مسوده «دام اقباله» بوده. غالبا وقت تبییض کتاب این فقره قلمزد شده؛ اما کاتب نسخهٔ رامپور این جملهٔ خط کشیده را هم نقل کرده است.

همه کردند شاعران افسوس
گفتم از روی درد تاریخی
« رفت افسوس زین جهان، افسوس! »
(۱۲۲۴ م)

این چند شعر از کلام اوست:

کیا تو نے لکھا تھا؟ جو ترے خط کے تئیں دیکھ
آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے

اوس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے
ہنستے ہنستے مجھے یہ گل تو رلادیتا ہے

(۲۱۴ب) آنکھوں کے اشاروں سے غیروں کو بلاتا ہے
میاں، جھوٹھی نکھا قسمیں (۱) تو کسکو ڈراتا ہے؟

کچھ بات ہمسے کر نہیں سکتے، ہزار حیف!
مدت میں تم ملے بھی، تو غیروں کے گھر ملے

منہ تو دیکھلادے ذرا، گو نہ ملاقات کرے
ہمکو سو وصل ہیں، جو ہنس کے وہ اک بات کرے

دیکھتے ہی اوسے، حاضر ہوے مرجانے کو
وے ہی اشخاص، جو یہاں آتے ہیں سمجھانے کو

کس درجہ بیکلی ہوئی، جاتے ہی یار کے
کیا کیا گھمنڈ تھے ہمیں صبر و قرار کے؟

سیوم از طبقۂ ثالث، ناظم ماهر فن، کامل شیرین سخن، فاضل عالی تقریر، شاعر رنگین تحریر، غواص بحر فصاحت، صاحب «دریای لطافت»، ظریف بی همتا، حکیم انشاء الله خان انشا (۲) بوده

(۱) اصل: «قسمتی».
(۲) حسن: ۱۴ الف؛ گلز: ۱۰ الف؛ لطف: ۳۵؛ تذکره: ۹ ب؛ نغز: ۱، ۸۰؛ (باقی)

است، که در نکته فهمی و بذله سنجی یگانهٔ روزگار، و بظرافت

(بقیه) شیفته : ۲۸ ب ؛ گلدسته : ۱۷۰ ؛ طبقات : ۲۰۱ ؛ سراپا : ۱۳۳ ؛ جدولیه : ۱۴۱ ؛ شمیم : ۲۷ ؛ سخن : ۵۲ ؛ شمع : ۶۹ ؛ آب حیات : ۲۴۵ ، ۲۵۹ ، ۲۷۱ ، ۳۱۷ ؛ طور : ۹۶ ؛ گل : ۲۸۳ ؛ خمخانه : ۱ ، ۳۶۷ ؛ انتخاب : ۳۱ ؛ سیرالمصنفین : ۱ ، ۸۷ ؛ قاموس : ۱ ، ۱۱۱ ؛ عسکری : ۲۰۹ ؛ جواهر : ۲ ، ۵۴۵ ؛ تذکرهٔ ریختی : ۲ ؛ بیاض : ۳۸ ؛ اشپرنگر : ۲۴۰ ؛ بلوم هارٹ : ۴۵ ؛

میر علاءالدوله ، در تذکرة الشعرا (۳۶۲ الف حاشیه) می فرماید : « میرماشاء الله ، در طبابت دستگاه وافی (دارند) و طالب علم منقح و خوش طبیعت اند ، و نوکر معتبر نواب شجاع الدوله وزیرالممالك بهادر هستند. پسر ایشان ، که جوان وجیه بدل نزدیك تراست ، با مولف تذکره فقیر اشرف علی خان آشنا ست. »

شوق رامپوری ، در تکملة الشعرا (۴۱ الف) گفته : « میرانشاء الله خان ، انشا تخلص ، پسر حکیم ماشاءاللهخان ، متوطن شاهجهان آباد ، اکنون در بلدهٔ لکهنئو اقامت دارد ، و کرس سخنوری می نوازد. جوانی ست قابل ، صاحب استعداد کامل. در فنون عربی و فارسی و هندی مهارتی تمام دارد. خوش تقریر بمرتبه ایست که در تحریر نمی آید. آزاد مشرب ، آزد مذهب ، وارسته ، بطور آزادان با صفای چهار ابرو می ماند. در ریخته گوئی ، بطوری که دارد ، عدیل و نظیر خود ندارد. دیوانش از بسکه متداول ست ، احتیاج تحریر نیست. گاهی اشعار فارسی هم می گوید. »

مبتلا ، در گلشن سخن (۱۰ ب) نوشته : « انشا ، نامش میر انشاء الله ولد حکیم میر ماشاءالله مصدر تخلص است راقم حروف وی را در صغرسن هنگام دولت نواب میر محمد جعفر خان بهادر دیده بود و با والد ایشان آشنا بود. درین ولا مسموع شده که مرد مستعد و بحلیهٔ خوبیها مزین است. گاهی شعری می گفت ».

و شیخ احمد علی ، در مخزن الغرایب (۶۰ ب) می گوید : سید انشاء الله خان ، انشا تخلص ، مهین خلف مخبر الدوله ، سرآمد اطبای زمان ، میر ماشاء الله ، جعفری النسب نجفی الموطن ست. جدش شاه نور الله نجفی در هندوستان متولد گشته ؛ و میر ماشاء الله بخلاف پدر بزرگوار سعیها در تلاش دنیا نموده. در بنگاله علاجهای نمایان از و بظهور رسیده ؛ و اکثر در میدان کارزار بیش از دیگران داد شجاعت داده. تمام بدنش جراحتگاه بود. در عالم تنزل ، که عهد نواب قاسم علی خان بود ، پیش نواب وزیرالممالك ، نواب شجاع الدوله مرحوم آمد. آن روزها با وصف بربادیِ اسباب ، نوزده فیل همراه داشت. سخاوتش بدرجهٔ بود که در جنب او نام حاتم ذکر کردن باعث خجالت ست. و بذات خود مرغ پلاؤ و نان جو را مساوی می دانست ، و همیشه بر زمین می خوابید ، و شب زنده دار بود. آخرها چون زمانه را بکام ناکسان دید ، کمر را وا کرده ، در فرخ آباد منزوی شد. نواب مظفر جنگ چیزی بقدر ضرورت تواضع می کرد. چند سال است که در همان شهر بجوار رحمت ایزدی پیوست ، و مزارش نیز همان جاست. (باقی)

و لطیفه گوئی رنگین تر از باغ و بهار- دیوان ضخیمش که مرتب

(بقیه) آمدم بر احوال سید انشا الله خان. موصوف در صغر سن کتب صرف و نحو و منطق وحکمت تا «صدرا» خوانده. چون بشانزده سال رسید، بحضور نواب وزیر الممالك شجاع الدوله داخل جلسا شد. دران وقت دیوان هندی بطور خود و بطرز نوی بی استاد ردیف وار تمام نموده بود، و پاره از اشعار فارسی و عربی هم براوراق ثبت داشت. چون صورت مطبوع و تقریر دلچسپ یافته بود، و در تمام دربار احدی بحسن تکلم او نمی رسید، مورد عنایات بندگان عالی و محسود اهل دربار شد. بعد چندی که نواب وزیر موصوف قضا کرد، و دربار آصف الدوله مجلس اراذل شد، خان مزبور چندی بلشکر نواب ذوالفقار الدوله میرزا نجف خان مرحوم، و مدتی در بوندیل کهند، و بعد چند روز باز همپای پدر بدهلی رفته، با محمد بیگ خان همدانی معزز می بود. و چند بار خود را برروی توپ و تفنگ و تیر و تبر زد؛ لیکن چون حیات مستعار باقی بود، بسلامت برگشت. و در «جی نگر» بر سر حرفی با میرزا اسمعیل بیگ خان برادر زادهء محمد بیگ همدانی در افتاد، و کتار کشیده بطرفش دوید. هرچه بزبان آمد، بجا و بیجا مضایقه نکرد. جان و حرمت او را جدش نگهبان شد، والا در کشته شدن او جای تامل نبود. بالجمله ازان طرفها باز بلکهنئو آمده، مدتها از مخصوصان حضور اقدس مرشد زادهء آفاق، صاحب عالم و عالمیان، میرزا سلیمان شکوه بهادر بود. از بسکه پر نازك مزاج ست، ازانجا هم دمغ شده برخاست، و رفاقت الماس علی خان بهادر گزید. بعد چند روز نواب وزیرالممالك هندوستان، یمین الدوله، میرزا سعادت علی خان بهادر مبارز جنگ، دام اقباله، اورا در سلك مقربان خودش سرفراز فرمود. هر دو وقت شریك طعام با آنجناب می باشد.

بنده نیازی در خدمتش دارم. او نیز شفقت بحال من از وقت ملاقات تا امروز مبذول دارد. در عالم آشنا پرستی بی نظیر زمانه و در شعر هندی موجد طرز تازه و یگانه است. آدمی که در صحبت او می رود، غمهای زمانه فراموش میکند. نقلهای عجیب و قصه های غریب یاد دارد، و از پیش طبعت خود نیز می تراشد. لطایف او اگر شمار کرده آید، کتابی جداگانه مرتب می توان کرد. با اینهمه شجاعت و جلادت که در عرصهٔ رزم ازو مذکور گشته، در بزم خود را کمتر از یك طفل نامرد حساب میکند. برای هرکس نوائی برمی آرد. اگر گاهی بخاطرش میگذرد، با آدم ناچیز راهرو بیگانه صورت ظرافت سرمی دهد. درینصورت اگر طرف ثانی سکوت کرد، خیر و اگر شروع بدشنام نمود، می خندد، واورا برسر غضب می آرد. با آدم کم مرتبه این معامله دارد، و هفت هزاری را نمی گزارد که خلاف طبعش حرف زند. نواب میرزا قاسم علی خان، پسر نواب سالارجنگ را، برسر شعری روبروی جناب عالی ذلیل کرد. و اشعار در چهار زبان می گوید: فارسی و ترکی و عربی و هندی. عبارات بی نقط در عربی مشتمل بر مطالب مقرری چار چار ورق می نویسد، و تفسیر چند سوره بهمین زبان غیر منقوط نوشته بود. از شعرائ معاصرین با احدی سر فرو نمی آرد. و کسی که اورا به از (باقی)

ساخته بود، بهمه اقسام سخن مملو است۔ ریختی هم بسیار گفته۔ گویند

(بقیه) خود می داند، و در تحقیق لفظ و ترکیب عبارات و حسن و قبح کلام خود از و مضایقه نمی کند، و میانهٔ آشنایان خود نیز اورا سر آمد آشنایان می شمارد، فخر الشعرا میر محمد حسن قتیل است۔ چند سال پیش ازین مصحفیء ریخته گو را آنقدر رسوای کوچه و بازار کرد، که اگر غیرت میداشت، خودرا میکشت۔ همین بر خر سوار کردن باقی مانده بود۔ دگر هیچ ذلتی نبود که نصیب آن بیچاره نشد۔ شرحش طول دارد۔ الحاصل عجب کسی است۔ خدایش سلامت دارد!»

عاشقی، در نشتر عشق (۵۵۰ الف) بذیل قتیل نوشته: «روزی سعادت یار خان رنگین... هنگام معاودت از لکهنئو برای دیدن راقم تشریف آورد۔ و عندالا ذکار مرزای موصوف (قتیل) قسمیه بیان می فرمود که نوبتی انشاء الله خان مرحوم، که از یاران مرزای موصوف بود، و با خودها مزاح و خوش طبعی هم می شد، در دوسه روز بخوض و تامل بسیار دوسه فقرهء نثر بی نقط تلاش نموده، رقعهٔ بمرزا قتیل نوشت۔ صبح آن چون با خودها ملاقات گردید، آن مرحوم از راه اختلاط با مرزا گفت که «دیدی، چه قسم رقعهٔ نوشتم، و چه فقره های معنی یاب بی نقط بهم رسانیدم؟ حالا مقدور تو نیست که در جواب آن دم زنی و بپاسخ آن برنگاری»۔ ایشان فی الفور قلم برداشتند و تفسیر بی نقط سورهء های قرآنی، که بآن مغفور ازبر بود و می خواندند، در عرصهٔ یك نیم پاس بنهایت روانی و سلاست بهتر از عبارت سواطع الالهام بضبط تحریر در آوردند»۔

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۳۹ب) بسلسلهٔ سفر لکهنئو، که در آخر عهد نواب سعادت علی خان بهادر (۱۲۲۹ھ) رو داده، می گوید: «(حکیم میرزا علی صاحب) پارهء از آنچه بدل وی گزشت، دربارهء بنده به میر انشاء الله خان صاحب گفتند۔ حکیم و خان صاحب و میر عبدالعلی، هرسه بزرگوار بدیدن بنده آمدند و نوازش فرمودند۔ روز دیگر بخدمت خان صاحب مستفید شدم۔ اگرچه وی بشعر و شاعری مشهور است، لیکن بدانست من فن هم نشینی شدن بجائی رسانیده بود که یکتای زمانه اش درین کار اورا توان گفت۔ بزبان اردو و فارسی و عربی و بنگله و پوربی و مرهٹی و کشمیری و ترکی و افغانی بلهجهٔ آن قوم سخن گفتی و نثر فارسی روان و بی تکلف خوب نوشتی۔ تیراندازی و شمشیر بازی و سواریء اسپ نیکو می دانست۔ بوکالت آنچه باید همه داشت۔ میان رندان پیر مغان، و در حلقهٔ مشایخان شیخ صنعان بود۔»

مهجور، در مدایح الشعرا (۸ ب) تحریر کرده: «اسم شریفش انشاء الله خان بهادر، ولد حکیم میر ماشاء الله خان مصدر تخلص، از زیور ظواهر و بواطن آراسته، و بجواهر زواهر علم و هنر پیراسته۔ نواب سعادت علی خان بهادر .....»۔ (باقی)

که از فارسی و عربی و ترکی و هندی بجمیع زبانها قادر و در همهٔ آنها شعر خوب دارد. راقم بشرف صحبت او نرسیده، الا کلام هندیش بسیار شنیده و حظ ازان برداشته. بی اختیار دل محو کلام فصاحت انجام اوست، و جان مهجور غایبانه مالوف بنام نیکو فرجام او. عمرش تخمینا از شصت سال متجاوز بود. بحاشیه بوسیء مسند قرب و مصاحبت نواب مستطاب، گردون رکاب، معلی القاب نواب وزیرالممالك، یمین الدوله، ناظم الملك، سعادت علی خان بهادر، (۲۱۵ الف) مغفور مرحوم، شرف امتیاز داشت. و جناب ممدوح هم از معزی الیه بسیار محظوظ ماند. فضایل و محامد آن عدیم‌المثال از فضیلت و حکمت و طبابت وغیره بسیار اند، که زبان قلم از بیانش قاصراست. آخر، آخر، مجنون شده، چند سال گزشته بودند که بهمان مرض در گزشت. خداش بیامرزد! این شعر ازوست:

گالی سہی، ادا سہی، چین جبیں سہی
سب کچھ سہی، پر ایك نہیں کی نہیں سہی

(بقیه) میر ولی‌الله، در تاریخ فرخ آباد (۱۴۲ ب) می گوید: «میرانشاء الله خان، ولد ارشد حکیم ماشاء الله خان، دو سه بار وارد بلدهء فرخ آباد شد. بچند زبان شعر می گفت: عربی، فارسی، ترکی، هندی، پنجابی، بنگالی، پشتو و جز آن. وقت جلوس نواب سعادت علی خان بر مسند وزارت بسی و چهار زبان قصیده گفته.»

باتفاق اکثر اهل تذکره، انشا در سال ۱۲۳۳ه (۱۸۱۸ع) وفات یافته است. اما بلوم هارت، بنابر مادهء بسنت سنگهه نشاط که «عرفی وقت بود انشا» می باشد، رحلتش را در ۱۲۳۰ه (۱۸۱۵ع) نشان میدهد. و همین سال در طبقات و انتخاب اختیار کرده شده است. اما این قول مبنی بر غلط فهمی است. فی الحقیقة نشاط این تاریخ را بتعمیه گفته بود؛ چنانچه مصرع اول این بیت «سال تاریخ او ز جان اجل» بر این دال است که اعداد «ج» را، که جان اجل است، ایزاد باید کرد.

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهای خطیهٔ کلیاتش را دارا ست. یکی ازینها بتاریخ ۱۱ ذیقعده سنه ۱۲۴۱ه بر دست امرسنگهه اتمام یافته است.

شمیم کاکل پیچاں سے میں جو اونگھہ گیا
تو ہنس کے کہنے لگے: «اسکو سانپ سونگھہ گیا»

یاس و امید و شادی و غم نے دھوم اوٹھائی سینے میں
آج مچی ھے خوب دھمادھم مسار کٹائی سینے میں
حضرت دل تو کب کے سدھارے، خوب جو ڈھونڈھا انشا نے
ایك دھواں سا آہ کا اوٹھا، خاك نہ پائی سینے میں

چہارم از طبقۂ ثالث، بلبل خوش صدا، طوطیء رنگین ادا، خوش فکر خان نوا، (۱) شاگرد بقاء اللہ خان بقاست۔ مولدش بداؤن، و خود در

(۱) طبقات : ۴۰ ؛ گلشن : ۲۲ ب ؛ لطف : ۵۸ ؛ نغز : ۲ ، ۲۰۹ ؛ شیفتہ : ۱۹۸ ب ؛ بجدولیہ : ۱۴۴ ؛ شمیم : ۳۰ ؛ سخن : ۵۳۳ ؛ صبح : ۵۳۹ ؛ آبحیات : ۲۴۳ ؛ قاموس : ۲ ، ۲۶۶ ؛ اشپر نگر : ۲۷۲۔

شوق رامپوری، در تکملۃ الشعرا (۳۲۷ الف) می گوید : « شیخ ظہور اللہ ولد فضیلت و کمالات دستگاہ، مولوی دلیل اللہ بدایونی کہ جامع علوم عقلی و نقلی بود، جوانیست قابل، خوش اخلاق، و در فنون سخنوری نہایت رسا و طاق ؛ متلاشیء مضامین نو و رنگین، متخلص بہ نوا، از شاگردان بقاء اللہ خان بقا۔ از طرف شاہزادہء صاحبعالم جوان بخت، بخطاب خوش فکر خان عزت امتیاز دارد۔ شعر ہندی و فارسی ہر دو خوب می گوید۔ در ریختہ گوئی قدم پہلو بہ پہلوی استاد خود میزند، خصوصا در قصیدہ گوئی یکتای زمان و یگانۂ دورانست۔ دیوان ہندی با تمام رسانیدہ۔ از چندی، مشق اشعار فارسی می کند۔»

میرولی اللہ فرخ آبادی، در تاریخ فرخ آباد (۱٦۷ ب) می نویسد : « ظہور اللہ متخلص بہ نوا، مولدش بلدہء بدایون است۔ اخذ علوم در ایام اقامت بلدہء لکھنئو از علمای آنجا فرمودہ، و با شعرای آنجا مطارحات سنگین نمودہ، بملك ایران رسیدہ، در حضور فتح علی شاہ فخر بار یافتہ، مخاطب بہ « سعدیء ہند » گشت۔ وقت رجوع ازان دیار، وارد فرخ آباد گردیدہ۔ در ہر نوع شعر فارسی از غزل و مثنوی و بزم و رزم خوب می گوید۔»

حکیم وحید اللہ، در مستختصر سیر ہندوستان (ص۹۳) می فرماید : « نوا تخلص، ظہور اللہ خان نام، ابن مولوی دلیل اللہ الصدیقی المحمدی، از روسای بدایون و بزرگان ہمجدیء جامع اوراق ہذا ست۔ تعریف علوم و ثقاہت و وضعداری، و توصیف علوی ہمت و مرتبت و شاعری آن صاحب فضل و کرم، اگر بہزار زبان کردہ (باقی)

لکھنئو نشو و نما یافته - اینهم، مثل اوستاد خود، شاعر قصیده گوست - تاوقتیکه در لکھنئو بود، با جرأت و شاگردانش نزاع کلی داشته - اکثر در کلام خود کنایه باو می نمود - و یك مرتبه در مشاعرهٔ مولوی مجیب‌الله، و یکبار در مشاعرهٔ سید مهرالله خان غیور، که مقابلهٔ او ظاهرا با تجمل مرثیه گو و مرزا علی لطف و مرزا مغل سبقت و به باطن با جرأت شده بود، برهمه ها غالب آمده شکست فاش داده، و هجوهای رکیك بر روی هریك در مجمع کثیر (۲۱۵ب) خوانده، حتی همه بزرگواران دشمن او شده، خواستند که اورا بجان بکشند - مشار الیه نیز ازین معنی خبر یافته، با وجود تنهائی مطلق پروا نمیکرد، و مستعد جنگ بزبان سنان و تیغ زبان هردو بود - بالآخر محمد عاشق تصور واسطه گردیده، با مرزا مغل سبقت و او سبب ملاقات شد، و بظاهر نزاع موقوف ماند - غرضکه زبان گزنده دارد - باراقم نهایت دوست

(بقیه) آید ' اند کی از بسیار و یکی از هزار است - در ابتدا از پیشگاه شاهزادهٔ مرزا جوان بخت ' خطاب خانی یافته ' ملقب به خرش فکرخان گردید ند - و در عهد نواب آصف الدوله بهادر به بلدهٔ لکھنئو بعزت و امتیاز اوقات شریف بسر فرمودند - بعد ازان جهت حج بیت‌الله و زیارت عتبات عالیات رفتند ' و معاودت نموده در ولایت ایران بحضور بادشاه جمجاه فتح علی شاه ' بثروت و حشم تمام و تعزز و اکرام ماند ند ' و از آنجا معاودت کرده ' بمقام حیدرآباد بخدمت فیضدرجت نواب فرلاد جنگ ابن نواب نظام علیخان بهادر ' والیٔ حیدرآباد ' بتوسل راجه چندولال قیام کردند ' و در هرمقام قصاید عمده در تعریف و توصیف والیان آن ولایت تصنیف فرمودند - آخرش در بدایون در سنه ۱۲۴۰ه (۱۸۲۴ع) لبیك اجابت بداعیٔ حق گفتند - تاریخ وفاتش از نتایج افکار جامع الاوراق اینست - قطعه :

ظهور الله خان ' آن سعدیٔ هند نبوده مثل او در دهر شاعر
چو در جنت رسیده' گفت رضوان "ترا فخر بدایون بود زایر"

از همین سال وفات در آبحیات نیز ذکر رفته است - و در قاموس گفته که در ۱۲۴۱ه وفات یافت - و در لطف ۱۲۰۶ه تقریبا (۱۷۹۱ع) ' و در شمیم : ۱۱۴۶ه (۱۷۳۳ع) یافته میشود - نزد بندهٔ عرشی تاریخ لطف مشعر بر عدم اطلاع مولف است ' و در تاریخ شمیم تصحیف کاتب بنظر می آید -

بوده- از چند سال مفقودالخبر است- بعضی گویند که عزم زیارت عتبات عالیات نموده، از راه ایران رفته، با قهرمان آنجا ملازمت (۱) حاصل کرده، یکی از مقربان درگاه شد- و بعضی گویند که از انجا هم رخصت شده، بزیارت رفت- هرجا که باشد، خدا او را بعزت تمام نگاهدارد! این شعر از کلام فصاحت بنیان اوست:

ڈھلی ہیں دونوں یہ تصویریں ایک سانچے میں
بتوں کی سنگدلی، میری سخت جانی کی

اب اشک تو کہاں؟ کہ جو چاہوں ٹپک پڑے
آنکھوں سے وقت گریہ، مگر، خوں ٹپک پڑے
یہاں تک ہے جوش اشک کہ آنکھوں سے تجھہ بغیر
یک قطرہ آب چاہوں، تو جیحوں ٹپک پڑے

خط آنا یکطرف، اب چاہیے پیغامبر ثانی
کہ جا کر، دے مری جانب سے یہ پیغام قاصد کو
«ارے، توخط کو یہاں آیا تھا یا صورت پرستی کو؟
چل اپنے کام لگ، اس کام سے کیا کام قاصد کو»؟
نوا، قاصد کو اپنے پر وہ مفتوں آپ کرتے ہیں
جو آپھی خوب ہیں، کیا دیجیے الزام قاصد کو

(۲۱۶ الف) پنجم از طبقۀ ثالث، کنور جسونت سنگھہ پروانہ تخلص(۲)، پسر راجہ بینی بہادر است- شاعر خوش تقریر، فکرش بسیار

---

(۱) اصل: «ملاذمت»
(۲) گلزر: ۲۵ الف؛ عقد: ۲۰ الف؛ تذکرہ: ۱۶ ب؛ نغز: ۱، ۱۰۳؛ شیفتہ: ۳۱ الف؛ طبقات: ۳۴۷؛ شمیم: ۱۰۴؛ سخن: ۸۷؛ روز: ۱۲۰؛ خمخانہ: ۲، ۶؛ قاموس: ۱، ۱۵۱؛ اشپرنگر: ۲۷۶- (باقی)

رسا، قصیده و غزل هردو بتلاش تمام گفته؛ صاحب دیوان است۔ پیشتر فارسی میگفت۔ باز بریخته راغب گردیده، درین فن هم یکی از نامداران عصر شد۔ درینعرصه «حملهٔ حیدری» هندی نظم میکند۔ روزی دو داستان ازان پیش راقم هم خوانده۔ حق اینست که کمال خوب گفته، و نهایت داد شاعری داده؛ تلاش بسیار نموده؛ معنیء بیگانه بی شمار پیدا کرده۔ از شعرای حال کسی همترازوی وهم قوت او نیست۔ این چند شعر اروست:

کروں جو وصف صنم، طاقت بیان نہیں
زبان کے چشم نہیں، چشم کے زبان نہیں

دیکھتے هی اوس کو، چہرے پر بحالی آ گئی
زعفرانی رنگ جو تها، اوس میں لالی آ گئی

کہا تیغ نگہ جب تڑے گھایل کو غش آیا
گویا که(۱) دم نزع میں بسمل کو غش آیا

کیا کیجیے همدم، که اوسے دیکھ کے هم تو
هر چند سمهالے رهے، پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل، په خون بهتے جو دیکها
ٹهہرا نگیا سامنے، قاتل کو غش آیا

(بقیه) در گلشن سخن (۱۴ الف) گفته: «پروانه ' اسمش راجه جسونت سنگهه ابن راجه بینی بهادر (شاگرد) لاله سرپ سکهه رای دیوانه تخلص است۔ در لکهنئو می گزراند۔ کلامش شورش دارد۔»

بنابر تصریح شمیم و سخن' در ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع) پروانه را مرگ در گرفت۔ وهمین سال از «پروانه برد ' شمع هم وای برد» که گفتهٔ ناسخ است (کلیات ' ۳۹۵' مطبع مولائی ' لکهنئو) مستفاد می شود۔ اما در خمخانه نوشته شده که پروانه در ۱۸۵۱ع انتقال کرد۔ نزد بنده این قول از صحت دور است۔

(۱) اصل: «گویاوه»۔ و تصحیح از نغز۔

ششم از طبقهٔ ثالث، سید عالی نسب، جامع علم و ادب، شاعر متین، میر سعادت علی تسکین (۱) است، که تقریر فصاحت آئینش، از مدت (بعید) زیب گوش اهل سخن، و تحریر بلاغت آگینش، از عرصهٔ مدید، ذهن نشین هرنو وکهن۔ بظاهر در تلمیذی از منت ممنون (۲۱۶ ب) و بباطن از بدو فطرت مستعد و موزون۔ با وصف قدرت کمال، و صفای مقال، و تلاش معنیء بیگانه، که کم کسی را این منزلت دست میدهد، گاهی زبان صدق بیان را، مثل دیگران، بدعوی خود ستائی نکشوده، و در میدان هجا، تیغ لسان را بخون هیچ هم پیشهٔ هرگز نیالوده۔ از مدت مدید مشق ریخته دارد؛ بلکه از عرصهٔ بعید کلامش بپایهٔ پختگی و اوستادی رسیده۔ دفاتر مسودههایش زیاده تر از دو دیوان افتاده باشند۔ بسبب کم دماغی متوجه ترتیب نمیشود۔ هر چند همه دوستان و آشنایان تکلیف همیشه میدهند۔ شاید درین عرصه دیوان ترتیب داده باشد۔ چه از یکسال مرا بآن دوست صادق ملاقات نشده است۔ این چند شعر از کلام اوست:

حال دل کہیے، تو ہمسے وہ صنم رکتا ھے
اور جو چپ رھیے، تو مشکل ھے که دم رکتا ھے

کس کا کوچه ھے یه، یارب، نہیں معلوم ہمیں
خود بخود یہاں کے پہنچتے ھی قدم رکتا ھے

کیا خاك ھے صفائی بھلا ہم میں یار میں!
خط بھی لکھا جو اوسنے، تو خط غبار میں

---

(۱) تذکره: ۱۹ ب؛ ریاض: ۱۴ ب؛ نغز: ۱، ۱۳۹؛ شیفته: ۴۹ ب؛ طبقات: ۳۶۱؛ سراپا: ۳۰۵؛ خمخانه: ۲، ۵۷؛ اشپرنگر: ۲۹۸۔
بر طبق طبقات و خمخانه، تسکین تا سنه ۱۸۴۸ع (۱۲۶۵ھ) بقید حیات بود۔

غش نے همارے عشق کو اظهار کردیا
بیهوش کیا هوے، اوسے هوشیار کردیا

صلح کرتے هوے، وه بر سر جنگ آهی گیا
عشق کا نام هی بد هے، اوسے ننگ آهی گیا

خاك کا ڈهیر هوا، باتوں هی باتوں جل کر
شمع کی گرم زبانی میں پتنگ آهی گیا

کوه الفت کا اوٹهانا نهیں سهل، اے تسکیں
هاتهه فرهاد کا آخر ته سنگ آهی گیا

(۲۱۷ الف) هفتم از طبقهٔ ثالث، موزون رنگین تحریر، شاعر دلاویز تقریر، شاه نصیر، متخلص به نصیر (۱) است، که حالا در

(۱) تذکره : ۸٦ ب ؛ ریاض : ۵۲ب ؛ نغز : ۲ ، ۲۷۲ ؛ شیفته : ۱۹۵ ب ؛ طبقات : ۲۱۸ ؛ آثار : باب ۴ ، ۲۱۴ ؛ سراپا : ۱۱۴ ؛ جدولیه : ۱۴۱ ؛ گلستان : ۴۵۹ ؛ شمیم : ۴۰ ؛ سخن : ۵۲۲ ؛ صبح : ۵۲۳ ؛ آبحیات : ۴۰۲ ؛ طور : ۱۱٦ ؛ خزینه : ۲۰۴ ؛ محبوب : ۲ ، ۱۰٦٦ ؛ گل : ۲۷۲ ؛ قاموس : ۲ ، ۲۵۹ ؛ جواهر : ۲ ، ٦٦۷ ؛ بیاض : ۸۲ ؛ اشپرنگر : ۲٦۹ -

از طبقات بوضوح می پیوندد که شاه نصیر ، چهار یا پنج سال قبل از تصنیف این تذکره ، که در ۱۸۴۷ع باختتام رسیده ، ازین جهان نا پایدار انتقال کرده بود - و بنابر این قول ، اشپرنگر رحلتش را در ۱۸۴۳ع (۱۲۵۹ه) ذکر کرده است - اما تذکره های دیگر فوتش را در ۱۲۵۴ه (۱۸۳۸ع) معرفی می کنند - درکتابخانهٔ عالیهٔ رامپور یك نسخهٔ خطیه از کلیات نصیر محفوظست ، که بنابر « گل رعنا » بردست میر عبدالرحمن بن میر حسین تسکین ترتیب یافته بود - و در آخر این نسخه یك قطعهٔ تاریخیه بزبان فارسی مندرج است ، که درو مادهء تاریخ « چراغ گل » می باشد ، و ازو ۱۲۵۴ بر می آید -

در خصوص سفر شاه نصیر بطرف لکهنئو ، مولوی عبدالقادر چیف رامپوری در روزنامچهٔ خود (٦۹ الف) می نویسد : « و همدران شهر (دهلی) شعرا بسیار اند - بلکه آغاز شعر ریخته بزبان اردو ازینجا است - اکنون نامور درین کار نصیرالدین نصیر است - و این مطلع وی :

(باقی)

شاهجهان آباد بر مسند سخن جا دارد۔ گویند که درین فن بسبب قوت طبیعت و مقبول شدن کلام در حضرت سلطانی، دام شرفه، کسی را بخاطر نمی آرد و دعویء ملك الشعرائی دارد۔ صاحب دیوانست و بدیهه گو۔ شهرت اوستادیش تمام شهر را فرا گرفته۔ راقم اورا ندیده، و نه کلامش شنیده، الاهمین یك شعر که نوشته می شود۔ و احوال آن آنچه مسموع شده بقلم آمده است۔ دروغ بگردن راویان۔ و طرفه (۱) تر اینست که آگاهیء فن و علم هیچ ندارد، و دماغ برآسمان۔ گویند که در سال گزشته بنابر تلاش پسر خودش، که گریخته بود، بلکهنئو آمده، در مشاعره های میرزا قمرالدین احمد خان بهادر حاضر می شد، و شعرخوانی میکرد۔ اشعار قدیم، که خوانده، خوب بودند، و غزلهای طرحی، که میگفت، هرگزآن پایه نداشتند، و کسی پسند نکرد. و الله عالم۔ و شعری که راقم را یاداست، این ست :

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

هشتم از طبقۂ ثالث، شاعر شیرین کلام، میان نورالاسلام بوده

(بقیه) پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں کیسا ؟
منه تو دیکھو، لکھے یاقوت رقم خان ایسا؟

عالمگیر است »

باز بسلسلۂ سفر خود بطرف لکھنئو ، که در ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۳ع) روداده ، می گوید : « روزی در محفل مشاعره ، که دران ایام بخانۂ مرزا جعفر می بود ، رفتم۔ مرزا محمد حسن قتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده بشمار می آمدند۔ و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روز افزونی درین کار بود۔ » (۴۰ الف)

(۱) اصل : « ترفه »

است منتظر (۱) تخلص داشت. جوانی وارسته مزاج، شوریده سر، عاشق پیشه، سر حلقهٔ تلامذهٔ مصحفی بوده. آخر آخر، قوت شاعری بسیار بهمرساینده؛ تقریرش نهایت دردناك و با مزه گردیده. سوای میر، علیه الرحمه، و اوستاد خود، کسی را درین فن بخاطر نمی آورد. بلکه بسبب مخاصمت (۷۱ ب) اوستاد، هجو میان جرأت و انشاء الله خان علانیه کرده، روبروی هریك میخواند. درعین جوانی و جوش شاعری از دنیا نا مراد رفت. این چند شعر ازوست:

چاهت مرے دل کی آزما دیکھ
ظالم، کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

خلق دیکھے ہے مہ عید تمام، آج کی رات
تو بھی، اے ماہ، جھلك جا لب بام، آج کی رات

کل شب وصل کو پھر دیکھیے یارب کیا ہو؟
ہو گئی باتوں ہی باتوں میں تمام، آج کی رات

ایك ذرا بے ادبی ہوتی ہے، تقصیر معاف (۲)!
پائینی گر رہے، کہیے تو، غلام آج کی رات

منتظر، ہے یہ شب ہجر کہ ایك روز سیاہ؟

---

(۱) تذکره: ۸۷ الف؛ ریاض: ۲ الف؛ نغز: ۲، ۲۱۶؛ شیفته: ۱۶۱ ب؛ طبقات: ۲۰۹؛ سراپا: ۰۸۸، ۱۶۵، ۱۸۳؛ شمیم: ۲۴۲؛ سخن: ۵۵۷؛ طور: ۹۳۶؛ اشپرنگر: ۲۶۳.

از طبقات معلوم می شود که منتظر در ۱۷۹۳ع (۱۲۰۸ه) بست و پنج ساله بود؛ لهذا سال تولد وی بحسب تخمین ۱۷۶۸ع (۱۱۸۲ه) می باشد. و تا ۱۲۰۹ه (۱۷۹۴ع) که سال اختتام تذکرهٔ مصحفی است، بقید حیات بوده؛ اماقبل از ۱۲۲۱ه (۱۸۰۶ع) که درو ریاض با نجام رسیده، ازین جهان رحلت کرد. چنانچه در دیاچهٔ ریاض باصطلاح اموات ازو ذکر رفته است.

(۲) نغز: «ایك یه عرض ہے، صاحب، مری تقصیر معاف.»

نہ تو شیشہ ہے، نہ ساقی ہے، نہ جام آج کی رات

آرزو میں سجدے کی سر دے دے مارا، منتظر
سر پہ کیا آفت یہ لی، وہ آستانہ (۱) چھوڑ کر؟

تم پیار کرو گر نہ، صنم، اور کسی کو
سوگند لو، پھر چاہیں جو ہم اور کسی کو
اغیار تو سب جھوٹھے ہیں، کب ہمکو کہا کچھہ؟
پوچھو تو، ذرا دیکھے قسم اور کسی کو
میں نے جو کہا: «گھر مرے چلیے کوئی دم آپ»
تو ہنس کے کہا: «دیجیے یہ دم اور کسی کو»

ہرگز نہوا طے یہ بیابان محبت
درپیش رہا مجھکو نیا مرحلہ، ہر روز

یہ سر نوشت میں تھا، جائے راہ میں مارا
وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لیکے چلے

یک سر مو نہ یہ حال دل ابتر سمجھے
زلف سے تیری خدا، او بت کافر، سمجھے
مجھہ سے کہتا تھا وہ: «اک روز سمجھہ لوں گا میں»
حالت نزع میں ہوں میں، ابھی آکر سمجھے
(۲۱۸ الف) دولت حسن ہے جس پاس، یہ اوس سے ہے سوال
«کچھہ نہ لے اور نہ دے، پر ہمیں نوکر سمجھے»

امید ہے کہ مجھکو خدا آدمی کرے
پر آدمی کرے، تو بھلا آدمی کرے

---

(۱) اصل: «آستان»

مارا ھے کوھکن نے سر اپنے پہ تیشہ، آہ!
دل کو لگی ھے چوٹ، تو کیا آدمی کرے؟
گزرا میں ایسی چاہ سے، تا چند، ھمنشیں
بیٹھا کسی کے منہ کو تکا آدمی کرے

نہم از طبقۂ ثالث، رقت (۱) کہ مرزا قاسم علی نام داشت۔ بزرگانش اهل خطۂ (کشمیر) (۲) بودند۔ خود در شاہجهان‌آباد تولد شدہ، بلکھنؤ و فیض‌آباد نشو و نما یافت۔ مشق سخن اول از میان جرأت نمود۔ آخر بحسرت، کہ اوستاد جرأت بود، رجوع آوردہ، ازو منحرف شد۔ مشق سخن بہ پختگی رسانیدہ، دیوان ترتیب داد۔ اما جز غزل دیگر کلامش بسیار کم است، بلکہ نیست۔ این چند شعر ازوست:

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا!

جوان تم ھوے، نام خدا، پہ رقت تو
گھٹا کے دیکھے ھے اب تک بھی تین چار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی!

دیوار گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ھے
زاھد، بتا تو مجھکو، طوبے میں شاخ کیا ھے؟

دھم از طبقۂ ثالث، غضنفر علی خان غضنفر کہ نبیرۂ غلام حسین

(۱) طبقا : ۴۰ ؛ تذکرہ : ۳۵ الف ؛ نغز : ۱ ' ۲۷۵ ؛ شیفتہ : ۳۷ ب ؛ طبقات : ۳۳۱ ؛ سراپا : ۱۸۳ ' ۲۷۳۰ ؛ سخن : ۱۸۹ ؛ خمخانہ : ۳ ' ۴۹۱ ؛ اشپرنگر : ۲۸۳۔

(۲) اصل این کلمہ را ندارد۔

خان کروره هست (۱)۔ اصل بزرگانش کهتری؛ از چند پشت بشرف اسلام مشرف شده۔ (۲۱۸ب) کلامش در برشتگی و لطافت و صفای بندش هم پهلوی منتظراست، و خود هم مثل سر حلقهٔ جمیع تلامذهٔ میان جرأت۔ از تقریر آن طرز اوستاد بسیار می تراود۔ غرضکه نهایت شیرین کلام و خوش فکر است۔ این چند (شعر) ازوست:

کروں کیوں نہ سازش یہ دربان سے؟
کہ ڈرتا ہوں شیطان طوفان سے

ملاقات سے میری چھکو نہ تم
کہ انسان ملتے ہیں انسان سے

شب بھر میں، اپنے اشکوں کا جوش
کئی ہاتھ اونچا تھا طوفان سے

یہ بوسہ تم اپنا ابھی پھیرلو
میں گزرا، اجی، ایسے احسان سے

نرم کیونکر نکرے دل کو تمھاری آواز؟
ایسے نازک سے گلے میں یہ کراری آواز!

مرتے دم یار جو آیا، تو کہوں کیا اب، آہ!
شدت ضعف سے، دیتی نہیں یاری آواز

اوس کے در سے نہ اوڑا خاک میری باد فنا (۲)
کہیں گے: «بعد فنا یار کا در چھوڑ دیا»

مجھے صیاد کہے ہے: «تجھے گر چھوڑوں گا»

---

(۱) طبقا: ۳۸؛ تذکره: ۵۴ ب؛ نغز: ۲، ۲۸؛ شیفته: ۱۲۰ ب؛ طبقات: ۲۵۶؛ سراپا: ۲۶؛ شمیم: ۱۷۶؛ سخن: ۳۵۱؛ طور: ۷۵؛ جواهر: ۲، ۶۲۷۔

(۲) کذا۔ وانسب «بادصبا» است۔

تو میں پر باندھه کے، یا توڑ کے پر چھوڑوں گا
در پہ وحشت مری دیکھه اوس نے کہا ہو کے بہ تنگ:
« اس کے ہاتھوں سے میں اك روز یہ گھر چھوڑوں گا »

آج لے لو سب سے لادعوے، کہ روز حشر کو
ہو نہ فریادی کوئی دامن تمہارا کھینچکر

یاردهم از طبقهٔ ثالث، سید مهر اللهخان غیور (۱) که مثل آئینه محو صفای وصاف گوئی است اگرچه خود از تلامذهٔ منت و ممنون است، که (۲۱۹ الف) طرز ایشان تلاشی است با تراکیب فارسیه؛ اما چون طبع لطیفش از اصل ساده پسند و ساده دوست افتاده، در شعر هم آن قدر سادگی را دوست میدارد که گاهی خیال تلاش بسهو هم نمیکند. آنچه بسته و نوشته، همه بی تکلف است. دیوانش قریب دوهزار بیت خواهد بود. با راقم حروف سر رشتهٔ محبت بسیار مضبوط و مستحکم دارد. بیان عمدگیء خاندان آن عالی نژاد، از شرح مستغنی است. میر فتح‌علی‌خان مرحوم، عم او بوده اند، و خود هم همیشه معزز و مکرم بود. این چند شعر ازو ست:

کیا پوچھے ہے، زاہد، تو اب آئین ہمارا؟
ایمان ہے اك کافر بیدین ہمارا

گرگئے قامت کو دیکھه، سرو گلستان کھڑے
رهگئے چال اوس کی (۲) دیکھه، کبك خراماں کھڑے

پوچھا نہ کبھی اوس نے « کہ کیا نام ہے تیرا»؟
« کیوں آتا ہے، کس واسطے، کیا کام ہے تیرا»؟

---

(۱) ریاض: ۲۱ الف؛
(۲) اصل: « اوس کا »

جنبش میں ھے وہ ابروی خمدار متصل
تلوار (۱) پر برستی ھے تلوار متصل

وھاں تیری چلی غیر پہ، اے یار، کٹاری
یہاں رشك سے سینے کے ھوئی پار کٹاری

جسوقت کہ مجلس میں لیا غیر نے بوسہ
تب کیا ھوئی وہ آپ کی خونخوار کٹاری

گو غیر کو گھر اپنے میں یہاں تمنے بچایا
سن لیجو کہ ماری سر بازار کٹاری

آتا ھے یہی جی میں، غیور، اوس کی گلی میں
گر رھیے کہیں مار کے ناچار کٹاری

ھے جو وضع فلك میں بیمہری
اوسی عالی جناب کی سی ھے

(۲۱۹ب) کیا جانے، کون کون ھوے بیگنہ ھلاك؟
کوچے میں اوس کے رات دوھائی پڑی رھی

جاری ھوا یہ چشم کا سیلاب رات کو
ڈوبا تمام صبر کا اسباب رات کو

دوازدھم از طبقۂ ثالث، قمر چرخ فتوت، خورشید فلك مروت، جوان صبیح، خوش فکر فصیح، جناب معلی القاب، نواب افتخار الدولہ، معین الملك، مرزا قمر الدین احمد خان بہادر، صولت جنگ، دام ظلہ و اقبالہ، است و قمر تخلص می نماید. و آن خواھرزادۂ نواب سرفراز الدولہ مرحوم، کہ نایب وزیر، یعنی نواب آصف الدولہ

(۱) اصل: « تروار »

مغفور بود، و اکبر اولاد مرزا فخر الدین احمد خان بهادر، المشهور بمرزا جعفر صاحب، دام اقباله، است. جوانی است بالباس وجاهت و خوش تقریری آراسته، و بزیور خلق و حلم پیراسته، نهایت ذکی و کمال ذهین. هفت هشت سال شده که شوق شعر دامن دلش بخود کشیده، اورا در فکر ریخته مشغول ساخت. چون طبع آن عالی نژاد از اصل عالی بوده، در عرصهٔ قلیل سخن را بپایهٔ پختگی رسانده، صفای تمام پیدا نموده. اکثر غزلهای نامی و مشهور سلطان الشعرا مرزا محمد رفیع، و امیر بلغا میر محمد تقی، و محمد قایم صاحب، و بقا، و حسرت، و نثار را جواب گفته، بخوبی از عهدهٔ آنها برآمده؛ بلکه ببعض مقام برین بزرگواران رجحان جسته. کلامش بسیار باصفا و متانت است. تراکیب فارسیه دارد، و از ارشد شاگردان مرزا محمد حسن خان (۲۲۰ الف) قتیل است. بر راقم کمال مهربانی و نوازش میفرماید، و از قدیم مالوف بوده؛ بلکه عاصی از مدت نمک پرورده و دست گرفتهٔ خاندان اوست. عمر شریفش تخمینا بچهل و پنج سال رسیده باشد (۱). این چند شعر کلام صفا نظام آن محسن بنده است:

نه کیوں هو یاس دل زار کی مگر سے آج؟

دهواں سا اوٹهنے لگا بیطرح جگر سے آج

جراحت دل مضطر په هے نمك افشاں

---

(۱) شیفته: ۱۳۴ الف؛ طبقات: ۳۴۶؛ سراپا: ۲۶۶، ۲۸۹، ۳۶۷؛ سخن: ۳۸۸؛ آبحیات: ۳۴۵؛ روز روشن: ۵۶۱؛ طو: ۸۱؛ گل: ۳۴۲، حاشیه؛ اشپرنگر: ۲۷۷.

در شیفته و طبقات، اسم پدر قمر را مرزا تقی هوس نوشته اند، که غلط محض است. و در خصوص وفاتش در روز روشن گفته که «در اواسط مایهٔ ثالث عشر قمر عمرش بخسوف مرگ منخسف گردید.» اما صاحب گل رعنا صراحت می کند که در ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ع) وفات یافت.

خیال خندۂ دندان نما، سحر سے آج

کچھ ان دنوں بہت اوس سے خفا ہے وہ بیمہر
ہوا ہے مجھکو یہ ثابت، رخ قمر سے آج

دشت میں صرف ہوئی ہمت نخچیر عبث
کب لگاتا ہے کسی صید پہ وہ تیر عبث؟

اغیار کی نظر میں مجھے خوار مت کرو
گھر تک تو میرے چلنے کی تکرار مت کرو

رسوائی ہوگی، دوستو، بازار حسن میں
ظاہر تو اوس کا مجھکو خریدار مت کرو

جب تک وہ خود شناس نہیں، تب ہی تک ہے خیر
غفلت کے خواب سے اوسے بیدار مت کرو

مصرف میں اپنے لاؤ اسے بھی حنا کے ساتھ
ضایع زمیں پہ خون مرا ہربار مت کرو

اے آہ شعلہ پرور و اے اشك خونچکاں!
افشا کسی پہ راز دل زار مت کرو

میں تیرے ہی آگے جان دونگا
تو قیس نکر قیاس مجھکو

آب دم تیغ یار، آ جلد
کرتی ہے تمام پیاس مجھکو

کر ڈالتا خون میں اپنا کب کا؟
ہوتا نہ ترا جو پاس مجھکو

آمد شد نفس، دم خنجر ہے تجھ بغیر
جینا جہاں میں مرگ سے بدتر ہے تجھ بغیر

(۲۲۰ب) جلد آ پہنچ اثر کو لیے، نالۂ رسا
بر باد میرے اشک کا لشکر ھے تجھه بغیر
دل اور جگر میں آگ ھے ھجراں کی مشتعل
عاشق کی شکل، غیرت مجمر ھے تجھه بغیر
زباں پہ شکوہ نہیں تیغ یار جانی کا
میں کشتہ (ہوں) تری، اے شمع، جانفشانی کا
اوٹھا سکے کبھی بار نگاہ مور نہ کوہ
جو اوس پہ سایہ پڑے میری ناتوانی کا
لگادی آگ سی دل میں تمام مجلس کے
برا ھو اس دل سوزاں کی قصہ خوانی کا
دلوں کو دلتی ھے، جوں آسیا، وہ گردش چشم
مجھے گلہ نہیں کچھہ دور آسمانی کا
ندینا دل کہیں باتوں میں اوس کی آکے، قمر
بھروسا کچھہ نہیں ایسے کی مہربانی کا
اوس فتنۂ محشر سے، قمر، دل نہ لگانا
اس چین سے پھر تو کسی عنواں نہ رھیگا
اے عندلیب، چہچہے تیرے بجا ھیں پر
میری طرح، ترا تہ خنجر گلو نہیں
حکم اوس گلی میں آنے کا مدت سے ھے مجھے
جز ناتوانی اب کوئی اپنا عدو نہیں

بدانکہ اسامیء چند کس از شعرا، کہ درین رسالہ ضبط شدہ، بعضی ازین بمنزلۂ اصل اند؛ چہ بنای صحت محاورۂ اردوی معلی بر مقولۂ اینہا متحقق گشتہ، یعنی، مثل مرزا محمد رفیع، و میر محمد

تقی، و مرزا جان‌جانان مظهر تخلص، و میر درد، و قایم، و سوز؛ و باقی بزرگان، که مسطور اند، بنابر فصاحت کلام خودها و شهره و اعتبار، که ایشان را درین فن حاصل شده است، و دوست و دشمن (۲۲۱ الف) مقر بکمال گردیده، آنها فرع- و الادر هر قصبه و بلده و قریه موزونان بسیار پیدا شده اند و می شوند، و موافق معلومات خویش و طبیعت مدام در زبان خودها همه شعرها می گویند و گفته اند- لیکن چون مدار ریخته برزبان خاص شاهجهان‌آباد است، بهمین جهت اشعار و کلام همان اشخاص، که در دهلی یا در لکهنئو نشو و نما یافته، و محاوره و زبان در صحبت شعرای مذکور تحقیق نموده، بپایهٔ اعتبار رسیده اند، مقبول و معتبراست و بس- هر چند شعرای قصبات فاضل و عالم فن باشند، اما کلام ایشان مطلق مقبول نیست، و برای دیگر هرگز سند نتواند شد؛ چه زبان دان و صاحب محاوره نیستند-

و شعر مرزاجان‌جانان، که درین مقام نوشته‌نشدند، سببش اینست که آن آفتاب چرخ فصاحت، و نیراعظم فلك بلاغت، بیشتر فارسی می‌گفت، و ریخته همینقدر که برای اصلاح بعضی از شاگردان او بکارآید، یا بکدام خیالے دیگر، بقلت میفرمود اما کلام نثر او، که سراسر سند بود، همه شعرا باوستادیء او مقر بودند، و درستیء کلام خود بنابر اصلاح و تصحیح او مسلم و موقوف میدانستند- بلکه اعتقاد جمعے از محققین همین است، که بانیء بنای ریخته بطرز فارسی اول جناب ایشان است، چنانچه درین مقدمه هم باین معنی اشاره شده و دیگران همه متتبع و مقلد او هستند- بهر کیف در اوستادی و زباندانیء او (۲۲۱ ب) هرگز شك نیست-

مولف این کتاب که یکتا تخلص میگزارد، و خود را کمتر از همه می شمارد، میخواست که چند شعر از کلام خود هم بتقاضای یاے تحتیه که سر تخلص اوست، آخر همه درینجا بنگارد۔ اما چون پابند نام و شهرت درین فن نیست و نبود، لهذا هیچ نه نوشته، صرف بشعرهای امثله، که درین رساله درج هستند، اکتفا نمود۔

مخفی مباد، که عرصهٔ بعید و مدت مدید سپری گردیده، که چهرهٔ تسطیر این مقاله، و گردهٔ تصویر این رساله، برصفحهٔ وجود نقش گرفته، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، که بوجوه شتی لاحق حال من غربت مآل مانده، در محل تعطل افتاده بود۔ و درین تعطیل، که سالهاسال بسر آمده، هرگز طبیعت متوجه نشد که بنظر ثانی پردازد، یا آن را بنحوی که منظور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان فقیر، مسمی بشیخ رمضان علی صاحب، سلمه ربه، از باشندگان لکهنئو، کمر همت بسته، بنقاش پرداختند، و بسعی تمام در ماه ذیحجهٔ این سال آن را تمام ساختند۔ الحمد لله علی اتمامه، و الشکر علی التوفیق باختتامه۔

قطعهٔ تاریخ

صد شکر که اتمام پزیرفت رساله
واضح شد ازان جمله قوانین بلاغت
تاریخ تمامیش طلب کرد چو یکتا
فی‌الفور خرذ گفت که «دستور فصاحت»
۱۲۳۹ھ

اشاریہ

۱۔ اشخاص

ش

ص

ض

ط

ظ

۲ ـ مقامات

ش

ص

ع

ف

ق

ک

ل

م

ن

ھ

۳ ـ کتب و السنہ

ا

ب

ذ

ر

ز

س

ش

ص

ط

ع

غ

ف

ق

ک

گ

تصحیح و استدراک

(اس صحت نامے میں نقطوں وغیرہ کی وہ معمولی غلطیاں جو بادنی تامل سمجھہ میں آجاتی ہیں، ترک کر دی گئی ہیں اور ح سے حاشیہ مراد لیا ہے۔)

صفحه	غلط	صحیح
ص ۱ سطر ۸	قرب او، تعالی	قرب او تعالی،
,, ۵ ,, ۶	دفعة	دفعةً
,, ۷ ,, ۱۴	حفن	چمن (اصل میں حفن ہی ہے۔ لیکن ہونا چاہیے کوئی ایسا لفظ جو متحرک الاوسط ہو۔ چونکہ چمن کو غلط فہمی سے کاتب حفن لکھہ سکتا ہے، اور ہے بھی وہ متحرک الاوسط، اس بنا پر میری راے میں متن کے اندر چمن لکھنا چاہیے۔)
,, ۱۳ ,, ۲	فقط	ضبط (اصل میں فقط ہی ہے۔ مگر وہ ضبط کی تصحیف معلوم ہوتی ہے۔)
,, ۲۱ ,, ۲۱	آپ	آپ کو
,, ۲۳ ,, ۲۳ح	خوصاً	خصوصاً
,, ۱۲۳ ,, ۳ح	بحرکت دوم (؟) است	بحرکت دوم است۔
,, ۳۷ ,, ۵ح	طبعیت	طبیعت
,, ,, ,, ۲۳ح		(اضافه کرو) و احمدعلی هاشمی در مخزن الغرائب (۱۶۳ ب) گفته : « خواجه میر درد، رحمة الله علیه، وی پسر جناب خواجه محمد ناصر است . سلسلهٔ ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد۔ پدرش مرید شیخ سعدالله گلشن است که آینده

صفحه	غلط	صحیح
		ذکرش در حرف کاف خواهد آمد۔ در دهلی بلکه در تمام هندوستان نظیر خود نداشت ملکی بود بصورت انسان و شاهی بود بجام خلقان۔ کمال استغنا و فروتنی داشته۔ خداش بیامرزد! دیوان هندی او مشهور است حاجت بیان نیست۔ و بزبان فارسی نیز دیوا ترتیب داده۔ لیکن بسبب هرج و مرج ده که دران وقت روداده بود، چند شعر آ از گفتۀ ایشان بدست آمده بود، تلف شد فقیر ایشان را زیارت نموده۔ نهایت شفق بزرگانه بحال نیازمند مبذول می فرمودند۔»
,, ۴۵ ,, ۳	شبه	شبهه
,, ۵۷ ,, ۱۵	هوگا	ہوگیا
,, ۵۸ ,, ۳ح		(اضافه کرو) بوستان اوده : ۹۶؛ تار مثنویات اردو : ۸۵
,, ۶۳ ,, ۸ح		(,,) وفائی ابوالعلائی در کا العارفین (ص ۱۷۱–۱۸۰، مطبع منعمی، ۱۳۵۰ھ) ذکر مفصلی از شاه رکن الـ عشق آورده۔ و در خصوص وفاتش آ که عشق روز یکشنبه بوقت ظهر هفتم جمادی الاولی سال یکهزار و دو صد و هجری در عظیم آباد فوت شد۔»
,, ۶۵ ,, آخری ح	بخزه	بخنده
,, ۸۳ ,, ۴	(۱)	
,, ۸۵ ,, ۴ح		(اضافه کرو) تاریخ مثنویات اردو :
,, ۹۰ , ۲۱ح	لنبود	نبود
,, ۹۱ ,, ۱۰ح	ردیگر	و دیگر

صفحه			غلط	صحیح
،،	۹۳ ،، ۸		محی	محیی
،،	،، ،، ۵ح			(اضافه کرو) تاریخ مثنو یات اردو: ۱۰۱
،،	۹۴ ،، ۸		تلامذش	تلامیذش (مگر اصل میں تلامذش هی هے).
،،	۹۸ ،، ۱۵		طوطئے	توطیے (مگر اصل میں طوطئے هی هے)
،،	۹۹ ،، ۵ح			(اضافه کرو) تاریخ مثنو یات اردو: ۷۰
،،	۱۰۱ ،، ۵ح			(اضافه کرو) عسکری: ۲، ۸؛ تاریخ نثر اردو : ۸۵؛ داستان تاریخ اردو: ۱۰۳-
،،	۱۰۳ ،، ۳ح			(اضافه کرو)بوستان اودھ: ۱۱۱؛
،،	۱۰۳ ،، ۴ح			(،،) تاریخ نثر اردو : ۹۷-
،،	۱۰۴ ،، ۵ح			(،،) تاریخ داستان اردو: ۱۵۳
،،	۱۰۸ ،، ۱۸ح		مستخصر	مختصر
،،	۱۱۹ ،، ۷		صفای	صفائی

تصحیح دیباچه

			غلط	صحیح
،،	۲ ،، ۱۰		ادبیوں	ادیبوں،
،،	۱۳ ،، ۴		راغ	زاغ
،،	۲۵ ،، ۷		بتبیض	تبییض
،،	۵۲ ،، ۷		وجهه	وجه
،،	۵۷ ،، ۴ح		۲،۹۲	۹۲،۲
،،	۵۸ ،، ۵		سنهٔ هجری	سه هجری
،،	۱۱٦ ،، ۱۳		Dictconary	Dictionary